رہبرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش

رہبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

قیمت سوا دو روپیہ

جلد نمبر ۱۰ | دہلی، جمعہ، ۲۵ر اگست ۱۹۶۱ء مطابق ۱۲ر ربیع الاول ۱۳۸۱ھ | شمارہ نمبر ۲۳۴

محمد مسلم نے جماعت اسلامی ہند کی جانب سے سودیشی پریس دریا گنج میں چھپوا کر دفتر دعوت ۱۵۲۵ سوئیوالان دہلی ۶ سے شائع کیا - ایڈیٹر محمد مسلم

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ
إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿٣٢﴾
هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ
لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾

"یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں، مگر اللہ
اپنی روشنی کو مکمل کئے بغیر ماننے والا نہیں ہے، خواہ انکار کرنے والوں کو یہ
کتنا ہی ناگوار ہو۔ وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین
حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے، خواہ مشرکوں
کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔" (توبہ)

گزارشات

اس کارخانہ عالم پر نگاہ ڈالیے، معلوم ہوگا کہ یہاں کی ہر چیز کو ایک مقصد کی تکمیل کے لئے خلعت وجود سے نوازا گیا ہے، اجرام سماوی ہوں یا وجود ارضی ہر ایک سے ایک غایت کی تکمیل ہو رہی ہے۔ ہوا، پانی، روشنی، پھل پھول، چاند تارے، ساری چیزیں انسانوں کے کام آ رہی ہیں۔

انسان اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لئے ان چیزوں کا حاجت مند تھا، اور پروردگار عالم کی رحمتوں اور شفقتوں نے اس کی حاجتیں پوری کر دیں، انسانوں کو جن جن چیزوں کی ضرورت تھی، قدرت نے وہ ساری چیزیں مہیا کیں، اور اب ان سے انسان اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لئے کام لے رہا ہے۔ تشنگی بجھانے کے لئے پانی، اور بھوک مٹانے کے لئے غذا استعمال کرتا ہے لیکن اگر انسان ان چیزوں کے برتنے میں اپنا رویہ بدل دے، اور پیاس بجھانے کا کام غلہ سے لے تو وہ تڑپ تڑپ کر جان دے دیگا۔ لیکن اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہ ہو سکے۔ کیونکہ یہاں قدرت نے جس چیز کو جس کام کے لئے بنایا ہے، اس سے وہی کام بہتر طریقہ سے لیا جا سکتا ہے۔ آنکھوں سے دیکھنے، کانوں سے سننے اور پاؤں سے چلنے ہی کا کام لیا جا سکتا ہے، اگر کانوں کو دیکھنے اور آنکھوں کو سننے کے لئے استعمال کرنا چاہیں، تو نہ دیکھ سکیں گے، نہ سن سکیں گے۔ ایسے آدمی کے لئے یہ دنیا اپنی رعنائیوں کے باوجود بے نور اور خاموش غار ہو کر رہ جائے گی۔

جس طرح انسان کو دیکھنے اور سننے کی ضرورت ہے، اور اس ضرورت کی تکمیل کے لئے

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش

اللہ نے کان اور آنکھ ایسی نعمت سے اپنے بندوں کو نوازا۔ اسی طرح ان سب ضرورتوں اور حاجتوں سے بڑھ کر ایک اور ضرورت بھی ہے اور وہ ہے ہدایت اور رہنمائی حاصل کرنا۔ انسان اس دنیا میں ... اپنی منزل کو پہچاننے اور انسانیت کی راہ پر چلنے کے لئے رہنمائی کا محتاج ہے۔ اس حاجت کی تکمیل اللہ نے نبوت اور رسالت کے ذریعہ کی ہے۔ انسانوں کی رہنمائی ہی کے لئے نبیوں کو بھیجا گیا۔ آدم علیہ السّلام سے لے کر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے نبی اور رسول آئے، اسی فریضہ کو انجام دیا، اللہ کا ان سب پر درود و سلام ہو۔ گویا نبی بھیجا ہی اس لئے جاتا ہے کہ وہ لوگوں کی رہنمائی کرے، نبی قدرتی رہنما ہوتا ہے، اسے چھوڑ کر اوروں سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کرنا ایسا ہی ہے جیسے آنکھ کے بجائے کان سے دیکھنے کی کوشش کرنا۔ ظاہر ہے کہ جو آدمی یہ کوشش کرے اسے قدم قدم پر ٹھوکروں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ ابن آدم کی تاریخ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ جب جب انسانوں نے انبیاء کی رہنمائی سے منہ موڑا، انھیں ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑا۔ عہد نوحؑ میں، ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں موسیٰ علیہ السلام کے دور میں جب بھی لوگوں نے انبیاء کی تعلیم و ہدایت سے اعراض کیا، تمام صلاحیتوں اور اسباب و وسائل کے باوجود ناکام و نامراد ہو گئے۔

انسانی تاریخ کی یہ گواہی ہے کہ جب بھی لوگوں نے ان اصلی رہنماؤں سے منہ موڑ کر زندگی کے مسائل کو حل کرنا چاہا ہے ناکام ہو گئے ہیں۔ اور جب جب یہ طرز عمل اپنایا جائے گا یہی نتیجہ نکلے گا۔

اللہ کے بھیجے ہوئے رہنماؤں میں حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم آخری رہنما ہیں، آپ کو ساری دنیا کے لئے رہنما بنا کر بھیجا گیا۔ اب آپ کو چھوڑ کر کسی اور کی رہنمائی میں دنیا فوز و فلاح سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔

نیک بچہ، صالح نوجوان، پیر دانا، شریف پڑوسی، اچھا شہری، مددگار بھائی، شفیق باپ، اچھا شوہر، ایمان دار تاجر، بہترین قائد، ایک بہادر سپہ سالار، ایک عادل جج، ایک بہترین قانون داں، ہر ایک کے لئے آپ کی زندگی میں نمونہ ہے، آپ کی ذات خوبیوں اور اچھائیوں کا ایک حسین پیکر ہے۔ ع

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

آپ کی عظمت اور بزرگی کا احاطہ کون کر سکتا ہے جس کی ذات ع بعد از خدا بزرگ

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش

تو بقی قصہ مختصر، کی مصداق ہو، کیا اس کے جلال و جمال کی صورت گری کاغذ کے صفحات پر ممکن ہے ؟

جو ذات مہر و مروت، شجاعت و دلیری، صبر و تحمل، جود و سخا، ایثار و غمخواری، تواضع و انکساری، عدل و انصاف، مہمان نوازی، شفقت و محبت، حرارت و صداقت عدل و احسان، قیادت و سیاست کی مجمع البحرین ہو، اس کے اوصاف حمیدہ کو صفحہ قرطاس پر خطوط و نقوش کے ذریعہ اجاگر کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے،

پھر بھی دعوت کی اس خصوصی پیش کش "رہبر عالم" کے صفحات میں کوشش کی گئی ہے، کہ دنیا کے اصلی رہنما اور ہادی کی حیات طیبہ کی ایک جھلک لوگوں کے سامنے آجائے۔

آپ کے پیغام اور حیات کا دنیا سے تعارف کرانا یہ بڑی سعادت کی بات ہے، یہی وجہ ہے کہ زبان، وطن، نسل، رنگ، عقیدہ اور دین کے اختلاف کے باوجود مصنفین اور مولفین کی عظیم تعداد آپ کے سوانح نگاروں کی صف میں کھڑی ہے۔ اور قیامت تک یہ تعداد بڑھتی ہی چلی جائے گی۔

پروردگار! ہمیں اپنی بے بضاعتی اور کم مائگی کا احساس ہے، کام کے انجام اور حسن تکمیل کے لئے ہم تری مدد اور سہارے کے محتاج ہیں۔ تو ہی نے یہ سعادت کی راہ دکھائی، اور اب تجھی سے اس راہ پر چلنے کی ہم توفیق چاہتے ہیں۔

بارالہا! ہماری ان حقیر کوششوں کو تو اپنی قبولیت اور رضا سے نواز دے اور ہمارے لئے اسے دنیا اور آخرت میں کامیابی کا وسیلہ بنا دے۔ آمین

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ط

سلام

(احقر ایم اے)

سبز گنبد کے مکیں تجھ پر سلام — اے امام المرسلیں تجھ پر سلام
ہادیِ دینِ متیں تجھ پر سلام — رحمۃ للعالمیں تجھ پر سلام
علم و حکمت کے امیں تجھ پر سلام — محرم اسرار دیں تجھ پر سلام
سیدِ روح الامیں تجھ پر سلام — اے شہِ دنیا و دیں تجھ پر سلام
عشق کی دنیا ہے تجھ سے تابناک — اے حسینوں کے حسیں تجھ پر سلام
بھیجتا ہے اے شہِ جن و بشر — مالکِ عرشِ بریں تجھ پر سلام
اضطرابِ دل کو حاصل ہے سکوں — راحتِ قلبِ حزیں تجھ پر سلام
ہو گئے مغلوب اوہام و گماں — پیکرِ سوزِ یقیں تجھ پر سلام

احقرِ عاصی بھی ہے امیدوار
اے شفیع المذنبیں تجھ پر سلام

❖

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش

طاقتور کون ہے

عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لیس الشدید بالصرعة انما الشدید الذی یملك نفسه عند الغضب (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کشتی میں (قوت کا مظاہرہ کرنے والا) طاقتور نہیں ہے، بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے"

(از شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ)

نبی کی ضرورت

انسان میں دو قسم کی قوتیں ہیں: بہیمی اور ملکوتی۔ کھانا، پینا، شہوت، حرص و طمع، استیلاء وغیرہ افعال بہیمی قوت کے آثار ہیں۔ غور و فکر، علم و معرفت، حسن اخلاق، صبر و شکر، عبادت و طاعت وغیرہ ملکوتیت کے نتائج ہیں۔ انسان کی روحانی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ اس کی بہیمی قوت اس کی ملکوتی قوت کے تابع ہو۔ اگرچہ عقل سلیم ان اصولوں اور طریقوں کو معلوم کر سکتی ہے جن کے ذریعہ سے بہیمیت کے تابع ملکوتیت ہونے کے فائدے اور گناہ و عصیان کے نقصانات ظاہر ہوں۔ عقل سلیم کے اس علم سے انسان فائدہ اٹھا کر اپنی اصلاح کر سکتا ہے۔ مگر یہ تو امکان عقلی ہے، عملی کیفیت یہ ہے کہ انسان کی آنکھوں پر موجودہ دنیاوی لذائذ، حرص و طمع اور بے جا خواہشوں اور غفلتوں کے اتنے تو بہ تو پردے پڑ چکے ہیں کہ اس کے اصلی اور فطری وجدان اور قوت احساس کا مادہ فاسد ہو جاتا ہے۔ جیسے بیماری میں انسان کی زبان کا ذائقہ جب بدل جاتا ہے تو میٹھے سے میٹھی چیز اس کو کڑوی معلوم ہوتی ہے اسی طرح اندرونی وجدان اور احساس کے فاسد ہو جانے سے بھی وہ حق و باطل، خیر و شر اور نیک و بد کی تمیز کو بھول جاتا ہے۔ اس لئے نوع انسان کو ایسے صحیح رہنماؤں اور روحانی معلموں کی ضرورت ہے جن کے احساس و وجدان کا آئینہ گرد آلود نہ ہو۔

اگر افراد جماعتوں اور اہل ملک کو ایسے شخص کی ضرورت ہے جو اپنی سیاست کے زور سے ان میں صلح و آشتی اور امن و امان پیدا کر دے تو ایک قوم کی قوم بلکہ کل دنیا کے لئے ایک ایسے شخص کی ضرورت کیوں نہ ہو جو ہر گروہ کی استعداد کو پیش نظر رکھ کر اس کے مطابق اس کے حقوق و فرائض کی تعیین کرے۔ ایسے لوگ جو ایسے اہم فریضہ کو انجام دے سکیں اسی طرح کم ہیں جس طرح دوسرے اصناف کے اہل کمال، انسانوں کے معمولی پیشوں نجاری اور لوہاری کو دیکھو کس قدر

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیش کش

معمولی ہیں نگران کو کرنا بھی ہر شخص کا کام نہیں۔ یہ پیشے بھی ایسے لوگوں کے بغیر وجود میں نہیں آئے جن کو ان کاموں کا خاص ذوق و وجدان تھا۔ اور ان کو ان کاموں کی خاص فطری استعداد ملی تھی جس کے ذریعہ سے انھوں نے اس فن کو تکمیل تک پہنچایا اور اس کے اصول و قواعد وضع کیے۔ اور بعد کے آنے والوں نے ان کی تقلید کی اور اس تقلید سے مدارج علیا تک پہنچے۔ پھر اخلاق اور روحانیات اور ملک اور ملت کے مصالح و فوائد عامہ کا فن جس قدر اہم اور نازک ہے کیا اس کو سمجھنا اور وضع کرنا ہر کس و ناکس کا کام ہو سکتا ہے۔

پھر اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جو شخص اس رہنمائی کے منصب کا مدعی ہو وہ اپنی نسبت یہ بھی ثابت کرے کہ وہ ان اصول و قواعد سے بخوبی واقف ہے۔ اور وہ اپنے علم اور تعلیم میں غلطی اور گمراہی سے محفوظ ہے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس کے علم اور تعلیم کا ماخذ اور سرچشمہ غلطیوں سے پاک اور محفوظ نہ ہو اس کو ان امور کا علم اسی طرح وجدانی ہو جس طرح انسان کو بھوک اور پیاس کا وجدان ہوتا ہے۔ کیا کسی کو اس علم میں کہ اس کو بھوک و پیاس معلوم ہوتی ہے کوئی غلطی ہو سکتی ہے، اسی طرح اس کو حق و باطل، خیر و شر اور نیک و بد امور کے درمیان فیصلہ اسی طرح قطعی معلوم ہوتا ہے جس میں نہ دلیل کی حاجت ہوتی ہے اور نہ عقل معاش کی ضرورت ہوتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر بھوک اور پیاس ہونے کا علم اس طرح رکھ دیا ہے کہ ہمارے سامنے کوئی معاند کتنی ہی دلیلیں پیش کرے کہ ہم کو بھوک یا پیاس نہیں ہے۔ ہم کبھی اپنے اس وجدانی یقین سے جس کو خدا نے ہمارے اندر پیدا کر دیا ہے اس معاند کے ان عقلی دلائل سے متاثر ہو کر دست بردار نہیں ہو سکتے اور اپنے یقین کو غلط نہیں کہہ سکتے۔ بعینہ اسی طرح ان نفوس قدسیہ کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے خاص قسم کا وجدان و ذوق سلیم رکھ دیا ہے جس کا عمل ہمیشہ صحیح اور جس کا احساس ہمیشہ درست اور جس کا فیصلہ ہمیشہ ناطق ہوتا ہے۔

ایسا شخص جب لوگوں کے سامنے آتا ہے اور لوگوں کو بار بار کے تجربہ سے اس کی صداقت، سچائی اور راستبازی کا یقین ہو جاتا ہے اور اس کے ہاتھ سے جو تصرفات صادر ہوتے ہیں ان سے اس کا مقرب بارگاہ الٰہی ہونا بھی ظاہر ہو جاتا ہے تو ہر طرف سے لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں اور اس کی محبت کی راہ میں جان و مال اور اہل و عیال سب کو قربان کر دیتے ہیں۔

(حجۃ اللہ البالغہ)

تمام انسان ان کے محکوم ہوتے ہیں، اسی طرح انبیاء سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں وہ اور لوگوں سے سرزد نہیں ہو سکتے۔ جس طرح نبی کی عقل اوروں سے ممتاز ہوتی ہے اسی طرح اس کا نفس، اس کی طبیعت، اس کا مزاج بھی تمام لوگوں سے ممتاز اور نفوس ملکی کے مشابہ ہوتا ہے۔ خدا جس شخص کو نبوت کے لئے انتخاب کرتا ہے۔ اس کی عقل، اس کی طبیعت اس کا مزاج بھی منتخب ہوتا ہے۔ یعنی اور لوگوں کی عقل —— مزاج اور طبیعت سے اس کو کچھ نسبت نہیں ہوتی۔ وہ صورۃً انسانوں کے مشابہ ہوتا ہے لیکن مناسب سے الگ ہوتا ہے وہ بشر ہوتا ہے لیکن اس کی —— بشریت وحی کے قابل ہوتی ہے قرآن مجید کی آیت قل انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ میں انہیں دونوں باتوں کی طرف اشارہ ہے۔

انسان میں تین قسم کی قوتیں مانی جاتی ہیں فکری، قولی، عملی۔ ان قوتوں سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں وہ اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی۔ ان دو متضاد حالتوں کے لحاظ سے ہر ایک کا الگ نام ہوتا ہے فکر کو حق و باطل سے موسوم کرتے ہیں۔ قول کو صادق و کاذب کہتے ہیں۔ عمل کو خیر و شر سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہ امر ظاہر ہے کہ تمام افعال قابل عمل نہیں ہیں اور نہ سب قابل ترک ہیں بعض قابل عمل ہیں اور بعض قابل ترک۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قابل عمل اور قابل ترک کی تمیز آیا ہر شخص کر سکتا ہے۔ کوئی نہیں کر سکتا یا بعض کر سکتے ہیں اور بعض نہیں۔ پہلے دونوں احتمال بداہۃً باطل ہیں اس لئے صرف تیسرا احتمال باقی رہا۔ یعنی بعض انسان ایسے ہوتے ہیں جو ان حدود کو متعین کر سکتے ہیں کہ فلاں افعال عمل کے قابل ہیں اور فلاں نہیں۔ یہی لوگ پیغمبر اور بانئ شریعت ہوتے ہیں۔

یہ امر ظاہر ہے کہ انسان کی بقا آپس کی اعانت اور اجتماع کے بغیر نہیں ہو سکتی، اگر یہ آپس میں تعاون اور تعاضد نہ ہو تو نہ انسان کا کوئی فرد باقی رہ سکتا ہے نہ اس کی نوع، نہ اس کا مال نہ اس کی عزت۔ اس اجتماع اور تعاون کے جو اصول اور آئین ہیں انہی کو شریعت کہتے ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کی بقائے نوع اور بقائے جان و مال کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ تعاون اور تمانع، تعاون کے ذریعہ سے انسان اپنی خوراک لباس، مسکن اور دیگر ضروریات مہیا کرتا ہے اور تمانع کے ذریعہ اس کی جان، مال، اولاد خطرات سے محفوظ رہتی ہے۔ لیکن اس تعاون اور تمانع کا کوئی باقاعدہ ضابطہ اور دستور العمل ہونا چاہیئے۔

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیش کش۔

جمال عبدالناصر

ابدی اُمّت — ابدی پیغام

متحدہ عرب جمہوریہ میں "الدعوۃ التحریریۃ الکبریٰ" کے عنوان سے پچھلے دنوں دعوت اسلامی کے موضوع پر ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس کا پیش لفظ صدر جمہوریہ جمال عبدالناصر نے لکھا ہے۔ اس پیش لفظ کا مرکزی تخیل چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہی کے گرد گھوم رہا ہے اس لیے اس کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

چھٹی صدی عیسوی کے آخری دنوں میں حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دنیا ایک طویل گہن میں پھنسی ہوئی تھی جس میں توہمات اور ردعمل کا دور دورہ تھا۔ مشرق اور مغرب اور شمال و جنوب میں یکساں حال تھا ہر جگہ ناانصافی کا دور دورہ تھا لوگوں نے عیسائیت کی عظیم الشان تعلیمات کو بھلا دیا تھا اور اس کی جگہ بتوں کی، آگ کی یا فرشتوں اور پیغمبروں کی پرستش شروع کر دی تھی۔

قوموں کی قومیں چند بااختیار فرمانرواؤں کے قبضے میں آچکی تھیں جنھوں نے قیصر یا شہنشاہ کے نام اختیار کر لئے تھے۔ بہت سے ملک نام نہاد مذہبی پیشواؤں کے پیش کئے ہوئے غلط راستوں میں بھٹک رہے تھے اور یہ پیشوا اپنے مذہبی اثرات کو اپنی اجارہ داری کے قائم رکھنے، عوام کو اندھا بنانے اور انھیں غلاموں کی سی حالت میں مبتلا رکھنے میں استعمال کر رہے تھے۔

دنیا میں لڑائیاں بھی ہو رہی تھیں جن کا مقصد فتوحات کی پیاس بجھانا تھا۔ ان لڑائیوں نے دنیا کو کھینچ کر ایک ایسی ہولناک تباہی کے کنارے لا کھڑا کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا رحم آڑے نہ آتا اور انسانیت کو حق و امن کی راہ نہ دکھائی جاتی تو اس کا بچنا محال تھا۔

یہی وقت تھا جب اللہ تعالےٰ نے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت فرمائی۔ انسانوں میں سے منتخب ترین پیغمبر، یتیم، ریگستان کا ایک غریب انسان لیکن اللہ تعالےٰ کے عطا کردہ پیغام سے سرشار محمد — جن کا مقصد انسانیت کو امن و سلامتی، باہمی ہمدردی

و تعاون اور حقیقی ایمان کی دولت سے بہرہ ور کرنا تھا ۔
اس زمانے کی دنیا کو جس طرح کے لرزہ خیز اور غیر یقینی حالات سے گزرنا پڑ رہا تھا، اور انسانیت جس قسم کی پس ماندگی میں مبتلا تھی اس ماحول میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا مشن نہ تو آسان تھا اور نہ اسے کوئی محفوظ راستہ کہا جا سکتا تھا۔ لیکن خدا کے پیغمبر کے کردار، آپ کے بے پناہ تحمل، آپ کی غیر معمولی تنظیمی صلاحیت، آپ کی عظیم الشان خطابت اور آپ کی معقول دلیلوں نے مل جل کر آپ کی دعوت کی جڑیں گہری جما دیں اور آپ کے پیغام کو کامیابی سے ہمکنار کر دیا۔ آپ کی دعوت پر لاکھوں افراد اٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے اس نئے دین کی پورے یقین اور مستحکم عقیدے کے ساتھ اتباع کی ۔
حضور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو ایک ایسے تصور حیات سے آشنا کیا جس نے نہ صرف تمام آئندہ نسلوں کی رہنمائی کی بلکہ جو ہمیشہ آنے والے مصلحوں کی رہبری کا کام بھی کر سکتا ہے آپ آخری پیغمبر تھے اور تمام پیغمبروں کے سلسلے کی آخری کڑی اور سرتاج ۔ آپ نے اپنی زندگی کو حکمرانوں اور سماج سب کے لئے ایک نمونہ بنا کر پیش کیا ۔ ایک ایسا نمونہ اور اسوہ جو ہر طرز کے سماج کو گرمی پہونچانے کے لئے کافی ہے ۔ آپ کی زندگی صاف اور سادہ تھی عجز و انکساری کی پرتو۔ آپ نے ایک غریب انسان کی طرح زندگی بسر کی اور اپنی وفات تک یہی اسوہ اختیار کیا۔
آپ کی دعوت نہایت شریفانہ اور طاقتور تھی ۔ آپ نے خدا اور انسان اور عبد و معبود میں یہ کہہ کر کوئی پردہ حائل نہیں رہنے دیا کہ خدا انسان سے اس کی روح سے بھی زیادہ قریب ہے اور اس طرح آپ نے مذہبی توہمات اور درمیانی عناصر کی اجارہ داریوں کو مٹا دیا ۔ انسان اور خالق کے یہ روابط جو اسلام نے پیش کئے ہیں دین کی سادگی کا نشان ہیں ۔ ہر مسلمان کسی رکاوٹ کے بغیر اسلام کی روح میں ڈوب سکتا ہے اس کے احکام پر عمل کر سکتا ہے اور اس کی تعلیمات پر آگے بڑھ سکتا ہے ۔
اتحاد و اشتراک اسلامی عقیدے کی ایک نمایاں علامت ہیں ۔ ایک مسلمان مسلمان کیلئے اور ایک مومن دوسرے مومن کے لئے بالکل ایک بھائی کی طرح ہے خواہ وہ ایک دوسرے سے کتنی دور کہیں بھی رہتا ہو ۔ افتراق کمزوری ہے اور انتشار کا مطلب اپنی ہیئت اجتماعیہ کی دشمنی ہے
اسلام کی دعوت میں سبق ہی سبق ہیں وہ ہمیں اخلاقی نظم میں منسلک کرتی ہے ۔ پھر آخر ہم اس سے ہی رہنمائی اور قوت کیوں نہ حاصل کریں؟ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم آپس میں دشمن رہیں، اور

ایک دوسرے کی مخالفت کریں؟ پھر ہم پالیسی، مقصد اور تصورات میں کیوں مختلف رہیں؟
اور جب ہم بھٹک جائیں یا سیدھے راستے کے بارے میں شبہ میں پڑ جائیں تو کیوں نہ اسلام سے
درخواست کریں کہ وہ ہمیں صحیح راستے پر لگائے؟

آخر مسلمانوں کی ایک دوسرے کے خلاف لڑائی کیوں ہے؟ اور مشترکہ بھلائی کے لئے
اتحاد، اخوت اور مشترکہ جد وجہد کا مظاہرہ کیوں نہیں ہوتا؟ کیا پچھلی کئی صدیوں میں جن تباہیوں
سے ہم دوچار ہوئے ہیں وہ ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہیں ہے؟ کیا ہم واقعی بالکل تباہ
نہیں ہو چکے ہیں؟ کیا ہمارے انتشار نے ہمارے دشمنوں کے ہاتھ مضبوط نہیں کئے؟ پھر ہم جو
کبھی سب پر حکومت کرتے اور سب کی نظروں میں عزت و احترام کے لائق تھے ہاں تو کیا وہی
ہم تحقیر و تذلیل کا نشانہ نہیں بنائے گئے؟

اے باشندگانِ عرب اور اے ساری دنیا میں رہنے والے مسلمانو! خدا اور رسولؐ کی
اطاعت کرو، ایک محاذ پر اکٹھا ہو جاؤ خواہ تمہارا دشمن کوئی بھی ہو اور اس کا ساتھ دو جو تمہارا
دوست ہو، کبھی اختلاف اور کمزوری کا شکار نہ ہو۔ کیونکہ اگر تم نے اسلام کی روح اور تصورات
کی حقیقی رہنمائی قبول کر لی تو تم ہی بلند بالا رہو گے۔ اور تمہارا ہاتھ ہی اونچا رہے گا۔ یہ کوئی مبہم
اور کھوکھلے الفاظ نہیں ہیں بلکہ یہ میرے حقیقی اور صحیح احساسات کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ یہ وہ
لفظ ہیں جو میرے دل سے ابل رہے ہیں ——— اس دل سے جو اسلام اس کی دعوت
پر گہرائی اور گیرائی سے یقین رکھتا ہے، ہاں اس دعوت پر جو قوت اور امن کی دعوت ہے۔
.... خدا شاہد ہے کہ میں نے یہ پیغام دے دیا اور تم ہی کو گواہ کرکے میں
یہ کہتا ہوا کہ جب تک میں زندہ ہوں میں ان لفظوں کو حقیقت کا جامہ پہنانے کے لئے اپنے
پورے عزم اور اپنی پوری قوت سے جد وجہد کرتا رہوں گا۔

❖ ❖ ❖

بڑے بڑے حقائق ہیں۔ اس معجزہ کے ظہور پر چودہ صدی سے زیادہ مدت گذر گئی مگر وہ آج بھی دلیل و برہان کی روشنی میں نبی کریمؐ کے اس فرمان کی فضیلت کو واضح کر رہا ہے جو آپ نے اپنی ذات کے بارے میں فرمایا۔ آپ نے فرمایا۔ انما انا رحمۃ مھداۃ - میں ایک ایسی رحمت ہوں جو (بنی نوع انسان کو) بطور ہدیہ بخشی گئی ہے ۔

تہذیب و تمدن کی روح نے آج تک صرف اتنا کیا ہے کہ اس نے شاعرانہ افکار و خیالات کو آجکل کے انسان میں منتقل کر دیا ہے۔ شاید دولت کی حرص و ہوس میں انسان کا پچھلا سرمایۂ شاعری فکری طور پر اس جگہ نہیں پہنچا ہوگا جس جگہ آج کا انسان عملی طور پر موجود ہے۔ عہد حاضر کے انسان کی تمام تگ و دو کا محور یہی درہم و دینار ہے جس کے حصول کے لئے حلال و حرام کی کوئی قید نہیں ہے۔ اس وقت انسان مادی فلاح و بہبود کے پیچھے اس طرح دوڑتا ہے کہ محسوس ہوتا ہے گویا تمدن و حضارت نے ایک وحشی درندے کو عقل کی دولت بخش دی ہو۔

آج زندگی انسان کے ساتھ ایک مذاق کر رہی ہے۔ ایک فقیر محسوس کرتا ہے کہ وہ فقیر ہے اور وہ سوچتا ہے کہ تمدن کی عمارت میں جو کچھ لگا ہے وہ سب دولت مندوں کا ہے۔ ایک دولت مند محسوس کرتا ہے کہ وہ دولت مند ہے اور سوچتا ہے کہ تہذیب کے اس محل میں فقیر کی صنعت کو دخل ہے۔

اس چپقلش سے انسانی معیشت کے بہت سے نئے مسائل اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ایک وہ مسئلہ ہے جس کو اشتراکیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اشتراکیت کا حکم ہے کہ صاحب دولت کا منصب اس کے مال میں ایک مطلقہ عورت سے زیادہ نہیں ہے۔ ایک دوسرا سوال شیوعیت یا کمیونزم کا۔ اس کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ ہر ذی حیات پر اپنا اثر و اقتدار قائم کرے، اور ایک صاحب خانہ محسوس کرے کہ اس کا گھر اب گھر نہیں ہے بلکہ جیل خانہ ہے، کیونکہ گھر پر اس کا اقتدار نہیں رہا بلکہ کمیونزم نے اپنے طغیانی کو اس پر مسلط کر دیا ہے۔ لہٰذا وہ گھر جو اس کے لئے نعمت کا مفہوم رکھتا تھا اب لعنت کا مترادف بن گیا ہے۔ ایک مسئلہ اور ہے جسے عدمیت یا نہلزم سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ کمیونزم کی انتہا ہے یا اس کا سب سے اعلیٰ اڈیشن ہے جو انسان کو حیوان مطلق سے زیادہ کوئی درجہ دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اس فلسفہ کی رو سے انسان کا مقصد حیات صرف یہ ہے کہ وہ آئے کھائے پئے سوتا رہے اور چلا جائے جہاں جاگنے کی اجازت نہیں ہے ۔

یہ اور اسی قسم کے بے شمار مسائل ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔ مگر یہ تمام مسائل اور سارے فلسفے اس عقلی شعور کی عکاسی کرتے ہیں جو زندگی کو اس کے مقام بلند سے اسفل السافلین

میں گرانے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ اور آج بھی اس کی یہ کوشش جاری ہے۔ اس عقلی شعور کو ایک ایسے آفتاب سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جو اس مادی کائنات سے تو تاریکی دور کر سکتا ہے مگر زندگی کی شبِ تاریک سحر نہیں کر سکتا۔ حالانکہ دین کی دعوت، دعوتِ انسانیت ہے جس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ الفاظ و معانی میں اس نورِ تعقل و ادراک کو اس طرح دوڑا دے کہ ساری زندگی جگمگا اٹھے۔ زندگی کا مفہوم کچھ اور واضح ہو، اور اس کے مادی پہلو کا حسن کچھ اور نکھر جائے۔

یہی باہم دست و گریبان ہونے والے مسائلِ زندگی کے فلسفہ کو لے کر کبھی اوپر چڑھتے اور اکثر نیچے گرتے رہے ہیں۔ ان کی بدولت سینۂ انسانیت ایک ایسے آسمان کے مانند رہا ہے جس میں دھواں دھار گھٹائیں ہوں، بادلوں کی گھن گرج ہو اور بجلیوں کے کڑاکے ہوں۔ جس طرح ریڈیائی آوازوں کو ہمارے کانوں اور پھر دل و دماغ پر مسلط کرتا ہے اسی طرح ان فلسفوں کی گھٹائیں اور طوفان اپنی خوفناک آوازوں کو قلوبِ انسانیت میں ٹھونستے رہے ہیں۔ اس کشاکشِ بے پناہ اور اس ہنگامہ بے کراں میں انسانیت کی نگاہیں تاریخ کی طرف اٹھ جاتی ہیں۔ آج انسانیت چاہتی ہے کہ تاریخ سے پوچھے کہ تیرے صفحات میں میرے درد کا بھی کوئی درمان ہے۔ کیا تیرے دامن میں کمالِ انسانیت کا بھی کوئی نسخہ ہے جس سے عہدِ حاضر کی حماقتوں کا کوئی علاج ہو سکے؟ اور تاریخ کا صرف ایک ہی جواب ہے کہ ہاں میرے پاس ایک مجرب اور آزمودہ نسخہ ہے اور وہ ہے "محمد" صلے اللہ علیہ وسلم جس کی مجموعی تعریف میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا جو خود اس نے (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے بارے میں فرمایا ہے "اِنَّمَا اَنَا رَحْمَةٌ مُّهْدَاةٌ" میں ایک ایسی رحمت ہوں جو (بنی نوعِ انسان کو) بطور تحفہ کے بخشی گئی ہے۔

یہی عظیم الشان اجتماعی مصلح آج اپنے فقر کا درس اس علمی اور فلسفی دنیا کو دے رہا ہے۔ یہ درس کتابی یا فلسفیانہ درس نہیں ہے۔ یہ اس کے اخلاق اس کے عمل اور اس کی سیرت کا درس ہے کیونکہ مصلح وہ نہیں ہوتا جو صرف سوچے اور لکھے، اور جو صرف وعظ و نصیحت اور تقریریں کرے، مصلح تو وہ عظیم ہستی ہوتی ہے جس کی پناہ خود افکار و نظریات کو اپنی زندگی کی خاطر لینا پڑتی ہے۔ ایسے انسان کی تاریخ اور سیرت انہی افکار کی تاریخ و سیرت ہوتی ہے۔

محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایسی زندگی ہے جس میں معانی الٰہیہ اس طرح گزرتے ہیں کہ ان معانی کی تصویر ذاتِ محمدی میں لوگوں کے سامنے کھنچ جاتی ہے۔ اور پھر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم کی تو ساری زندگی درس ہی درس ہے۔ اگر ان تمام اسباق کا نچوڑ اور ان کی روح کھینچ لی جائے

تو ہم کو اس روح کی ایک آواز ہاں ایک مقدس آواز سنائی دیگی جو انسان کو اس دنیا کے مقابلہ میں اس طرح خطاب کرتی ہے، اے زندہ انسان! اگر زندگی یہاں ہے تو تو وہاں کیوں کھڑا ہے یعنی اگر زندگی کسی حقیقت کا نام ہے تو تو کیوں دھوکا کھا رہا ہے۔ اگر زندگی مردانگی و انسانیت سے عبارت ہے تو تو کس لئے "مزاج تو از حال طفلی نہ گشت" کا ترجمان بنا ہوا ہے۔ انسان میں تو معرفت و ادراک کا وجود ہے اور وہ اس طرح محسوسات کی حدود سے ماورا، پہونچتا ہے مگر بچہ چونکہ ناواقف ہوتا ہے وہ دنیا کو صرف اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اس سے اس کی دنیا اوہام کی دنیا ہوتی ہے، اس کا طیش اس کا الڑھ پن اس کی ضدیں اور اس کی ہٹ اسی محدود فہم و ادراک کا نتیجہ ہے وہ جانتا ہے کہ جو کچھ مل جائے ابھی مل جائے خواہ کم ہی کیوں نہ ہو، اور جو کچھ ہونا ہے آج ہی ہو جائے اگرچہ مضر ہی کیوں نہ ہو۔

ہاں اے زندہ انسان! اگر زندگی یہاں ہے تو تو وہاں اتنی دور کیوں کھڑا ہے یعنی زندگی تو تیری داخلی ذات اور اس کے قانون کے کمال کا نام ہے۔ اگر تو اتنا کر سکے کہ اس زمین کے لئے اپنی ذات میں سے کوئی آسمانی معنی پیش کرے تو یہ انسانیت کے لئے ایک غیر فانی تحفہ ہوگا۔ اور تیری زندگی اس صورت میں روح سے قریب ترین زندگی ہوگی تو کوئی ایسی چیز ہوگا جسے ایک آسمانی چیز کہہ سکیں، اور اگر یہ نہ ہو سکا تیری زندگی تیرے گوشت پوست اور تیرے اعضاء و جوارح کی حدود سے آگے نہ نکل سکی تو تو وہی ایک قدیم چیز ہوگا جو ہمیشہ سے حیوانیت میں رہی ہے۔ تیری زندگی اس صورت میں روح سے بعید ترین زندگی ہوگی جسے ایک ارضی حقیقت کہہ سکیں، تو اینٹ ہو سکتا ہے، پتھر ہو سکتا ہے مگر انسان نہیں ہو سکتا۔

لہذا اے زندہ انسان! اگر زندگی کی حقیقتیں یہاں ہیں تو تو ان سے اتنی دور کیوں کھڑا ہے۔

ایک حکیم جس کی نگاہیں اشیاء کے ماوراء تک پہونچ جاتی ہوں اور وہ ان کے اسرار کو پالیتا ہو، بھلا اس کی زندگی اشیاء کے ظاہری پہلوؤں ہی سے کیونکر چمٹی رہ سکتی ہے، لہذا انبیاء اور حکماء کی زندگی میں کچھ ایسی چیزیں ہوتی ہیں جن کے متحمل عام انسان نہیں ہو سکتے۔ جب عام لوگ ان چیزوں کے ہضم کرنے کے لئے تکلف سے کام لیتے ہیں تو ان کو عجز و ناکامی کا سامنا ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں غلطیاں اور لغزشیں جنم لیتی ہیں۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا زاویہ نظر اس وجود کے لئے کوئی محدود اور تنگ زاویہ نظر نہیں ہے بلکہ ذات نبوی کی نگاہیں اس حقیقت بے کراں تک پہونچ جاتی ہیں جو اس انسانیت کا سدرۃ المنتہیٰ

ہے۔ یہاں ہر مادی وجود آنی فانی محسوس ہوتا ہے جو موجود ہے مگر نہیں ہے اور جس کی ابتدا کے ساتھ اس کی انتہا بھی وابستہ ہے۔ اس طرح ذات نبوت میں ان مادی اشیاء کا وجود حقیر اور ان کی تاثیر باطل ہو جاتی ہے۔ یہ تمام چیزیں اس نفس اعلیٰ کے سامنے اپنے کمزور ترین پہلوؤں کو لے کر آتی ہیں حالانکہ یہی چیزیں عام انسانی زندگی میں سب کچھ ہیں، یہی اصل ہیں، یہی فرع اور یہی زندگی کا ماحصل مگر وہاں ان کی فریب کاریاں درجہ صفر پہ پہونچ جاتی ہیں، نہ ان کی کوئی اصل رہتی ہے اور نہ فرع۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کی ذات والا صفات کو ان میں سے کوئی چیز بھی اپنی طرف مائل نہ کر سکی اور آپ کا دامان رسالت ان آلودگیوں سے ملوث نہ ہو سکا۔

پھر ہم کو نبوت کے عظیم اخلاقی فلسفے سے کیا درس ملتا ہے۔ وہ درس یہ ہے کہ خواہشات نفس انسان کے ساتھ پیدا ہوتی ہیں اور ان کی گرفت انسان پر بڑی مضبوط ہے مگر یہ سب اس لئے کہ انسان میں ایک ایسا انقلاب آئے جب وہ ان خواہشات نفس پر اپنی گرفت مضبوط کر سکے۔ اس کی اگر کوئی اعلیٰ مثال ہمیں مل سکتی ہے تو آنحضرت کی ذات مقدس میں ہی ملے گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی شکم سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا۔ آپ کبھی اپنے گھر والوں سے نہ کھانا مانگتے تھے اور نہ اپنی بھوک کا اظہار فرماتے، اگر گھر والوں نے کھلایا تو کھا لیا اور جو بھی کھلایا وہی قبول فرما لیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آل محمدؐ کو جو کی روٹی بھی دو روز مسلسل نہیں ملی اور یہی صورت آنحضرت کی وفات تک جاری رہی۔ آپ فرماتی ہیں کہ ہم حضور کے گھرانے والے ایک ایک مہینہ گذر جاتا اور گھر میں چولہا نہیں جلتا تھا، صرف کھجور اور پانی پر گذارا ہو جاتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنا دوپہر کا کھانا رات کے لئے اٹھا کر نہ رکھا، اور نہ رات کے کھانے کو دوسرے دن کیلئے بچایا۔ اور نہ کبھی آپ کے پاس دُہری دُہری ضرورت کی چیزیں ہوئیں نہ دو قمیضیں ہوئیں نہ دو چادریں نہ دو پائجامے ہوئے اور نہ دو جوڑے جوتے۔

پھر آپ ہی سے روایت ہے کہ جب آنحضرتؐ کی وفات ہوئی تو میرے پاس کھانے کو کچھ بھی نہ تھا، تھوڑے سے جو ضرور ایک طرف خانہ میں پڑے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب آنحضرت کی وفات ہوئی تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس ۳۰ صاع جو کے عوض رہن رکھی ہوئی تھی۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کتنی ہی پے درپے ایسی راتیں گذار دیں جبکہ آپ کے گھر میں کھانے کو کچھ بھی نہ ہوتا۔ اہل بیت رسول کی نان جویں ہوتی تھی۔

حضرت حسن سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں ارشاد فرمایا بخدا آل محمد کے یہاں شام کو کبھی ایک صاع کے بقدر کھانا موجود نہ ہوا۔

ابن مجیر سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک روز بھوک لگی تو آپ نے ایک پتھر اٹھایا اور اپنے پیٹ پر باندھ لیا پھر آپ نے فرمایا "ہاں کتنے ہی ایسے لوگ ہوں گے جو دنیا میں خوب کھاتے اور مزے اڑاتے رہے ہیں، مگر قیامت کے دن بھوکے اور ننگے ہوں گے، بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ جو اپنے نفس کا بڑا اکرام کرتے ہیں حالانکہ یہ اس کی ذلت و اہانت ہے اور بہت سے ایسے ہیں جو نفس کو ذلیل و خوار رکھتے ہیں اور یہ نفس کا اکرام ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے "اے اللہ! تو مجھے مسکین ہی زندہ رکھ اور اسی حالت میں مجھے وفات دے، اور میرا حشر بھی مساکین ہی کے زمرہ میں فرما"

یہی ہے وہ سید کونین، یہی ہے وہ آقائے انسانیت۔ وہ چیزیں جن کو انسان اپنی ذلت و حقارت کا ذریعہ سمجھتا ہے، وہی چیزیں اس کو ایک رسول کریم اور نبی عظیم بنا دیتی ہیں۔

❖ ❖ ❖

○

حرم کی راہ نہ لے گر نہیں ترے سر میں ۔۔۔ جنون بادیہ پیمائی و جفا طلبی

کسی کے آگے نہ خم ہو سکی مری گردن ۔۔۔ کسی جگہ مری آواز آج تک نہ دبی

یہ فیض سب ہے اسی ذات کا کہ جس کا لقب ۔۔۔ ہے مکی و مدنی ہاشمی و مطلبی

اسی کے فیض سے ذرے بھی برق پارے ہیں ۔۔۔ اسی کے نور سے سرشار چاند تارے ہیں

❖ ❖ ❖

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیش کش

ڈاکٹر محمد مصطفےٰ عطا (مصر)

امت واحدہ کا معمار صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے مقصد اور طریق کار سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ وہ ایک امت واحدہ کی تشکیل کرنا چاہتے تھے۔ اسلام خوب واقف تھا کہ کس چیز نے عربوں کو مختلف قبائل اور شاخوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ جب حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا مقدس مشن شروع کیا تو اس نفاق پسندی نے ایک نئی شکل اختیار کرلی۔ آپ کی آواز کو دبانے کے لیے قریش کے قبائل نے بنوہاشم اور بنوعبدالمطلب کے خلاف متحدہ محاذ بنالیا۔ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے جن قریبی اعزہ نے آپ کی مدافعت کی وہ محض خونی رشتہ کی وجہ سے تھی۔

قبائل قریش کے اس متحدہ محاذ نے بنوہاشم و بنوعبدالمطلب سے ہر قسم کے سماجی روابط منقطع کرلیے۔ ان کی جانب سے یہ معاشرتی انقطاع ۳ سال تک جاری رہا۔ اس مدت میں حضرت محمدؐ اور ان کے حلیف ایک درہ میں محصور رہے اور ان کو سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ انھوں نے یہ تکالیف محض اپنے ایمان کی پختگی اور اللہ کی مدد کے بھروسہ پر برداشت کیں۔ خدا کی مدد بھی جلد آپہونچی۔ قریش کے بعض لیڈروں کا ضمیر ان مصائب کی شدت کو دیکھ کر بیدار ہوگیا۔

یہ گہری قبائلی وابستگی ان قبائل کے قبول اسلام کے بعد اسلام سے محبت اور جاں نثاری کی شکل میں رونما ہوئی۔ ان کی عقیدت کا مرکز خدا کی ذات بن گئی۔ اسلامی برادری میں ان قبائلی رشتوں کی صرف اتنی اہمیت رہی جتنی کہ قبائلی نظام میں خاندانی رشتوں کی تھی۔ یہ اسلام کے ایک فطری مذہب ہونے کی ایک بہترین مثال ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام انسانی ذہن و فکر پر اوپر سے کوئی چیز مسلط نہیں کرتا بلکہ وہ انسان کے اپنے ضمیر کی آواز ہے۔

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش

یاد دہانی کرتا ہے :-

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ

" اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو تم کس طرح ایک دوسرے کے دشمن بنے ہوئے تھے اور اس نے تمہارے دلوں میں محبت پیدا کر دی اور تم اس کی رحمت سے بھائی بھائی ہو گئے، تم جہنم کی آگ کے دہانے پر تھے اور اس نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اللہ اپنی نشانیاں پیش کرتا ہے تاکہ تم ہدایت حاصل کرو "

اسلام نے عربوں کو نہ صرف قبائلی بلکہ نسلی تعصب سے بھی پاک کر دیا، جبکہ دورِ جاہلیت میں وہ غیر عربوں خصوصاً کالوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات تک کی اجازت نہ دی کہ لوگ غصہ میں کالوں کو ان کے رنگ کی وجہ سے کوئی طعنہ دیں۔ ایک مرتبہ حضرت ابوذر غفاریؓ نے حضرت بلال کو غصہ میں طعنہ دیا کہ وہ ایک سیاہ عورت سے ہیں۔ حضرت بلال نے حضور سے اس کی شکایت کی تو آپ نے غصہ میں حضرت ابوذر سے کہا :-

أَعَيَّرْتَهُ بِأُمِّهِ إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ کیا تم اس کو اس کی ماں کا طعنہ دیتے ہو، تم میں ابھی تک جاہلیت کی خو باقی ہے۔

اسلام نے انسانوں کے درمیان فضیلت اور برتری کا صرف ایک معیار مقرر کیا ہے اور وہ ہے تقویٰ وہ رنگ اور نسل کی بنیاد پر کوئی امتیاز تسلیم نہیں کرتا۔ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زائد مواقع پر فرمایا :-

لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ إِلَّا بِالتَّقْوَى

" ایک عربی کو ایک عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں جبتک کہ وہ تقویٰ میں بڑھا ہوا نہ ہو "

اسلام نے نہ صرف نسلی امتیاز کی مذمت کی بلکہ اس نے انسانوں کو یہ یاد دلایا کہ تمام انسان عالمی برادری سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کو ایک دوسرے سے تعاون کرنا چاہیئے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَاۗىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ

" اے انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور مختلف گروہوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا تاکہ تم ایک دوسرے سے تعارف حاصل کر سکو، بیشک اللہ کے نزدیک

سب پر لازم ہیں اور یہ ملت اسلامیہ میں مساوات کی مظہر ہیں۔ حج ایک ایسی عبادت ہے جو ہر سال عالم اسلام میں مساوات کا مظاہرہ کرتی ہے۔ دنیا کی ہر سمت سے ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کا اس عبادت کے لیے ایک جگہ جمع ہونے سے یہ موقع ملتا ہے کہ اسلام کی عالمی برادری کے احساس کو دلوں میں اجاگر کیا جائے اور ملت اسلامیہ میں ایسے اتحاد کی ضرورت پر زور دیا جائے جس میں کبھی بھی رخنہ نہ پیدا ہو سکے۔

اگر حج بھی ملت اسلامیہ میں اتحاد پیدا نہیں کر سکتا تو پھر اور دوسری کونسی چیز ہو سکتی ہے؟ حج کا ادارہ اب بھی موجود ہے اور ہر سال عالم اسلام کے رہنماؤں کو اس کا موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ اس مسئلہ پر غور کریں کہ موجودہ دور کے مسلمانوں کو اسلام کا حقیقی نمائندہ کس طرح بنایا جائے، اور ان کے درمیان ماضی کی طرح پھر سے کس طرح اتحاد پیدا کیا جائے۔

آئیے اب غور کریں امت واحدہ کی بنیادی خصوصیات کیا ہیں۔ پہلی چیز زبان ہے، ماضی میں قرآن نے عربی کو تمام عالم اسلام کی زبان بنا دیا تھا۔ قرآن اب بھی محفوظ ہے اور خدا کا وعدہ ہے کہ آئندہ بھی محفوظ رہے گا، لیکن بدقسمتی سے عربی اب عالم اسلام کی مشترکہ زبان نہیں رہی ہے۔ اب پھر قرآن کو عربی زبان کو زندہ کرنے اور ہر مسلمان کی زبان بنا دینے کے لیے کیوں نہ استعمال کیا جائے۔ یہ بات حیرت انگیز ہے کہ انڈونیشیا، ایران، پاکستان اور افغانستان جیسے ملکوں میں عربی بولنے والے ممالک سے زیادہ اسلام سے والہانہ لگاؤ اور اس کے لئے کام کرنے کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ عربی زبان اب پھر عرب اور غیر عرب ممالک کی مشترک زبان ہو جائے تو اس سے پورے عالم اسلام کو فائدہ پہونچے گا اور مسلم ممالک ایک دوسرے کے قریب آئیں گے۔ اس طرح مسلمان بیرونی اثرات سے بھی محفوظ رہ سکیں گے

کیا مذہب اب بھی متحد کرنے والی سب سے موثر طاقت نہیں ہے؟ اسلام نے اتحاد کے حصول کے لیے نسل پرستی کی شدید مذمت کی اسلام کا پیغام عالمی برادری کے قیام کی دعوت ہے۔ اسلام کا مقصد ہے کہ ساری انسانیت خدائی قانون پر عمل کرے اور اسی ایک نظریہ پر متحد ہو جائے کیونکہ وہی ایسا نظام ہے جو اس فریضہ کو بہترین طریقہ پر انجام دے سکتا ہے، وہ تمام انبیاء اور آسمانی کتب کو تسلیم کرتا ہے، وہ تمام قدرتی قوانین کو مانتا ہے لیکن ان کے غلط استعمال کو جیسا کہ مغرب میں ہو رہا ہے صحیح نہیں سمجھتا۔ وہ یہ عظیم پیغام دیتا ہے کہ انسان آزاد پیدا ہوا ہے اور وہ صرف اپنے خالق کی غلامی کر سکتا ہے۔ اگر پوری انسانیت کو ایک امت میں تبدیل کیا جا سکتا ہے، تو وہ صرف اسلامی اصولوں کی روشنی میں ممکن ہے۔

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیش کش

آخر میں میں کچھ مسلمانوں کے بارے میں بھی کہنا چاہتا ہوں ۔ سائنس کی غیر معمولی ترقی نے پوشیدہ فطری طاقتوں کو جگا دیا ہے ، اس نے بے پناہ جوہری طاقت انسانوں کے ہاتھوں میں دیدی ہے جو دراصل سائنس کے روپ میں ایک تباہ کن وجود ہے جسے اس دور میں انتہائی وحشیانہ طریقہ پر استعمال کیا جاچکا ہے ۔ شہر کے شہر اس کے ایک اشارہ پر صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہوچکے ہیں ۔ یہ ایک ایسی مچھلی ہے جو سارے تالاب کو گندہ کرسکتی ہے اور جس سے تہذیب حاضر کا وجود ہی خطرہ میں پڑا ہوا ہے ۔ خطرہ کے اسی احساس نے ایک عالمگیر حکومت کے تصور کو اجاگر کیا ہے جو تمام قومی اور نسلی امتیازات کا خاتمہ کردے ، کیا اس تصور کو عمل کا جامہ پہنانا ممکن ہے جبکہ روحانی و اخلاقی گراوٹ نے اس کی ابتدائی تصویر ۔ لیگ آف نیشن کو تکمیل کے درجہ تک نہیں پہنچنے دیا اور جو اقوام متحدہ کو ہر وقت متزلزل کئے رہتی ہے ۔

یہ ہے انسانیت کا وہ رجحان جو حالات کے دباؤ کے زیر اثر تشکیل پذیر ہوا ہے ۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا اس وقت ایک عمومی اتحاد کی طالب ہے خواہ وہ کسی صورت میں ہو تاکہ وہ خود کو اس عالمی تباہی سے محفوظ کرسکے ، جس کا خطرہ ہر وقت لگا ہوا ہے لیکن جس روحانی و اخلاقی رہنمائی کی ضرورت ہے وہی مغرب میں عنقا ہے ۔ یہ رہنمائی عالم اسلام کے پاس موجود ہے ، تو کیوں نہ اس کی مدد سے نہ صرف خود کو متحد کیا جائے بلکہ امن اور سلامتی کی متلاشی دنیا کو بھی اس سے بہرہ ور ہونے کا موقع دیا جائے اور کیوں نہ عالم اسلام بیدار ہوجائے اور اسلامی لائنوں پر خود کو متحد کرنے کے جو ذرائع اسے حاصل ہیں انھیں استعمال کرکے دنیائے انسانیت کو ایک مرتبہ پھر متحد ہونے کا سبق دے ۔

مسلمانوں کو ایسا حفاظت خود اختیاری میں کرنا چاہیئے اگر وہ اسے ایک مذہبی فریضہ کی صورت میں نہیں کرسکتے ۔ اگر وہ اس مستقبل بعید کی اسلامی اخوت کا تصور کرلیں تو وہ اپنے کھوئے ہوئے سابقہ وقار کو حاصل کرسکتے ہیں ، اپنے چھینے ہوئے حقوق حاصل کرسکتے ہیں اور عالم اسلام کا جو حصہ بھی غلامی میں ہے اسے آزاد کرسکتے ہیں مسلمان کب اس آواز پر لبیک کہیں گے ، ہم کب اس اسلامی اخوت کا مشاہدہ کریں گے ، جس نے ساتویں صدی کی ابتداء کی تاریکیوں میں روشنی پھیلائی تھی اور جو تاریخ کا ایک عجوبہ روزگار واقعہ ہے ۔

ہمیں توقع ہے کہ آنیوالی نسلیں ضرور ہی اس صبح سعادت کا مشاہدہ کرینگی جبکہ مسلمان اسلامی فرض کے احساس سے بیدار ہوچکے ہونگے اور جس کو اختیار کرکے مسلمان اللہ تعالی کے دین کے اس عظیم مقصد کو حقیقت کا جامہ پہنا سکینگے جو وقت کی پہلی اور آخری ضرورت ہے ۔ ہمیں امید ہے کہ ایک عمومی اسلامی نشاۃ ثانیہ کے بعد مسلمان اپنا مقام بلند دوبارہ حاصل کرلیں گے ۔

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش

پروفیسر عبدالباری

معجزات اور عقل انسانی

انسان کے ذہن میں جس قدر یہ اعتقاد راسخ ہے، شاید ہی کوئی اور ہو کہ کائنات کا ذرہ
ذرہ مادی علل و اسباب اور قویٰ و خواص کی زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے۔ چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی
اپنے ظہور کے لئے ایک اٹل اور غیر متغیر علت رکھتا ہے، ہر شے اپنے اندر کوئی ایسی قوت یا خاصہ رکھتی ہے
جس سے اس وقت تک اس کا انفکاک ناممکن ہے، جب تک یہ خود اپنی ذات و حقیقت سے
منفک نہ ہو جائے۔

غور کرو جب تم سے یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم کو آگ نہ جلا سکی، تو تم کو اس کے باور
کرنے میں کیوں پس و پیش ہوتا ہے، اسی لئے نہ، کہ آگ جب تک آگ ہے جلانے کا خاصہ اس سے
منفک نہیں ہو سکتا۔ اس کو ابراہیم و نمرود کی تمیز نہیں، اژدھا ایک جاندار مخلوق ہے جو توالد و تناسل کے
قاعدہ سے اپنی ہی جیسی جاندار مخلوق سے وجود میں آتا ہے، اس لئے یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے کہ حضرت
موسیٰ کا عصا کیونکر اژدھا بن گیا۔ سلسلہ علل و اسباب اور اشیا کے افعال و خواص ہی کے اصول
قوانین کا نام حکماء و فلاسفہ کی اصطلاح میں قوانین فطرت ہے، جن کا خرق محال خیال کیا جاتا ہے، مثلاً
کشش ثقل ایک قانون فطرت ہے جس کا یہ اقتضا ہے کہ جب تم ڈھیلے کو اوپر پھینکو گے تو وہ لوٹ کر
ہمیشہ نیچے آ جائے گا، فضا میں اس کا معلق رہنا ناممکن ہے۔ ہائڈروجن اور آکسیجن دو عناصر کے ایک

خاص مقدار میں ملنے کا خاصہ یہ ہے کہ پانی بن جاتا ہے جس کے خلاف کبھی نہیں ہو سکتا۔

اب دیکھو کہ جن چیزوں کو تم قوانین فطرت کا لقب دیتے ہو اور جو بظاہر اس قدر قطعی اور اٹل نظر آتے ہیں واقعات کی کسوٹی پر ان کی کیا بساط ٹھہرتی ہے۔

اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ نمک نمکین اور شکر میٹھی کیوں ہوتی ہے؟ تو یہ سوال تم کو ایسا ہی مہمل و مضحک معلوم ہوگا جیسے کوئی یہ سوال کرے کہ جز کل سے چھوٹا کیوں ہوتا ہے؟ جز کی حقیقت ہی یہ ہے کہ کل سے چھوٹا ہو۔ اسی طرح لوگ سمجھتے ہیں کہ نمکینی اور مٹھاس نمک اور شکر کی حقیقت میں داخل ہیں لیکن سوچو کہ کیا نمک کی نفس ذات میں تم کو کوئی ایسی شئے نظر آتی ہے جس کی بنا پر بلا اس کو چکھے ہوئے تم یہ حکم لگا سکو کہ اس کا مزہ بالضرورۃ شکر کے مزہ سے مختلف ہونا چاہیئے۔ صرف دونوں کے چکھنے اور تجربہ کی بنا پر نمک کو نمکین اور شکر کو شیریں یقین کیا جاتا ہے۔ سنکھیا زہر ہے جس کے کھانے سے آدمی مر جاتا ہے، سنکھیا کا ایک ٹکڑا لے کر اس کو خوب الٹ پلٹ کر دیکھو، اس کی ذات یا حقیقت میں کہیں کوئی ایسی شئے محسوس ہوتی ہے جس کی وجہ سے تم بلا تجربہ اس کو موت کی علت قرار دے سکو۔

بیسویں صدی کے سائنس داں کے لئے یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ پانی دو مختلف اجزاء یا عناصر سے مرکب ہے لیکن جب تک اس حقیقت کا تجربہ نہیں ہوا تھا۔ ڈھائی ہزار سال تک حکماء اور عقلائے عالم پانی کو ایک مفرد و بسیط عنصر یقین کرتے رہے، حالانکہ پانی کی جو صورت و شکل قدماء کے سامنے تھی وہی اب بھی ہے۔ سنکھیا اور شکر کے بجائے اگر ہم کو سمیت اور شیرینی کا تجربہ پتھر کی کنکریوں میں ہوتا تو ہم ان کو اسی طرح مہلک و شیریں یقین کرتے جس طرح آج سنکھیا اور شکر کو کرتے ہیں۔

جان اسٹوارٹ مل نے اپنی مشہور کتاب "نظام منطق" میں اس کی نہایت عمدہ مثال دی ہے کہ:۔

"آج سے پچاس سال پہلے وسط افریقہ کے باشندوں کے نزدیک غالباً کوئی واقعہ اس سے زیادہ تجربہ کی قطعیت و یکسانی پر مبنی نہ تھا جتنا یہ کہ تمام انسان کالے ہوتے ہیں، اسی طرح کچھ زیادہ دن نہیں ہوئے کہ اہل یورپ اس کو فطرت کی یکسانی کی ایک بالکل قطعی اور غیر مشتبہ مثال سمجھتے تھے کہ تمام ہنس سفید ہوتے ہیں۔ مزید تجربہ کے بعد افریقہ و یورپ والوں دونوں کو معلوم ہوا کہ یہ خیالات غلط تھے۔ لیکن اس تجربہ کے لئے ان کو پانچ ہزار برس انتظار کرنا پڑا۔ اور اس طویل مدت میں انسانی آبادی کے ذہن اعظم فطرت کی ایک ایسی یکسانی پر یقین کرتے رہے جس کا حقیقتہً کوئی وجود نہ تھا۔"

کائنات فطرت کی وسعت بیکراں کو دیکھتے ہوئے آج بھی نوع انسان کے تجربہ پر مبنی قوانین فطرت کی بساط اس سے زیادہ نہیں ہے جتنی کہ اس تجربہ کی تھی کہ تمام انسان کالے ہوتے ہیں اور

تمام ہنس سفید ہیں"۔ انیسویں صدی کے ایک مشہور فلسفی ڈاکٹر وارڈ نے اسی حقیقت کو ایک مفروض مثال کے پیرایہ میں اس طرح بیان کیا ہے، کہ فرض کرو:۔

"افریقہ کے کسی صحرا میں ایک نہایت عظیم الشان سلسلہ عمارت ہے جو چاروں طرف ایک چار دیواری سے گھرا ہوا ہے۔ اس کے اندر ایک خاص ذی عقل مخلوق آباد ہے جو اس احاطہ سے باہر نہیں جا سکتی، یہ عمارت ایک ہزار سے زائد کمروں پر مشتمل ہے جو سب مقفل ہیں اور کنجیوں کا پتہ نہیں کہ کہاں ہیں۔ بڑی محنت و جستجو کے بعد کل پچیس کنجیاں ملتی ہیں جن سے ادھر ادھر کے پچیس کمرے کھل جاتے ہیں جو سب ہم شکل ہیں۔ لہذا کیا اس بنا پر اس احاطہ کے اندر رہنے والوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قطعیت کے ساتھ یہ دعویٰ کر دیں کہ بقیہ ۹۷۵ کمرے بھی اسی شکل کے ہیں"۔

قوانین فطرت یا خواص اشیاء، وعلاقہ تعلیل (علت و معلول) کی مذکورہ بالا حقیقت اگرچہ اب حکمت (سائنس) و فلسفہ دونوں کے مسلمات میں داخل ہے لیکن اس حقیقت کو سب سے پہلے جس شخص نے اجاگر کیا وہ معجزات کا منکر ہیوم ہی تھا۔ اس لئے خود اسی کی زبان سے سنو کہ جس چیز کو وہ خرق عادت کہہ کر ناممکن قرار دیتا ہے اس کے عدم امکان کا کیا وزن ہے۔

"جب ہم اپنے آس پاس کی خارجی چیزوں پر نظر کرتے ہیں اور مختلف علتوں کے افعال کو غور سے دیکھتے ہیں تو ان میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس کے اندر کسی قوت بالزوم کا پتہ چلتا ہو، نہ ان کی کوئی ایسی صفت نظر آتی ہے جو معلول کو اس طرح علت سے جکڑے ہوئے ہو کہ ایک کو دوسرے سے مستنبط کرنے میں خطا کا امکان نہ ہو، ہم کو جو کچھ نظر آتا ہے وہ صرف اتنا ہے کہ ایک واقعہ کا ظہور دوسرے کے بعد ہوتا ہے۔ بلیرڈ کے ایک گیند میں ضرب لگانے سے دوسرے میں حرکت ظاہر ہوتی ہے۔ بس حواس ظاہری سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے اس کی بساط اسی قدر ہے، اشیاء میں اس تقدم وتاخر یا تبعیت کے پائے جانے سے ذہن کو نفس تبعیت کے علاوہ کوئی اور احساس یا ارتسام باطنی نہیں حاصل ہوتا"۔

"کسی شے کو پہلی دفعہ دیکھنے سے ہم کبھی قیاس نہیں کر سکتے کہ اس سے کیا معلول یا نتیجہ ظاہر ہوگا حالانکہ اگر علت کے اندر کسی قوت یا انرجی کا پتہ محض ذہن دوڑانے سے چل سکتا تو بلا کسی سابق تجربہ کے ہم اس نتیجہ و معلول کی پیشین گوئی کر دیتے اور پہلی ہی نظر میں قطعی حکم لگا دیتے"۔

"حقیقت امر یہ ہے کہ کائنات مادی کا ایک ذرہ بھی ایسا نہیں ہے جس کے صفات محسوسہ کی بنا پر ہم اس کے اندر کسی قوت کا سراغ لگا سکیں یا قیاس سے بتلا سکیں کہ اس سے کوئی اور دوسری شے ایسی وجود پذیر ہو سکتی ہے جس کو معلول کا لقب دیا جاتا ہے، صلابت، امتداد، حرکت یہ چیزیں بجائے

خود مستقل صفات اور ایسے واقعہ کا نشان نہیں دیتیں، جس کو ان کا نتیجہ کہا جا سکے موجودات عالم میں ہر آن تغیر و تبدل جاری ہے، ایک چیز دوسری چیز کے بعد برابر آتی جاتی رہتی ہے۔ لیکن وہ قوت و طاقت جو اس ساری مشین کو چلاتی رہتی ہے۔ ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے اور اجسام کی کسی محسوس صفت میں اپنا کوئی نشان نہیں رکھتی، ہم یہ واقعہ جانتے ہیں کہ آگ کے شعلے میں گرمی پائی جاتی ہے لیکن ان دونوں میں کیا لزوم ہے، اس کے قیاس سے ہمارا تخیل قطعاً عاجز ہے۔"

ہکسلے کا ایک نہایت دلچسپ مضمون "ممکنات و ناممکنات" ہے اس میں بھی ہیوم اس کے پیش نظر ہے اور اپنی حکیمانہ ذمہ داری کے پورے احساس و شعور کے ساتھ لکھتا ہے کہ:۔

"صحیح معنی میں بجز تناقض کے اور کسی بھی ایسی چیز سے میں واقف نہیں ہوں جس کو ناممکن کہنا حق بجانب ہو، منطقی ناممکنات کا وجود ہے لیکن طبعی ناممکنات کا قطعاً کوئی وجود نہیں "مربع، مدور، ماضی موجود دو متوازی خطوط کا تقاطع" یہ چیزیں ناممکنات سے ہیں۔ اس لئے کہ مدور، موجود اور تقاطع کا تصور، مربع ماضی اور متوازی کے تصور کے متناقض ہے لیکن پانی پر چلنا، یا پانی کو شراب بنا دینا، بچہ کا بے باپ کے پیدا ہونا، مردہ کو زندہ کر دینا یہ چیزیں مفہوم بالا کی رو سے ناممکنات نہیں ہیں۔

ہاں اگر ہم یہ دعویٰ کر سکتے کہ فطرت اشیاء کے متعلق ہمارے علم نے تمام ممکنات کا کامل احاطہ کر لیا ہے تو شاید کہنا بجا ہوتا کہ آدمی کے صفات چونکہ پانی پر چلنے یا ہوا میں اڑنے کے متناقض ہیں اس لیے یہ افعال اس کے لئے ناممکن ہیں، لیکن یہ حقیقت روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ علم فطرت کی انتہا تک پہنچنا کیا ابھی تک ہم اس کی ابتدا اور ابجد سے آگے نہیں بڑھے ہیں۔ بلکہ ہماری قوتیں اس قدر محدود ہیں کہ کبھی بھی ہم ممکنات فطرت کی حد بندی نہیں کر سکتے۔ جو کچھ واقع ہو رہا ہے یا ہو چکا ہے اس کا ہم کو علم ہے۔ باقی جو کچھ ہونے والا ہے اس کی نسبت ہم صرف ایک توقع قائم کر سکتے ہیں جس کی بنیاد کم و بیش گزشتہ تجربہ کے صحیح سمجھنے پر ہے جس سے ہم کو خیال ہوتا ہے کہ مستقبل ماضی کے مماثل ہوگا۔"

ولادت مسیح (بے باپ کے) یا احیائے موتیٰ سے بڑھ کر کس شئے میں انتہائی استبعاد یا اعجاز ہو سکتا ہے لیکن سائنس کی تحقیق نے (جس کے نزدیک انسان کی حقیقت عالم حیوان سے زیادہ نہیں) عالم حیوانات ہی کے اندر اس کے نظائر بھی تلاش کر لئے۔ چنانچہ ہکسلے جیسے سائنسداں نے معجزات ہی کے ضمن میں لکھا ہے کہ "مریم کے کنوارپن میں مسیح کا پیدا ہونا تو یہ نہ صرف ممکن التصور شئے ہے بلکہ علم الحیات کی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ بعض اصناف حیوانات میں یہ روزانہ کا واقعہ ہے یہی حال احیائے موتیٰ کا ہے، بعض جانور مرکر مومیات کی طرح بالکل خشک ہو جاتے ہیں اور عرصہ تک اسی حالت میں رہتے ہیں لیکن جب ان کو مناسب

حالات میں رکھ دیا جاتا ہے تو پھر جان آجاتی ہے "۔

یہ تو سائنس کا علمی و تحقیقاتی پہلو تھا۔ ایجادی و اختراعی پہلو نے بھی اس سے کم انتہائی حیرت انگیز اعجاز نمائیاں نہیں کی ہیں۔ لاسلکی ذریعہ پیغام رسانی کی ایجاد سے پہلے یہ کس قدر مستبعد بلکہ ایک حد تک ناقابل تصورات بھی کہ تم بمبئی میں بیٹھے ہو اور تمہارا دوست لندن میں۔ درمیان میں ہزارہا میل سمندر کی پہنائی حائل ہے۔ تار وغیرہ کوئی محسوس شئے تم دونوں کے درمیان روابط نہیں، پھر بھی چشم زدن میں تم اس کو اپنا پیام پہنچا سکتے ہو۔ ایک منٹ میں ۶۰ سکنڈ ہوتے ہیں۔ ایک سکنڈ کے بھی ۱۶ حصے کرو اور اس سولہویں میں یہ پیام ۱۲ ہزار میل سے زائد کی مسافت طے کر سکتا ہے۔ حیرت پر حیرت یہ ہے کہ تم صرف پیام ہی نہیں پہنچا سکتے ہو، بلکہ حال میں ایک فرانسیسی سائنس داں نے اس معجزہ کا دعویٰ کیا ہے کہ بمبئی میں اپنی میز پر بیٹھے بیٹھے تم اس لاسلکی (وائرلس) کے ذریعہ لندن، پیرس یا نیویارک میں چیک پر اپنے دستخط ثبت کر سکتے ہو۔ قریب قریب (یعنی سینکڑوں میل) کے مقامات تک اس کے کامیاب تجربات ہو بھی چکے ہیں۔

طبیعیات کے ان کرشموں کو دیکھ چکنے کے بعد اب ذرا نفسیات کے اس شعبہ کی تحقیقات کو سامنے لاؤ جس کا نام ہپناٹزم یا عمل تنویم ہے۔

اس عمل کی کرامات بلند پایہ محقق نفسیات پروفیسر ولیم جیمس کے الفاظ میں یہ ہیں:۔

"عامل تنویم اپنے معمول سے جو کچھ بھی کہتا ہے اس کو وہ یقین کر لیتا ہے اور جس چیز کا حکم کرتا ہے اس کو بجا لاتا ہے حتیٰ کہ جو چیزیں معمولی حالت میں آدمی کے اختیار سے باہر ہوتی ہیں وہ بھی عامل کے حکم سے واقع ہو سکتی ہیں۔ مثلاً چھینکنا، چہرے کا سرخ یا زرد پڑ جانا وغیرہ، تم معمول کو یقین دلا سکتے ہو کہ وہ برف ہوا جا رہا ہے، یا آگ میں جلایا جا رہا ہے، تم اس کو آلو کھلاؤ لیکن یہ یقین دلا سکتے ہو کہ وہ شفتالو کھا رہا ہے۔ کرسی اس کو شیر نظر آسکتی ہے، جھاڑو اس کے لئے خوبصورت عورت بن سکتی ہے۔ مریا دانتوں کا درد دور کیا جا سکتا ہے، بھوک مٹائی جا سکتی ہے جس چیز سے تم چاہو اسی چیز سے معمول بہرہ یا اندھا ہو سکتا ہے۔ مثلاً فلاں لفظوں نہ سنے یا لاکھ اس کے سامنے چیخو نہ سنے گا، یا فلاں آدمی کو وہ نہ دیکھے، اس کے سامنے کھڑا کر دو وہ نہ دیکھ سکے گا۔

تنویمی تجربات کے علاوہ ویں بھی کچھ نہ کچھ ایسے پر اسرار واقعات مشاہد و مسموع ہوتے رہتے ہیں جن کی توجیہہ عام قوانین فطرت سے نہیں ہوتی۔

پروفیسر ولیم جیمس جو ہمارے زمانہ کا سب سے نامور محقق نفسیات ہے اور جس کا شمار اکابر فلاسفہ میں ہے اس نے لوگوں کے ذاتی واردات مذہب یا مذہبی تجربہ و شعور کے مختلف اصناف پر ... صفحات سے زائد کی ایک کتاب لکھی ہے اس میں بلا فیہ مشرق و مغرب، انبیاء و اولیاء، عوام و خواص، علماء و حکماء

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش

سب کے تجربات مذہبی کی آپ بیتی واردات کو یکجا کیا، اسی ذخیرہ میں سے ہم صرف عام انسانی سطح کے چند واقعات کا بترتیب ذیل انتخاب کرتے ہیں۔

سب سے پہلے جمیس نے اپنے ایک بے تکلف اور نہایت ہی ذہین وزیرک دوست کے متعدد تجربات لکھے ہیں، اس دوست کو کبھی کبھی رات کے وقت جب کہ یہ کتب بینی میں مشغول ہے، یا خالی بیٹھا ہے، ایسا معلوم ہوا کہ کمرے کے اندر کوئی موجود ہے، پلنگ کے پاس ہے، اپنی گود میں اس کو دبا رہا ہے، گو وہ یہ نہیں جانتا ہے کہ یہ کون ہے، یا کیا ہے، تاہم نفس اس کی موجودگی کا اس سے کہیں زیادہ اس کو یقین ہے جتنا کہ دن کی روشنی میں کسی ذی روح کی موجودگی کا ہو سکتا ہے: "اس کی موجودگی میں نہ کوئی ابہام والتباس ہے نہ یہ شعر یا موسیقی کے وجد وکیف کا سا پیدا کردہ کوئی جذبہ ہے بلکہ یہ ایک قوی شخصیت کی نہایت قریب موجودگی کا قطعی علم ویقین ہے اور اس کے چلے جانے کے بعد میرے حافظہ میں اس کی یاد ایک حقیقت کی طرح تازہ ہے۔ ہر چیز جو میں دیکھتا ہوں یا سنتا ہوں، خواب ہو سکتی ہے لیکن یہ واقعہ خواب نہ تھا۔"

یہ دوست کوئی وہم پرست نہیں ہے بلکہ جیمس کو اس بات پر حیرت ہے کہ وہ ان تجربات کو مذہبی رنگ میں کیوں نہیں تعبیر کرتا، اس کے بعد ایک اور شخص کا بیان ہے:۔

"میری آنکھ بہت رات رہے کھل گئی...... ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے جان بوجھ کر جگا دیا، پہلے میں یہ سمجھا کہ کوئی شخص اندر گھس آیا ہے۔ میں نے پھر سونے کے لئے کروٹ بدل لی، فوراً ہی محسوس ہوا کہ کمرے میں کوئی موجود ہے، اور یہ کچھ عجیب احساس تھا، ممکن ہے کہ اس پر ہنسی معلوم ہوتی ہو لیکن میں وہ بیان کرتا ہوں جو مجھ پر گذری، بجز اس کے کہ میں ایک روحانی وجود سے اس کو تعبیر کروں اور کوئی بہتر صورت مجھ کو اپنے احساس کے ادا کرنے کی نہیں ملتی۔ ساتھ ہی مجھ کو ایک دہشت بھی محسوس ہوئی کہ کوئی عجیب واقعہ ظاہر ہوا چاہتا ہے۔"

جیمس نے تو اس قسم کے تجربات کا ایک انبار لگا دیا ہے، لیکن ہم ایک طویل بیان کے دو جملوں کے اقتباس پر بس کرتے ہیں۔ قیاس اور اخذ نتائج کے لئے امید ہے کہ یہی تین چار مثالیں کافی ہوں گی۔ امراض دماغی کے ایک ماہر ڈاکٹر نے خود اپنا تجربہ لکھا ہے کہ:۔

"اس کے بعد مجھ پر ایک انتہائی فرحت وانبساط کی کیفیت طاری ہوئی، جس کے ساتھ ہی ایک ایسی مثالی یا اشراقی حالت پیدا ہوئی جس کا بیان ناممکن ہے۔ اس حالت میں دو چیزوں کے ساتھ اس بات کا بھی مجھ کو صرف یقین نہیں بلکہ عینی مشاہدہ ہوا کہ کائنات بے جان مادہ سے نہیں بنی ہے بلکہ ایک ذی حیات وجود ہے مجھ کو خود اپنے اندر ایک ابدی حیات کا احساس ہوا، یہ کیفیت صرف چند سکنڈ تک رہی لیکن اس

کی یاد اور حقیقت کا احساس آج چودھویں صدی گذر جانے پر بھی اسی طرح تازہ ہے۔"

ان مثالوں کو سامنے رکھ کر اب یہ حدیث پڑھو کر :-

"ایک دفعہ صبح کی نماز کے لئے آپ دیر سے برآمد ہوئے، نماز کے بعد لوگوں کو اشارہ کیا کہ اپنی اپنی جگہ ٹھہر جائیں پھر فرمایا کہ آج شب کو میں نے اتنی رکعتیں پڑھیں جتنی کہ میرے لئے مقرر تھیں تو نماز ہی میں کچھ اونگھ سا گیا (نعست) اس حالت میں میں نے دیکھا کہ جمال الٰہی بے پردہ میرے سامنے ہے، خطاب ہوا، اے محمد! تم جانتے ہو کہ فرشتگان خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں؟ عرض کی نہیں اے میرے رب! میں نہیں جانتا۔ اس نے اپنا ہاتھ دونوں مونڈھوں کے بیچ میں میری پیٹھ پر رکھا، جس کی ٹھنڈک میرے سینہ تک پہونچ گئی۔ اور آسمان و زمین کی تمام چیزیں نگاہوں کے سامنے جلوہ گر ہوگئیں، سوال ہوا، یا محمد! تم جانتے ہو کہ فرشتگان خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں، عرض کی، ہاں اے میرے رب ..... الخ"

اس میں کلام نہیں کہ مکالمۂ طور اور ماجرائے اسراء (معراج) کا مقام مذکورۂ بالا مثالوں سے اتنا ہی بلند ہے جتنا کہ انبیاء کا مقام انسانوں سے بلند ہونا چاہیئے۔ تاہم "عالمے ہست کہ ایں عالم ازاں تمثالے است" ان مثالوں سے ایک نہ ایک حد تک اس مقام برتر کا دھندلا سا تصور پیدا کیا جا سکتا ہے اور ہمارے مدعا کے لئے اسی قدر کافی ہے۔

انبیاء کے مشن کی تکمیل سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے ہوئی۔ حضور ایسے دور میں اپنا پیغام انقلاب لے کے اٹھے تھے جبکہ نظام استبداد اپنے جوبن پر تھا، ساری دنیا ظلم و جور کے انتہائی پستیوں سے گذر رہی تھی۔ ایسے میں آپؐ توحید کے ساغر میں انسانی مساوات کی وہ صہبائے مقدس پیش کرتے ہیں، کہ جس کا ایک جرعہ پی کر غلام اور کنیزوں تک میں احساس آزادی کا وہ نشہ پیدا ہوا کہ اگرچہ ان کو تپتی ریتوں پر لٹایا گیا، دہکتے انگارے ان کی پیٹھوں کے نیچے ٹھنڈے ہوگئے، گلوں میں رسیاں ڈال ڈال کر ان کو گھسیٹا گیا ان کی چھاتیوں پر بھاری پتھر رکھے گئے، ان کو مار مار کر ادھ موا کر دیا گیا اور برچھیاں ان کے جسموں سے پار کی گئیں مگر ان کے سرور ازلی میں فرق نہ آیا ـــــ جب انھوں نے اپنے شرف انسانی کے تصور کا ذائقہ چکھ لیا تو پہلی بار ان کے شعور نے انگڑائی لی ان کی قوت ارادی جاگ اٹھی ان کے کردار نے نئی کونپلیں چھوڑیں اور ان میں ظلم کو بے حسی سے سہنے کے بجائے پورے نظام ظلم کے خلاف انقلابی جد وجہد کرنے کا ولولہ بیدار ہوگیا، یہاں تک کہ انسانوں کا ایک معیاری نظام اخوت قائم ہوا جو قیام کے بعد دیر ہی برسوں میں

ڈاکٹر مصطفےٰ صادق رافعی (مصر)
ترجمہ ابوالبرکات اصلاحی

تاریخ اسلامی کا سخت ترین مرحلہ

سنہ ۱۰ھ کو تاریخ اسلامی کا سخت ترین دور شمار کیا جاتا ہے۔ ابوطالب کے انتقال کا صدمہ ہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کیا کم تھا کہ کچھ ہی دنوں کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰ بھی ہمیشہ کے لئے داغ مفارقت دے گئیں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں حضرات کی وفات بے سہارا بنا گئی۔ وہ کریم چچا جن کی رحمتیں ایک باپ سے کم نہ تھیں اور وہ غمگسار بیوی جن کی تشفیاں آپ کے مضطرب دل کے لئے باعث اطمینان تھیں۔ ابوطالب جب تک زندہ تھے تب تک نبی کریمؐ بے خوف و خطر تبلیغ فرماتے رہے کیونکہ ابوطالب کی سیادت و حزم پورے عرب میں مسلّم تھی اور یہ طبعی بات ہے کہ جسے پوری سوسائٹی اور پوری قوم اپنا قائد تسلیم کر لے وہ مختار سمجھا جانے لگتا ہے، اس کی سیاست پوری قوم کی سیاست ہوتی اور اس کا فیصلہ پوری جماعت کا فیصلہ ہوتا۔ چنانچہ وہ اہم مسائل جو کسی سے حل نہ ہوتے اسے ابوطالب نہایت دوراندیشی سے حل کر دیتے۔ ان ہی اہم مسائل میں سے دعوت اسلامی بھی ایک مسئلہ بن کر ان کے سامنے آئی، پورا قبیلہ قریش اس کی روک تھام کی تدبیر سوچتا لیکن اسے ابوطالب کی حمایت اور نصرت حاصل تھی اس لئے کچھ نہ کر سکتا، وہ عرب تھے انھیں اپنے قول کا بہت پاس تھا، ان کے نزدیک قتل و غارتگری کوئی حیثیت نہیں رکھتی، لیکن وہ اپنے مذہب کی مخالفت میں ایک لفظ بھی سننا گوارا نہیں کر سکتے، پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اعلان تو ان کے مذہب کی کھلی ہوئی توہین تھی۔ اسے وہ کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ قریش کے احمق ناراض ہوئے جھنجھلائے لیکن کچھ کر نہیں پائے۔

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش

مشیت ایزدی کی یہ انوکھی اور لطیف تدبیر تھی جو اس نے ابوطالب کو نبوت کے آغاز ہی میں محمدؐ کی حمایت پر آمادہ کر دیا۔ فی الواقع ابوطالب کی یہ حمایت خدا کی طرف سے ایک مخفی قوت تھی جو ان پر قبول حق کی راہ کھول رہی تھی اور اس مخفی قوت کے ذریعہ دہ قانون الٰہی کو ان کے خود ساختہ قانون کی بیخ کنی منظور تھی تاکہ اسلام کا ہمہ گیر قانون مکمل طور سے نافذ ہو سکے۔

ابوطالب کی زندگی تک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دعوت کا کام علی الاعلان کرتے رہے لیکن ابوطالب کی وفات کے بعد یہ سہارا ختم ہو گیا۔ اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی رفاقت ہی رسول اللہ کے لئے موجب تقویت بنی، حضرت خدیجہ اعلائے کلمۂ حق کے سلسلہ میں رسول اکرمؐ کی ہمیشہ معاون و مددگار رہیں۔ منکرین حق کا انکار اور ان کی مسلسل اذیت ناکی حضرت خدیجہ کی محبت اور دل داری کو کم نہ کر سکی، بارہا ایسا ہوا کہ جس بات پر قریش رسول اللہ کی تکذیب پر کمر بستہ ہو جاتے اسی بات کی تائید اور تصدیق میں ہمیشہ پیش پیش رہتیں۔ وہ اپنی عزیز زندگی کا مقصد اعلیٰ دعوت محمدیؐ کی ہر طرح سے امداد ہی کو سمجھتی تھیں غرض یہ کہ رسول اللہ کو خدیجہ کی ذات گرامی نے ہر حیثیت سے رفاقت فرمائی، مالی اور روحانی دونوں، ایک صحیح اور وفا شعار بیوی جو کچھ اپنے شوہر محترم کے لئے کر سکتی تھی انھوں نے کیا، چنانچہ اگر غور کریں تو یہ بات صاف طور سے سامنے آجاتی ہے کہ اگر ابوطالب نے نبی کریمؐ کی حمایت مادی حیثیت سے کی تو حضرت خدیجہ نے مادی اور روحانی دونوں طریقوں سے فرمائی۔

ابوطالب اور حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد اللہ کے رسول یکہ و تنہا رہ گئے۔ کوئی ایسا نہ تھا جو آپؐ کی دلداری کرتا، ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑتا اور ایک سچے رفیق کی طرح دلاسا دیتا، مکہ کی وسیع و عریض سرزمین آپ کے لئے تنگ ہو گئی۔ آپ جدھر نظر اٹھاتے کوئی اپنا ہمدرد نہ دکھائی دیتا، ان حالات میں آپ کے سامنے صرف ایک ہی راہ تھی جس کو اپنا کر آپ اپنی تحریک کو محفوظ رکھ سکتے تھے۔ اور وہ یہ کہ آپ اپنے عزیز وطن کو الوداع کہیں۔ اس محبوب سرزمین سے جدا ہو جائیں جہاں کے ذرے ذرے سے آپ کو بے پناہ الفت تھی۔ مگر ایک عظیم تحریک اور ہمہ گیر مشن کو لے کر اٹھے تھے اس کو برپا کر دینا ہی درحقیقت آپ کی غایت تخلیق تھی۔ اور قدرت کی یہ مشیت تھی کہ دعوت اسلامی مکہ کے محدود دائرے سے نکل کر پوری دنیا میں پھیل جائے۔ چنانچہ رسول اللہ کا ابوطالب اور حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد بے سہارا اور تنہا ہو جانا اس کے در پردہ قدرت کا ایک عجیب راز مضمر تھا۔ قدرت آپؐ کو تمام ظاہری اور عارضی سہاروں سے کاٹ کر آپ میں خود اعتمادی اور استقامت کو پوری طرح ابھار دینا چاہتی تھی۔ تاکہ آپ آئندہ کے لئے تیار ہو جائیں اور جو جو پریشانیاں اور مصیبتیں

اس راہ میں آیندہ پیش آنے والی ہیں اسے تنہا برداشت کرتے جائیں ۔

ابوطالب اور حضرت خدیجہ کے اٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا اب وہ نہایت بے باکی اور سفاکی سے رحمت عالم کو ستانے لگے ایک دفعہ آپ تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک بدنصیب نے آکر فرق مبارک پر خاک ڈال دی، اسی حالت میں آپ گھر میں تشریف لائے، آپ کی صاحبزادی نے دیکھا تو پانی لے کر آئیں آپ کا سر دھوتی تھیں اور جوش محبت سے روتی جاتی تھیں آپ نے فرمایا جان پدر! روؤ نہیں خدا تیرے باپ کی حفاظت کرے گا ۔

اہل مکہ کے ظلم و تعدی کا بادل جب تیرہ برس کر نہ کھلا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی راہ میں ہر قسم کی تکلیف جھیل لینے کا فیصلہ کر لیا لیکن مکہ میں رہ کر فرائض اسلام کو بجا لانا ممکن نہ تھا اس لئے آپ نے طائف جانے کا قصد فرمایا بظاہر وہاں کی آب و ہوا بہتر معلوم ہوئی ۔ طائف میں بڑے بڑے امرار اور ارباب اثر رہتے تھے، ان میں سے عمیر کے خاندان کو قبائل کی سیادت حاصل تھی۔ آپ نے اپنی دعوت کا آغاز اسی خاندان سے کیا، لیکن آپ کو جواب میں جو کچھ کہا گیا وہ؟ نہایت عبرت انگیز ہے، کسی نے کہا اگر تو خدا کا فرستادہ ہے تو تو اپنے ہاتھوں سے کعبہ کا پردہ چاک کر رہا ہے۔ تیرے علاوہ خدا کو اور آدمی نہ ملا، غرض رحمت عالم کی دعوت پر لبیک کہنے کی بجائے آپ کا استقبال گالیوں سے کیا گیا، ان تقادیر کے بیٹوں نے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ غنڈوں اور بدمعاشوں کو ابھار دیا کہ آپ کا مذاق اڑائیں۔ آپ کو تکلیفیں پہنچائیں، شہر کے اوباش عناصر آپ پر ٹوٹ پڑے، آپ پر اتنے پتھر برسائے گئے کہ نعلین مبارک خون سے بھر گئے، آخر آپ نے ایک انگور کے باغ میں پناہ لی جو عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کا تھا۔ یہ دونوں اگرچہ کافر تھے لیکن شریف الطبع اور نیک نفس تھے، ان کے بھی دل اس دردناک واقعے سے مسوس اٹھے ۔

رحمۃ للعالمین جب پرسکون ہو گئے تو آپ کا دل اس بے رحمی اور شقاوت سے بھر آیا اور آپ کے دہن مبارک سے یہ دعائیہ کلمات نکلے ، اے پروردگار! مجھے اپنی ناتوانی اور بے بضاعتی کی شکایت ہے میرے رحیم آقا! تو کمزوروں کا رب ہے تیری رضا اگر شامل حال ہے تو مجھ کسی کی پرواہ نہیں۔

کس کو اپنا مذہب عزیز نہیں اس بنا پر اگر اس بات کی جستجو کی جائے کہ آیا کون ایسی شخصیت ہے جو جامع ہے تو اس کے جواب میں ایک مسلمان بے جھجک کہہ سکتا ہے کہ نبی عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی تمام صفات کی جامع ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ دعوت کی راہ سے آپ کے قدم کو کفار کی اذیت پسندیاں کبھی نہ ہٹا سکیں، بلکہ جو قدم بھی اس راہ میں اٹھا وہ ثبات اور عزم محکم کی قوت سے مالا مال اٹھا اور

ہر بار اہل مکہ شجاعت محمدیؐ کی داد دیتے رہ گئے۔

حق کے مقابل میں باطل کا وجود لازمی ہے، اور سچ کے خلاف جھوٹ کا ہونا ناگزیر ہے۔ اس کو اگر وسیع پیمانے پر دیکھا جائے تو ہمیشہ یہی نظر آئے گا کہ ہر سماج، ہر سوسائٹی اور ہر معاشرے میں دو نظریات کارفرما ہوتے ہیں۔ ایک گروہ کا نظریہ صرف اس پر موقوف ہوتا ہے کہ ؏

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

اگر اس دنیا میں آئے ہو تو مزے کی زندگی گذارلو، عیش و آرام کی نیند سولو، اونچے اونچے محل تعمیر کرلو خواہ یہ عیش و آرام قتل و غارتگری سے حاصل ہو یا محل کی بنیاد غریبوں اور محتاجوں کی ہڈیوں پر رکھی گئی ہو یہ گروہ خود غرض اور مفاد پرست، سطح بین، تنگ نظر اور کمینہ ہوتا ہے۔ اس گروہ سے نہ قوم کو فائدہ پہنچ سکتا ہے اور نہ مذہب کو۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو انسانیت کا ہمدرد ہے اس کے سینے میں صالح احساس ہوتا ہے۔ اس کا سارا عمل، ساری دوڑ دھوپ، تمام کوشش اللہ کی مخلوق کو نفع پہنچانے کی خاطر ہوتی ہے اسے یہ لگن بے قرار اور مضطرب رکھتی ہے کہ ہم کیا کریں کہ اللہ کی مخلوق نیک، انسانیت نواز، صلح پسند اور مکارم اخلاق کی علم بردار بن جائے، یہی لوگ دراصل شریف ہیں۔ اس گروہ کا وجود قوم و ملت سب کے لئے یکساں مفید ہے، اس کو مثالاً یوں سمجھیں کہ سورج کی شعاعیں گرچہ زمین پہ پڑتی ہیں لیکن شعاعوں کا وجود زمین کے وجود پر منحصر نہیں بلکہ سورج کی شعاعوں کو پھیلنے اور روشن ہونے کے لئے زمین وجود میں آئی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت ایک مکمل ضابطہ حیات لے کر ہوئی تھی آپ کی بعثت کا انحصار عالم کے وجود پر نہ تھا بلکہ عالم کا وجود اس بات کا متقاضی تھا کہ اسے نبی کریمؐ کی ہدایت میسر آئے۔

یہی وجہ تھی کہ دعوت اسلامی کی راہ میں بے شمار مزاحمتیں پیش آئیں، اہل مکہ نے لاکھ جتن کئے کہ آپ کی آواز دب کر رہ جائے لیکن آپ کو یہ مخالفین قطعی متاثر نہ کر سکے۔ کیونکہ رسول اللہ کی نظر تنہا قریش کی اصلاح پر نہ تھی بلکہ آپ تو دائمی شریعت لے کر مبعوث کئے گئے تھے، آپ کا حقیقی منصب اور اولین فرض تو یہ تھا کہ اللہ کا کلمہ غالب ہو، چاہے اس کے سلسلے میں کچھ مصیبتیں آئیں، پریشانیاں برداشت کرنی پڑیں اور چونکہ آپ کو خدا کی ذات پر کامل بھروسہ تھا کہ آپ کی دعوت کو وہ برپا کر کے رہے گا۔ چنانچہ مستقبل کی یہ حقیقی کامیابی حال کی اذیت ناکی پر پردہ ڈال دیتی تھی۔ آپ کی بشریت

....

.... اپنی انسانی کمزوری اور بے بضاعتی کا ذکر کر کے خدا سے ثبات اور استقامت کی خواستگار ہوتی

آپ کو احساس ہے کہ یہ کفار جو آپ پر پے درپے مصیبتوں کے پہاڑ توڑ رہے ہیں۔ در اصل یہ انسانی کمزوریوں کے نتیجے میں ہے۔ آپ کا دل انسانیت کی اس بے راہ روی پر چیخ اٹھتا ہے اور اللہ کے سامنے فریاد کرتے ہیں کہ اے پروردگار! یہ انسان ناواقف ہیں انھیں علم دے، یہ نادان ہیں ان میں عقل کی روشنی عطا کر، یہ دعائیہ کلمات اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ نبی کریمؐ کی نظر میں دنیا کی مصیبتوں اور پریشانیوں کی کوئی وقعت نہ تھی بلکہ آپ کو اگر دکھ تھا تو انسانیت کی سرکشی پر۔

اب تک دنیا کی جس قدر تاریخ معلوم ہے اس نے جتنے بھی رہنما پیش کئے وہ فضائل اخلاق کے کسی خاص صنف کے نمونہ تھے، مثلاً حضرت مسیح کی دعوت صرف صلح و حلم، عفو و قناعت اور تواضع کی مثال ہوتی تھی، ان کی دعوت میں وہ جرأت مندانہ طریقہ کار نہ تھا کہ سرکش گروہ کے سامنے اپنی دعوت کو تلوار کے سائے میں پیش کر دیتے، ان کے مواعظ اور بنا اکثر تعبیر و تشبیہ میں ہوتے عمل بہت کم ہوتا، ان کی مثال تو اس سورج کی تھی جو موسم سرما میں طلوع ہوا اور اس کی کرنیں زمین کو حرارت نہ بخش سکیں، بلکہ حقیقت میں وہ مبعوث ہی اس لئے کئے گئے تھے کہ وہ اپنی تبلیغ کے ذریعہ آئندہ کے لئے زمین ہموار کر دیں تاکہ اس میں آنے والا داعی سہولت سے اسلام کی بیج ڈال سکے۔ اسی بنا پر ہر قدم پر نئے نئے رہنما کی ضرورت پیش آئی، اس لئے دنیا میں انسانیت کی تکمیل کے لئے قدرت نے ایسے جامع کمالات شخص کو مبعوث فرمایا جو بیک لمحہ قوم کی رہنمائی بھی کر سکے اور اسے شمشیر اٹھانے کی صلاحیت بھی عطا کرے۔ یہی وجہ تھی کہ نبی کریمؐ نے اپنی دعوت کی ترویج کے سلسلے میں کبھی شاعری یا مبالغے کا سہارا نہیں لیا ورنہ آپ اس بات پر بخوبی قادر تھے، کفار کے ہر حق کے جواب میں رحمت عالم نے ہمیشہ ایک باوقار حکیم کا سا سکوت اختیار فرمایا لیکن فی الواقع یہ سکوت ہزاروں سوالوں کا جواب بن کر بصورت عمل ظاہر ہوتا، آپ کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ فضائل اخلاق کا علم بردار ہوتا، گویا آپ کے پیش نظر فقط یہ مقصد تھا کہ آپ مخلوق کے رشتے کو معبود سے منسلک کر دیں، انسان کے دل میں صالح قدریں بھر دیں۔ آپ مکہ کے سر پھرے اور نادان لوگوں کی بدبختیاں دیکھتے لیکن اس پر غم و غصہ کا اظہار نہیں فرماتے بلکہ ایک دانا اور دور اندیش ہادی کی طرح جائزہ لیتے اور ان کی اصلاح کی ٹھوس تدبیریں فرماتے۔

اس طویل کہانی کے پس منظر کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو ہمارے سامنے ایک واضح نصب العین آتا ہے کہ تحریک اسلامی کو برپا کرنے کیلئے ایک داعی کو کیسا ہونا چاہیئے۔ رسول اللہؐ کی یہ سنت ہمارے لئے اسوہ کی شکل میں آتی ہے کہ تحریک اسلامی کو عام کرنے کی خاطر کیا کیا مصیبتیں پریشانیاں جھیلنی پڑتی ہیں اور داعی کو کن کن صفات کا حامل ہونا چاہیئے۔ ایک داعی کا خاصہ ہونا چاہیئے کہ وہ مادی سہاروں کی اتنی پرواہ نہ کرے کہ ان سہاروں کے کٹ جانے کے بعد وہ مایوس ہو کر بیٹھ جائے۔

میں یہ بشارت دی کہ آج دین کامل کر دیا گیا:۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

اس کے بعد آپ نے اللہ کا یہ قول تلاوت فرمایا:۔

اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا

یہ اعلان تھا کہ اس بات کا کہ اللہ کی راہ میں آپ نے پوری پوری کوشش کی اور فریضہ رسالت کو ادا کر دیا۔ اب دنیا سے کوچ کا وقت قریب آ گیا ہے۔

آپ کی ولادت ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کو صبح کے وقت ابوطالب کے گھر مکہ میں ہوئی۔ آپ کی والدہ نے آپ کے دادا کے پاس خوش خبری بھیجی، آپ خوش خوش آئے اور محمد نام رکھا۔ اگرچہ عرب اس نام سے مانوس نہ تھے لیکن اللہ کا ارادہ غالب آ کر رہا تاکہ انبیاء اور توریت و انجیل کی بشارتیں پوری ہوں۔

آپؐ نے اپنے والد سے کچھ وراثت نہیں پائی۔ آپ یتیم پیدا ہوئے اور قبیلہ بنی سعد میں پرورش پائی۔ جب کچھ کام کاج کے لائق ہوئے تو رضاعی بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانے۔ بخاری کا بیان ہے کہ مکہ واپس آنے پر بھی آپؐ خاندان والوں کی بکریاں اجرت پر چراتے۔

انبیاء مال و دولت اور اس میں انہماک سے ہمیشہ الگ پائے گئے کیونکہ یہ چیزیں ابدی سعادت سے روک دیتی ہیں، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ تمام شریعتیں زہد اور دنیا سے دوری کو استحسان کی نظر سے دیکھتی ہیں۔

پہلے نبیوں کے حالات ہمارے اس دعویٰ کی بہترین دلیلیں ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام دنیاوی مال و متاع سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے تھے، اسی طرح موسیٰ علیہ السلام بھی قوت لایموت کے مالک تھے۔ یہ اللہ کی بڑی حکمت تھی جو انبیاء کے ذریعہ اللہ نے ظاہر کی تاکہ ان کے ماننے والوں کے سامنے دنیا پرستی سے اعراض کا عملی نمونہ ہو۔ اور یہی سبب ہے آزمائشوں اور مصیبتوں کا بھی۔ اسی طرح بکری چرانے کا معاملہ بھی ہے۔ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ اس میں بھی ایک بڑی حکمت پوشیدہ ہے وہ یہ کہ جب انسان بچپن میں ایک کمزور ترین حیوان کی گلہ بانی کرتا ہے تو اس کے دل میں رافت و رحمت کے جذبات ابھر آتے ہیں۔ ایسی حالت میں بڑے ہونے پر جب انسانوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دینا پڑتا ہے تو جذبۂ شفقت و رحمت اس کے اندر

بہترین اعتدال پیدا کر دیتا ہے۔

جب آپؐ جوان ہوئے تو تجارت شروع کی۔ آپ کے شریک تجارت سائب بن ابی السائب تھے آپ حضرت خدیجہ کا سامان تجارت لے کر شام گئے۔ پھر جب آپؐ کی شادی حضرت خدیجہ سے ہو گئی تو آپ ان کے سرمایہ کو لے کر تجارت کرنے لگے اور اپنے ہاتھ کی کمائی سے اپنا رزق حاصل کرتے اسی طرف اللہ نے اپنے قول میں اشارہ کیا ہے:۔

اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰى ۝ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ وَوَجَدَكَ عَآىٕلًا فَاَغْنٰى ۝

ان آیتوں میں استغنا اور ٹھکانا کا جو ذکر ہے وہ نبوت سے پہلے کی حالت کی طرف اشارہ ہے اور ہدایت سے مراد نبوت ہے جس نے کتاب، ایمان اور دین ابراہیم کی طرف رہنمائی کی نبوت سے پہلے آپ ان باتوں سے آگاہ نہ تھے۔ وکذلک اوحینا الیک روحا من امرنا ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ولکن جعلناہ نورا نھدی بہ من نشاء من عبادنا۔

اسی طرح آپ کو خلق عظیم کے مرتبہ پر پہونچایا وانک لعلی خلق عظیم۔ آپ کے دل کو نرم کیا

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۔

آج ہمیں سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم آپؐ کی عظمت کو پہچانیں جس کی تجلیاں آپ کی زندگی کے ہر گوشہ کو منور کر رہی ہیں۔ آپ کی عظمت کو عام انسانی عظمتوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کی عظمت بادشاہوں کی طرح نہ تھی جو انسانیت کو عذاب میں مبتلا کرتے اور اللہ کے بندوں کو غلام بناتے ہیں۔ اور نہ یہ عظمت سپہ سالاروں کی طرح تھی جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور خون بہاتے ہیں، اور نہ اس کا تعلق سرمایہ داروں کی عظمت سے ہے جو بغیر کسی استحقاق کے زمین پر تکبر کرتے ہیں اور وسائل دنیا دار کو ان کے حق سے محروم رکھتے ہیں اور چند سکوں کے ذریعہ لوگوں کو مسخر کر کے ہوائے نفس کو پوری کرتے ہیں۔ آپ کی عظمت اپنی نوع کی واحد عظمت ہے۔

آپؐ اخلاق میں سب سے اچھے تھے، بات میں سب سے سچے تھے۔ سب سے زیادہ ... تھے۔ کردار کو متاثر کرنے والی برائیوں سے آپ بہت دور تھے۔ آپ کے اندر مروت، تعلقات، شرافت تھی۔ آپ بہترین پڑوسی اور سب سے زیادہ علم والے تھے۔ آپ کی اچھی باتوں اور ... حلم، صبر، شکر، جود و سخا، تواضع، شجاعت اور حیا کو دیکھ کر لوگوں نے آپ کو امین کہا۔ سب نے یہاں تک کہ دشمن نے آپ کی خوبیوں کی شہادت دی۔ النضر بن الحارث نے قریش سے کہا:۔

"جب محمد بچے تھے تو وہ سب سے زیادہ پسندیدہ تھے، سب سے زیادہ سچے تھے، سب سے
بڑھ کر امین تھے لیکن جب بڑھاپے کی سرحد پر پہونچے تو تم نے انھیں جادوگر کہا۔
بخدا وہ جادوگر نہیں ہیں"

اسی طرح جب ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا۔ کیا نبوت سے پہلے کبھی تم لوگوں نے اسے جھوٹ
بولتے ہوئے سنا ہے؟ تو ابوسفیان نے کہا نہیں۔ اس جواب پر ہرقل نے کہا۔ جو انسانوں کے سلسلہ
میں کبھی جھوٹ نہ بولے، وہ اللہ کے بارے میں کیونکر جھوٹ بول سکتا ہے۔

اللہ نے بچپن میں آپ کو تمام جاہلی اعمال سے بچائے رکھا۔ آپ کو بتوں اور بت پرستی سے نفرت
تھی یہاں تک کہ نہ آپ خود کبھی ان کے پاس گئے، اور نہ مشرکین کی مشرکانہ تقریبوں میں شریک ہوئے۔
غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت آپ نہیں کھاتے تھے۔ شراب عربوں کی گھٹی
میں پڑی ہوئی تھی لیکن آپ نے اسے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ اللہ نبوت سے پہلے انبیاء کی حفاظت
کرتا ہے تاکہ امر عظیم کے بار کو اٹھانے کے لائق ہو سکیں۔

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی نشانی کو تلاش کرنا ہے تو آپ کی تعلیمات
میں اسے تلاش کرنا چاہیئے۔ جس نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو، بکھرے ہوئے قبائل کو جوڑ کر ایک
باوقار قوم بنا دیا۔ ان کی سیادت و قیادت کی صلاحیتوں کو اجاگر کر دیا۔ آپ کی تعلیم نے ان
لوگوں کے دلوں کو ایمان سے پرنور کر دیا جو بت پرست اور خوگر جفا تھے۔

حشر و نشر کو بھلا بیٹھے تھے اور اخلاق فاسد ہو چکے تھے، ایسے لوگوں کی برائیوں کو آپ
نے بھلائیوں سے جہالت کو علم سے انتشار کو نظم سے بدل دیا۔ یہ پراگندہ افراد اللہ کی نعمت سے
بھائی بھائی بن گئے۔ نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کے مددگار اور معاون بن گئے۔ حق اور صبر کی ایک
دوسرے کو نصیحت کرنے لگے۔ یہ پورا معاشرہ بھلائیوں کا حکم دینے لگا۔ اور برائیوں سے روکنے لگا۔

آپ کی تعلیمات نے ہر فضیلت کو اپنانے اور رذالت کو ترک کرنے پر ابھارا۔ یہ تعلیمات ساری
دنیا کے لئے شفاء و رحمت ہیں ان کی بدولت زندگی کے ہر گوشہ میں بھلائی کے بیج برگ و بار لائے
انسانیت خلافت کے رتبہ پر پہنچ گئی۔ یہی وہ عظمت ہے جسے حاصل کرنے کے لیے ہم ربیع الاول
میں عید میلاد النبی کے جشن مناتے ہیں۔ آپ کی یاد کو زندہ رکھنے کا آسان طریقہ آپ کی پیروی ہے

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم

ربنا آتنا من لدنک رحمۃ وھیئ لنا من امرنا رشدا

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیش کش

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش

دہلی کے قدیم اور ٹھوس چشمہ فروش
"میسرز کومریڈس آپٹیکل کمپنی"

آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں

- ڈاکٹری نسخہ کے مطابق آنکھ کا چشمہ۔
- جدید ترین ڈیزائنوں میں اور اعلیٰ کوالٹی کے فریم۔
- ہر قسم کے دیسی اور ولایتی لینس
- اصلی کروکس کے دھوپ والے گاگل

اور دیگر چشموں سے متعلق جملہ سامان

تھوک و خوردہ

معیاری اور تسلی بخش سروس

- ڈاک کے ذریعہ موصول ہونے والے آرڈروں کی فوری تعمیل
- ہمارے دیرینہ تجربہ اور خدمات پر بھروسہ کیجئے۔
- چشمہ کے بیوپاری صاحبان مزید معلومات کیلئے ہماری انگریزی یا اردو کی فہرست طلب فرمائیں۔

ماضی میں جو کرم فرما ہماری سرپرستی فرماتے رہے ہیں، ہم اُن کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آئندہ بھی نوازتے رہیں گے۔

میسرز کومریڈس آپٹیکل کمپنی

۵۲۴۵ - بالائی منزل - بازار بلیماران - دہلی ۶

فون نمبر "۲۲۶۹۹۳"

تار کا پتہ
"کومریڈس" دہلی
COMRADES DELHI

سچا دین

بچوں کیلئے اسلامیات پر جامع سیٹ

سچا دین حصہ اول برائے جماعت سوم
سچا دین حصہ دوم 〃 〃 چہارم } مرتبہ افضل حسین ایم اے۔ ایل ٹی۔ ناظم مرکزی درس گاہ جماعت اسلامی رامپور

قیمت حصہ اول ۷۵ نئے پیسے
〃 حصہ دوم ۷۵ 〃 〃

سچا دین حصہ سوم برائے جماعت پنجم
سچا دین حصہ چہارم 〃 〃 ششم } مرتبہ مولانا محمد یوسف اصلاحی معلم مرکزی درس گاہ جماعت اسلامی رامپور

قیمت حصہ سوم ۹۰ نئے پیسے۔ حصہ چہارم ایک روپیہ

سچا دین کا پورا سیٹ تیار ہو کر مکتبہ میں آگیا ہے۔ اس مفید سیٹ کو ہندی زبان میں بھی منتقل کیا جا رہا ہے۔

تفہیم القرآن　از مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی

جلد اوّل (طبع ثالث)

الفاتحہ تا الانعام　ہدیہ بلا جلد دس روپے　قیمت جلد [illegible]

جلد دوم

اعراف تا بنی اسرائیل　ہدیہ بلا جلد تیرہ روپے　قیمت جلد دو روپے

- دورِ حاضر کے استدلالی ذہن کو زیادہ سے زیادہ مطمئن کرنے
- مغربی افکار باطل سے مرعوبیت کو دور کرنے
- قرآن کی مرکزی دعوت اور تمام اہم مسائل حیات سے اسکے تعلق کی نوعیت واضح کرنے
- اسلام کے جامع نظام حیات کیطرف بصیرت افروز رہنمائی کرنے
- قرآن کی انقلابی دعوت کو دلنشین انداز میں پیش کرنے

کیلئے

تفہیم القرآن جیسی معرکۃ الآراء تفسیر القرآن کا مطالعہ نہایت ضروری ہے جدید تعلیم یافتہ حضرات کیلئے خصوصیت سے بیش بہا تحفہ

نوٹ:۔ تاجروں کیلئے چھ چھ جلدوں کے خریداروں کو ۲۵ فیصد کمیشن اور ان سے زائد کے خریداروں کو ۳۰ فیصد کمیشن دیا جائے گا۔

مشہور اخوانی مصنف سید قطب کی معرکۃ الآراء کتاب
"العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام" کا اردو ترجمہ

اسلام کا نظام عدل

(مترجمہ نجات اللہ صدیقی)

- اسلام اور مسیحیت اور اسلام اور مغربی تہذیب کے نقطۂ نظر و مزاج کا فرق
- اسلام میں حریت ضمیر اور آزادی رائے
- اسلامی معاشرت میں عدل و مساوات کا اہتمام
- اسلام کا سیاسی اور معاشی نظام

اسلامی تاریخ سے ان اصولوں پر عمل کی روشن مثالیں حقیقی اسلام کی روشنی میں مسلمانوں کی تاریخ کا تنقیدی جائزہ۔ ان مفید مباحث کے علاوہ مصنف نے کتاب کے آخری باب میں دورِ حاضر میں اسلامی زندگی کے ازسرِ نو قیام کے امکانات کا جائزہ لیا ہے اور اسکے لئے تدابیر اور طریق کار پر روشنی ڈالی ہے اس سلسلے میں آپ نے اسلامی ادب اسلامی تاریخ اور دوسرے علوم مثلاً فلسفہ تاریخ، علم تعلیم، نفسیات وغیرہ کی تدوین نو پر بھی گفتگو کی ہے جدید اسلامی قانون سازی [illegible] اہم موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے متعین تجاویز پیش کی ہیں اور دلائل کی روشنی میں اس یقین کا اعلان کیا ہے کہ اسلامی نظام قائم ہو کر رہے گا

اس کتاب نے سارے عالم اسلامی کے مفکرین سے خراج تحسین حاصل کیا ہے عربی میں اس کتاب کے پانچ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں یہ ترجمہ کتاب کے تازہ ترین پانچویں ایڈیشن کے مطابق ہے جس میں لفظ بلفظ مصنف اور ان کی تصانیف کا بھی تعارف کرایا گیا ہے۔ صفحات ۴۰۳ علاوہ پیش لفظ سائز ۲۰×۲۶/۸ مجلد مع گرد پوش قیمت چھ روپے

منیجر مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند ۱۵۲۵ سوئیوالان دہلی نمبر ۶ فون ۲۲۷۶۵۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موسم سرما کا بے نظیر تحفہ

دہلی کی مشہور

چٹپٹی نہاری

روزانہ صبح سویرے اور دوپہر و شام کے وقت مشرقی طرز کے تازہ لذیذ کھانے تناول فرمایئے۔ اس کے علاوہ آپ ہر ایک ضیافت کے موقع پر خواہ وہ کتنی ہی اعلیٰ پیمانہ کی ہو اور کتنے ہی افراد پر مشتمل ہو ہمیں آرڈر دیجیے

شاہی جدی باورچیوں کے ذریعہ

فرمائشی کھانوں کا نہایت مناسب قیمت پر فوراً انتظام کر دیا جاتا ہے

بسم اللہ ہوٹل بازار بلی ماران دہلی ۶

مینجر محمد سعید

آنکھ کا امتحان

مفت کرا کر

چشمہ

ہم سے خرید فرمائیں

یونیورسل آپٹیکل کمپنی

۲۳۶۸ - بازار بلیماران (ڈاک خانہ

ہندوستانی دواخانہ کے برابر) دہلی ۶

تاجرانِ کتب

سیپارے، قاعدے، نیز ہر قسم

کی مذہبی کتابیں دہلی کے

نرخ سے ارزاں ہم سے خریدیئے

مکتبۂ اسلامیہ ۳۱۰ چاوڑی بازار

دہلی ۶

افقِ صحافت پر ایک نیا آفتاب

ماہنامہ انوارِ اسلام

بحمد اللہ کہ ماہنامہ انوار اسلام کے شمارۂ اول کے شائع ہوتے ہی اسلامی ہند میں اس کی دھوم مچ گئی جو اس کے شاندار مستقبل کی روشن علامت ہے۔ رسالے کے مقاصد یہ ہیں۔

۱ - اسلامی علوم وحقائق اور ایمانیات و اخلاق کو مقبول عام بنانا اور انکو مسلمانوں کے دلوں میں اتارنے کی کوشش کرنا۔

۲ - جدید علوم واکتشافات کو مادیات کی گرفت سے نکال کر اسلام کے تابع لانے کی سعی وکوشش کرنا۔

۳ - جدید افکار ونظریات کے مفاسد واضح کرکے ان پر اسلامی عقائد وتصورات کی برتری ثابت کرنا۔

۴ - اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کا ازالہ اور اسلام سے متعلق غیر مسلموں کے سوالات واعتراضات کا جواب دینا۔

۵ - ہندو مذہب کی روشنی میں غیر مسلم برادران وطن کو اسلام سے روشناس کرانا اور ہندو مسلم اتحاد کی ایک نئی راہ پیش کرنا۔

۶ - گندی اور ملحدانہ ادبی فضا کو پاکیزہ اور خداپرستانہ ادبی فضا سے بدلنے کیلئے صالح ادب کی اشاعت۔

۷ - موجودہ مایوسی وبے یقینی اور انتشار کے بجائے مسلمانوں میں یقین وخود اعتمادی اور خودداری روح پیدا کرنا۔

آج ہی چار روپے منی آرڈر سے بھیجکر ایک سال کیلئے خریدار بن جایئے۔ وی پی میں آپکے ساڑھے دس آنے زائد خرچ ہو جائینگے۔ ہر جگہ ایجنٹوں کی ضرورت ہے

منیجر ماہنامہ انوار اسلام - رام نگر بنارس

شری امرداس بھاٹیہ ممبر پنجاب سٹیٹ فارمیسی کونسل

کالاجواب طبی شاہکار

ایلوپیتھک مخزن حکمت چہارم

تیسرا جاریا ایڈیشن ۶۲ - ۱۹۶۱ء

۸۰۰ سو صفحات کے بےبہا اضافہ جات کیساتھ

ایلوپیتھک مخزن حکمت کو طبی طبقہ میں اور تمام گھریلو علاج کے سلسلے میں جو مقبولیت حاصل ہوئی ہے اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ بہت ہی جلد اس کا تیسرا اڈیشن شائع کرنا پڑا۔ تمام امراض کا جدید علاج پانچ پیتھیوں میں یعنی ایلوپیتھک، آیورویدک، یونانی، ہومیوپیتھک ور بایوکیمک میں دینے کے علاوہ ۲۵۰ صفحات ہوم ٹریٹمنٹ یعنی گھریلو علاج کے لئے مخصوص ہیں۔

۳۰ عدد فارماکوپیا، طریقہ تشخیص امراض معہ لیباریٹری میتھڈز METHODS معائنہ خون تھوک، پیشاب وغیرہ چار نئے ابواب پر ۸۰۰ سو پر از معلومات صفحات کا اضافہ متعدد فوٹو بلاک کی تصاویر مکمل آیورویدک، یونانی اور ایلوپیتھک فارماکوپیا سرکاری کے علاوہ مکمل قرابادین جاری (یونانی مرکبات بھی شامل کیے گئے ہیں) یہ کتاب نہ صرف ویدو حکماء اور پریکٹیشنرز کیلئے ہی مفید ہے بلکہ عام روزمرہ کے گھریلو علاج کے لئے بھی مفید اور رہنما کتاب ہے۔ ۲۰۰۰ ہزار بڑے سائز کے بڑے صفحات قیمت صرف -/۳۰ روپے

رعایتی اعلان	جو اصحاب ۳۰ ستمبر ۱۹۶۱ء تک یہ کوپن ہمراہ کاٹ کر ارسال کرینگے انکو دس روپے کی رعایت کرکے کتاب -/۲۰ میں ڈاک خرچ فری ارسال ہوگی۔ آرڈر کے ہمراہ دس روپے پیشگی آنا لازم ہیں۔

رعایتی کوپن یوم آزادی ۳۰-۹-۶۱ (D.D.) مخزن حکمت چہارم -/۲۰ روپیہ

ملنے کا پتہ:- فارمیسی نیوز بک ڈپو، پنڈی سٹریٹ لدھیانہ

ان کا عقد حضرت عثمان رضؓ کے ساتھ ہوا تھا۔

۱۲۔ حضرت ام کلثوم رضؓ — حضرت خدیجہ کے بطن سے یہ آپ کی تیسری صاحبزادی ہیں ان کا عقد بھی حضرت عثمان سے ہوا۔

۱۳۔ حضرت فاطمہ رضؓ — یہ آپ کی آخری اور چوتھی صاحبزادی ہیں۔ ان کا عقد حضرت علیؓ سے ہوا تھا۔

۱۴۔ حضرت سودہ رضؓ — یہ ایک بیوہ خاتون تھیں آپ نے ان سے عقد کر کے ازواج مطہرات میں داخل کر لیا۔

۱۵۔ حضرت عائشہ رضؓ — یہ حضرت ابوبکر کی صاحبزادی ہیں۔ آپ نے ان سے عقد کیا۔ ازواج مطہرات میں یہ آپ کو بہت زیادہ عزیز تھیں۔ منافقین نے ان پر تہمت لگائی اللہ نے ان کی برأت کے لئے قرآن کی آیتیں نازل کیں۔ ان کی فضیلت کے لئے یہ بات بس کرتی ہے کہ ان کے بستر پر وحی نازل ہوئی۔

۱۶۔ حضرت حفصہ رضؓ
۱۷۔ حضرت ام المساکین رضؓ
۱۸۔ حضرت زینب بنت جحش
۱۹۔ حضرت جویرہ۔

یہ آپ کی ازواج مطہرات میں ہیں۔

۲۰۔ حضرت میمونہ رضؓ
۲۱۔ حضرت صفیہ رضؓ

یہ دونوں خواتین بیوہ تھیں۔ آپ نے ان سے عقد کر کے ازواج مطہرات میں داخل ہونے کا شرف بخشا

۲۲۔ ماریہ قبطیہ۔ — ان کے بطن سے آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔

۲۳۔ حضرت ابوبکر رضؓ — آپ کے بچپن کے ساتھی۔ آپ پر پہلے ایمان لانے والے۔ ہجرت میں آپ کے رفیق سفر۔ آپ کا لقب صدیق ہے

سیرت النبی - ایک نگاہ میں

تاریخ اور واقعات

واقعہ	تاریخ
۱۔ پیدائش	سنہ ۵۷۱ء
۲۔ بی بی آمنہ کی وفات	سنہ ۵۷۵،۷۶ء
۳۔ دادا عبدالمطلب کی وفات	سنہ ۵۷۸ء
۴۔ فجار کی لڑائی	سنہ ۵۸۵ء
۵۔ حلف الفضول	سنہ ۵۸۵ء
۶۔ شام کا تجارتی سفر	سنہ ۵۹۵ء
۷۔ نکاح	سنہ ۵۹۵ء
۸۔ نبوت	۱۷ رمضان۔ ۶ اگست سنہ ۶۱۰ء
طائف کا سفر	
۹۔ حبش کی ہجرت	سنہ ۶۱۵ء
۱۰۔ چچا ابو طالب کی وفات	سنہ ۶۲۰ء
۱۱۔ حضرت خدیجہ کی وفات	سنہ ۶۲۰ء
۱۲۔ مدینہ میں اسلام	سنہ ۶۲۱ء
۱۳۔ ہجرت	سنہ ۶۲۲ء
۱۴۔ قبا میں ورود	۲۰ ستمبر سنہ ۶۲۲ء
۱۵۔ مدینہ میں	۲۴ ستمبر سنہ ۶۲۲ء
۱۶۔ یہود مدینہ سے معاہدہ	
۱۷۔ غزوۂ بدر	۱۳ مارچ سنہ ۶۲۴ء

روز نامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش

١٨۔ غزوۂ احد	٦٢٥ء
١٩۔ بئر معونہ کا حادثہ	مئی ٦٢٥ء
٢٠۔ بنو نضیر کا محاصرہ	جون ٦٢٥ء
٢١۔ غزوۂ خندق	فروری ٦٢٧ء
٢٢۔ قریظہ کی بدعہدی	٦٢٧ء
٢٣۔ صلح حدیبیہ	فروری ٦٢٨ء
٢٤۔ بیعت الرضوان	٦٢٨ء
٢٥۔ فتح خیبر	٦٢٨ء
٢٦۔ موتہ کی لڑائی کے لئے فوج کی روانگی	جمادی الاولیٰ ٨ھ
٢٧۔ فتح مکہ کے لئے روانگی	١٠ ر رمضان ٨ھ یکم جنوری ٦٣٠ء
٢٨۔ غزوۂ حنین کے لئے روانگی	٢٨ ر جنوری ٦٣٠ء
٢٩۔ فتح حنین	فروری ٦٣٠ء
٣٠۔ غزوۂ تبوک کے لئے روانگی	اکتوبر ٦٣٠ء
٣١۔ آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی وفات	جون ٦٣١ء
٣٢۔ حجۃ الوداع	ذی الحجہ ١٠ھ
٣٣۔ وفات	١٢ ر ربیع الاول ١١ھ ٨ ر جون ٦٣٢ء

(صفحہ ٦٠ کا بقیہ)

- وہی اکیلا عبادت کے لائق ہے
- میں اس کا رسول ہوں
- سارے انسان آدم کی اولاد ہیں۔
- مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ (باقی صفحہ ٦٤ پر)

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش

اگر آپ نہ ہوتے

تو

- بتوں کی خدائی کا ڈنکا بجتا رہتا۔
- انسان کی پیشانی شجر و حجر کے سامنے سجدہ ریز رہتی
- آگ، پانی، ہوا، چاند، سورج اور تاروں کی عبادت ہوتی رہتی۔
- ابن آدم کو ابن اللہ بنا کر اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مان کر لوگ پوجتے رہتے۔
- خدا کی عبادت کے لئے لوگ دنیا چھوڑ کر غاروں اور ویرانوں میں جاتے رہتے۔
- دیوا استھانوں پر انسان ذبح ہوتا رہتا۔
- کاہنوں کے بول وحی الٰہی بنے رہتے۔
- خانۂ کعبہ کا لوگ عریاں ہو کر طواف کرتے رہتے۔
- نجات کا راستہ آبادیوں سے دور اور ویرانوں سے قریب تر رہتا۔

- پر آپ نے آکر ذہن کی تاریکیوں کو دور کیا
- آبادیوں کو رونق بخشی
- باطل خداؤں کے آستانہ سے اٹھا کر حی و قیوم کے سامنے انسان کی پیشانی جھکا دی۔

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش

اگر آپ مبعوث نہ ہوتے

تو

- بچیاں زندہ درگور ہوتی رہتیں۔
- بچوں کا بلدان ہوتا رہتا۔
- یتیموں اور بیواؤں پر ستم کا پہاڑ ٹوٹتا رہتا
- سوتیلی ماؤں سے لوگ شادیاں کرتے رہتے
- عورتوں کو مال تجارت سمجھا جاتا۔
- آدمی آدمی کی تجارت کرتا۔
- شاہی کے روپ میں انسان کی خدائی قائم رہتی
- قبیلہ کے سردار، معابدوں کے پجاری اور تخت کے وارث۔ سب انسان کو غلامی کی بیڑ پہناتے رہتے۔

○ پھر رحمت عالم کی آمد نے بدی کے ان سوتوں کو خشک کر دیا۔

(صفحہ ۶۲ کا بقیہ)

- ایک مسلمان کا خون، مال اور عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔
- جس طرح تمہارے حقوق عورتوں پر ہیں اسی طرح عورتوں کے حقوق تم پر ہیں۔
- غلام کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔
- نہ عربی کو عجمی پر فضیلت ہے۔ نہ عجمی کو عربی پر۔

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش

ابو محمد امام الدین رام نگری

یہ اللہ کے رسول ہیں!

ان پر درود و سلام بھیجو!

ادھر دیکھو سامنے! وہ کون بزرگ آرہے ہیں، نگاہ نیچی کئے ہوئے، عجیب وقار کے ساتھ؟ تم ان کو ان آنکھوں سے نہ دیکھ سکو گے جن سے ہر چیز کو دیکھتے ہو، چشم تصور سے دیکھو، آؤ ذرا بڑھ کر ان کے قریب ہولیں، دیکھا تم نے ان کو؟ ان پر خدا بھی درود بھیجتا ہے، اور خدا کے فرشتے بھی ان کی خدمت میں ہدیۂ درود پیش کرتے ہیں، درود و سلام کے نذرانے کے بغیر ان کا نام مبارک لینا بھی خلاف ادب ہے۔ یہ ہیں اللہ کے برگزیدہ ترین رسول فخر موجودات خاتم الانبیا حضرت احمد مجتبیٰ، محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جن پر ہمارے باپ ماں سب قربان! ہاں یہ وہی ہیں، چلو، ہم ان کے پیچھے ہولیں، یہ ہماری زندگی کی سب سے بڑی سعادت ہے کہ ہمیں یہ مبارک موقع مل گیا ہے، آج کی فتنہ و شر سے بھری دنیا میں ایسا موقع ملتا کہاں ہے؟

میں نے جو کہا۔ یہ اللہ کے سب سے برگزیدہ رسول ہیں، اس پر تمھیں تعجب کیوں ہے؟ کیا تم سوچ رہے ہو کہ اگر یہ وہی ہیں تو یہ کیا ہے کہ ان کے جسم پر لباس فاخرہ نہیں ہے، پیدل پھر رہے ہیں، کوئی سواری نہیں، محافظ دستہ نہیں، حشم و خدم نہیں، تنہا اور بالکل تنہا؟ میں پھر کہتا ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ تم جو کچھ سوچ رہے ہو اس کے باوجود یہ وہی ہیں اللہ کے برگزیدہ ترین رسول ؐ، وہ کر و فر جس کو تمھاری آنکھیں تلاش کر رہی ہیں اللہ کے رسولوں کی شایان شان نہیں، وہ خدا پرستی اور آخرت پسندی کا اسوہ بن کر آتے ہیں، اور جو کچھ تم دیکھنا چاہتے ہو وہ تو نفس پرستی اور دنیا پسندی کے
کے ساز و سامان ہیں جو تخت شاہی پر بیٹھ کر یا حکومت و سلطنت

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش

بندوں پر خدائی کرتے ہیں، خدا کے پیغمبروں کا مشن تو ہمیشہ اس کفر کو مٹانا اور انسانوں کو انسانوں کی بندگی سے نجات دلا کر خدا کا بندہ بنانا رہا ہے، کیا تم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعات نہیں سنے ہیں؟ یہ جو ہمارے حضورؐ ہیں یہ بھی اسی مقصد کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں، یہ اس لئے بھی مبعوث ہوئے ہیں کہ انسان انسان کے درمیان نیچ اونچ کی تفریق کو مٹائیں، ان میں مساوات قائم کریں، ان کو بھائی بھائی بنائیں، غریبوں کو نوازیں، اسی لئے انھوں نے یہ طرز زندگی اختیار کیا ہے، غریبوں کا حال جانتے ہونا! ان کے دل کتنے ٹوٹے ہوتے ہیں، اگر یہ بھی شاہانہ ٹھاٹ باٹ رکھتے، درباریوں، نقیبوں، چوب برداروں اور حشم و خدم میں گھرے ہوتے تو غریبوں کی دلنوازی اور غلاموں کی دلداری کون کرتا؟ گروں کو کون اٹھاتا؟ پستوں کو کون ابھارتا؟ سسکتی ہوئی انسانیت کو تبسم کون عطا کرتا؟ انھیں کے لئے ہمارے حضورؐ نے یہ زندگی پسند فرمائی ہے۔

یہ تو تم ان کو مدینے میں دیکھ رہے ہو، کہیں تم ان کو مکہ میں دیکھتے تو اور حیرت کرتے، جب یہ مکہ کی سڑکوں پر اس طرح چلتے تو لوگ ان پر آوازہ کشی کرتے، پھبتیاں کستے، ان کا مذاق اڑاتے، کوئی کہتا "یہ مجنون ہے" دوسری طرف سے آواز آتی "جادوگر، جادوگر" تیسرا کہتا "اجی! شاعر ہیں، شاعری فرماتے ہیں اور کہتے ہیں جو میں پیش کرتا ہوں وہ خدا کا کلام ہے" چوتھا نیم تائید اور نیم اختلاف کے انداز میں کہتا ــ وہ بھی اپنا کلام نہیں، کوئی مل گیا ہے جو ان کے لئے عجیب عجیب باتیں تصنیف کر دیا کرتا ہے"، پانچواں بڑی رعایت کرتے ہوئے کہتا "نہیں بھئی! ایسا نہ کہو، دیکھتے نہیں۔ ان کے کلام میں کتنی پیشینگوئیاں بھی ہوتی ہیں، یہ کاہن ہیں اور بنتے ہیں خدا کے رسول،" چھٹا تیکھے انداز میں کہتا "جی ہاں! ایک یہی تو تھے خدا کو اپنی رسالت کے لئے جسے پیٹ بھر روٹی تک میسر نہیں، خدا کو مکہ اور طائف میں کوئی رئیس تو ملا نہیں اس لئے انھیں کو رسول بنا دیا"، ساتواں کہتا "اجی ان کو کہنے دو، اگر یہ خدا کے رسول ہوتے تو اس طرح بازاروں میں پھرا کرتے؟ ان کی معیت میں خدا کے فرشتوں کا ہجوم ہوتا جو ان کو چاروں طرف سے اپنے حلقے میں لئے ہوتے، نقیب، نہ ہوتے جو آگے آگے ہٹو بچو کرتے چلتے: اور لوگ دور ہی سے ان کو دیکھ کر دائیں بائیں ہو جاتے، اور دور دو سے ہو کر سلامی بجا لاتے، خدا کے یہاں کس چیز کی کمی ہے؟ خدا ان پر سونے چاندی کے خزانے الٹ دیتا، ان کے پاس ایک باغ تک تو ہے نہیں کہ رزق کی طرف سے تو آسودہ ہوتے"۔

اللہ کے رسولؐ یہ سب کچھ سنتے، سر اوپر اٹھا کر دیکھتے، مگر کسی کو کچھ جواب نہ دیتے، یہ اپنی شفقت

ہی سے حلیم اور بردبار تھے، مکہ میں ابتدا ہی سے ان کی حالت یہ نہ تھی، بڑے بڑے سرداران کو عزت واحترام کی نظروں سے دیکھتے تھے، سارا شہر ان کے اخلاق اور کیرکٹر کا قائل تھا، کبھی کسی برائی کے پاس تک تو پھٹکا نہیں، ان کی چڑھتی جوانی کے زمانے میں بھی لوگ ان کی عفت و پاکبازی کی قسم کھاتے تھے، کوئی صرف نام کے ساتھ ان کو مخاطب نہ کرتا، لوگ "محمد صادق" اور "محمد امین" کے لقب سے مخاطب کرتے، مکہ والوں کی نگاہ تو جب بدلی جب انھوں نے بت پرستی کے خلاف آواز بلند کی، اور یہ تلقین و تبلیغ شروع کی کہ خدا کے سوا کوئی عبادت و بندگی کے لائق نہیں، بت پرستی شرک اور ضلالت ہے، میں خدا کا رسول ہوں، مجھ پر ایمان لاؤ، اور میری اطاعت کرو، میں تم کو دنیا و آخرت کی ہلاکت و تباہی سے بچانے اور دونوں جہان کی فلاح و نجات کی راہ پر چلانے کے لئے بھیجا گیا ہوں،

یہ تو مکہ نہیں مدینہ ہے جب تم ان کو عافیت کے ساتھ راستہ چلتے دیکھ رہے ہو، مکہ میں ان کی زبانی ہی دل آزاری اور تنگ نہیں کی جاتی تھی، ان کے راستے میں کانٹے بکھیر دیئے جاتے تھے، یہ سر جھکائے چلے جا رہے ہوتے، کسی بالاخانے کے نیچے سے گزرتے اور ان کے سر پر، ہاں، ان کے سر مبارک پر اوپر سے کوڑا پھینک دیا جاتا، یہ اوپر سر اٹھا کر دیکھتے بھی نہ تھے، اسی وقار و متانت کے ساتھ سر جھکائے چلے جاتے تھے، کیا اوپر سر اٹھا کر دیکھتے، ان کے ساتھ تو برابر یہی معاملہ ہوتا رہتا تھا، کتنی مظلومیت اور بے بسی کی زندگی تھی ان کی مکے میں! لیکن اس حالت میں بھی یہ خدا کے رسول تھے۔ خدا کی قسم خدا کے رسول، سب سے برگزیدہ رسول، خدا کی کائنات میں خدا کے نزدیک سب سے اشرف اور سب سے برگزیدہ، یہ ان اللہ والوں کے سرگروہ تھے جنھوں نے خدا کی راہ کی ذلت کو عزت اور اذیت کو راحت سمجھا،

ان کی مکہ کی زندگی کتنی دردناک تھی، میں تم کو اس کی تفصیل کہاں تک بتاؤں؟ وہاں کعبہ میں ان کا عافیت سے نماز پڑھنا دشوار تھا، ہاں اور کیا! ایک بار یہ سجدہ میں تھے کہ ان کے ایک دشمن نے ان کی پشت پر اونٹ کی اوجھ لا کر ڈال دی اور اس کے دوسرے ساتھی جو قریب ہی بیٹھے تھے مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہوئے جا رہے تھے، یہ بے چارے تھے کہ سجدے سے سر نہیں اٹھا سکتے تھے، وہ تو ان کی بیٹی فاطمہؓ کو خبر ہو گئی، وہ بھاگی ہوئی آئیں اور بابا جان کی پشت سے کسی طرح اوجھ ہٹائی، چھوٹی سی معصوم بچی نے بھاری اوجھ کے ہٹانے کے لئے کیا کیا جتن کئے ہوں گے اس کو تو وہی جانتے،

یہ ایک بار طائف گئے۔ ان کو تو اپنے مقصد کی دُھن تھی، خدا نے ان پر ذمہ داری جو ڈال دی تھی، خدا کا رسول ہونا کوئی مذاق تھوڑا ہی ہے، خدا کے کس رسول کی زندگی آلام و مصائب کا مرکز نہ تھی، اور یہ تو خدا کے سب سے بڑے رسولؐ تھے، ہاں تو یہ خدا کا پیغام پہونچانے طائف گئے، وہاں کے رئیس تین بھائی تھے، نہ پوچھو کتنے سنگدل، کتنے ستم کیش، آپ تو ان کے پاس اس لئے گئے تھے کہ ان کو خدا کی راہ کا حامی اور مددگار بنائیں اور ان کے ذریعہ مکہ والوں کو حق کے راستے پر لائیں، لیکن انھوں نے مکہ کے رئیسوں سے بھی کہیں بڑھ کر شقاوتِ قلبی کا اظہار کیا: ایک نے دوسرے سے بڑھ کر دل آزاری اور ہتک و توہین کی، اور جب آپ نے طائف سے لوٹنا چاہا تو شہر کے غنڈوں بدمعاشوں اور لچّوں لفنگوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا: انھوں نے شہر کے لونڈوں کو اکسا دیا۔ پھر نہ پوچھو کہ ظالموں نے کیا قیامت ڈھائی ہے ان پر، سب نے جھولیوں میں کنکر پتھر رکھ لئے اور راستے کے دونوں جانب پرے باندھ کر کھڑے ہو گئے، اب جو آپ چلے ہیں تو دونوں طرف کھڑے ناہنجاروں نے تالیاں پیٹنا اور پھبتیاں اڑانا شروع کر دیں اور پتھر برسا برسا کر آپ کو اس طرح لہولہان کر دیا کہ جوتیاں خون سے بھر گئیں،

تم اتنے ہی پر سسک رہے ہو، ذرا طبیعت سنبھال کر سنو، یہ بڑی ہی دلگداز سرگذشت ہے، جب آپ زخموں کی تاب نہ لا کر بیٹھ جاتے تو ظالم ان کی بغل میں ہاتھ ڈال کر کھڑا کر دیتے، رحم کھا کر نہیں، وہاں دل کس کے پہلو میں تھا جو رحم کھاتا؟ ازراہِ شقاوت کھڑا کر دیتے تاکہ چلیں تو پھر سنگباری کا لطف اٹھائیں، اس طرح اتنے پتھر برسائے اور اس قدر مجروح کر دیا کہ ان پر غشی طاری ہو گئی، جب کہیں جا کر بدبختوں نے ان کا پیچھا چھوڑا،

تم سوچتے ہو گے اگر یہ باتیں سچ ہیں اور یہ خدا کے سچے رسول بھی ہیں تو خدا نے ان کو اس طرح مظلوم کیوں چھوڑ دیا؟ ظالموں پر اپنا غضب کیوں نہ نازل کر دیا؟ تمھاری طرح کتنے اسی طرح سوچتے ہوں گے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ خدا نے ان کو سب سے برگزیدہ اور آخری رسول بنایا تھا تو ان کو دل بھی سب سے بڑا دیا تھا، خدا نے ان کو رحمۃ للعالمین کے لقب سے یاد کیا ہے، تم جانتے ہو نا خدا کے نام رؤف اور رحیم بھی ہیں۔ جبھی تو خدا اپنے بندوں کی اتنی نافرمانیوں کو برداشت کرتا اور ان کو روزی اور سامان زندگی دیئے جاتا ہے، اپنے منکروں پر بھی تو اپنی بخشش و عطا کا دروازہ بند نہیں کرتا، اس نے اپنے رسولؐ کو بھی رؤف اور رحیم کے نام سے یاد کیا ہے۔ یہ محبت و شفقت کے پیکر اور رحم و کرم کا مجسمہ ہیں، جب یہ طائف سے انتہائی

مظلومیت کی حالت میں واپس چلے تو خدا کا وہ فرشتہ جو پہاڑوں کے نظم پر مامور ہے، خدا کے حکم سے ان کے پاس آیا، عرض گذار ہوا - ارشاد ہو تو ان ظالموں پر دائیں بائیں کے پہاڑوں کو الٹ دوں، یہ سن کر رحمت کے ساکن دریا میں تموج پیدا ہوا - خدا کے حضور میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھے، گڑگڑا کر عرض کرنے لگے - مالک! میری قوم قہر و عتاب کے لائق نہیں، عفو و درگذر کے لائق ہے، ابھی وہ مجھ کو پہچان نہیں رہی ہے، تو اسے ہدایت سے نواز، اور اگر موجودہ نسل مجھ پر ایمان نہ بھی لائے تو اسے تباہ نہ کر، مجھے امید ہے کہ اس کی اولاد ایمان لائے گی ،

تو ایسے ہیں یہ اللہ کے رسول ، ان پر ہمارے باپ ماں فدا ہوں، لیکن اسی کے ساتھ یہ ثابت قدمی اور مستقل مزاجی میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے، ان کے چچا ابوطالب ان کے سرپرست تھے، ایک بار مکہ کے رؤسا ان کے پاس گئے، کہا - تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے، اسے روکو ورنہ آؤ ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ ہو جائے - چچا نے بپھرے ہوئے سرداروں کو کسی طرح ٹھنڈا کر کے واپس کیا - اور ان کو بلا کر سمجھانا شروع کیا - جان عم، مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جو میری طاقت سے باہر ہو، آپ نے استقلال بھرے لہجے میں جواب دیا - چچا جان! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں جب بھی میں اس کام کو نہ چھوڑوں گا جس پر خدا نے مجھ کو مامور کیا ہے، مکہ کے سرداروں نے دیکھا کہ دھمکی سے تو کام نہ چلا، اب لالچ سے کام نکالنا چاہیئے - مکہ کے ایک بڑے سردار کو آپ کے پاس بھیجا، اس نے کہا - عزیز! تم کیا چاہتے ہو؟ تمھاری کوئی پسندیدہ عورت ہے؟ یا مال و دولت؟ یا مکہ کی بادشاہت؟ تمھارا جو مطالبہ ہو ہمیں منظور ہے، اس کے جواب میں آپ نے کچھ ایسے لہجے میں اس کو قرآن سنانا شروع کیا کہ اس پر لرزہ طاری ہو گیا اور وہ اٹھ کر چلا گیا -

دنیا پرستوں کی آنکھوں میں دنیا بسی ہوتی ہے، وہ تو سب کو دنیا پرستی ہی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، خدا کے رسول کو بھی انھوں نے اسی نظر سے دیکھا - اس لئے ان کو پہچان نہ سکے، یا پہچان کر بھی وہ دنیا ہی کے ساتھ چمٹے رہے ،

ان کو دیکھو وہ کون ہیں جو خدا کے رسول کی طرف تیزی سے بڑھے چلے آرہے ہیں ، تم ان کو نہ پہچانتے ہوگے ، یہ ہیں ابوبکر صدیقؓ ، اللہ کے رسول کے سب سے مقرب رفیق اور دوست مکہ کے آلام و مصائب کے دنوں کے مخلص ساتھی ، اور وفادار جاں نثار ، مومن اور مسلمان ہو تو ان کے ایسا ، اور رفیق اور ساتھی ہو تو ان کی طرح کا ، ہمارے حضورؐ کے دوست تو

پہلے سے بھی تھے، لیکن جس روز سے انھوں نے اللہ کے رسولؐ کو اللہ کا رسول مانا، آپ کی محبت ورضا جوئی اور اطاعت وفرمانبرداری میں اپنے کو گم کر دیا، ایک دن کا واقعہ سناؤں، اسی مکہ کے دورِ مظلومیت کا واقعہ، ہمارے حضورؐ کعبہ میں نماز پڑھنے گئے، ایک ظالم نے آپ کے گلے میں اپنی کھردری موٹی چادر ڈال دی اور اسے لگا بل دینے، یہاں تک کہ آپ کا گلا گھٹنے لگا، اس کی خبر کہیں ان بزرگ حضرت ابوبکرؓ کو ہو گئی، بے اختیار بھاگے ہوئے آئے۔ ظالم کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بولے ..... آخر تو ان کو کیوں مارے ڈال رہا ہے؟ ان کا قصور اس کے سوا اور کیا ہے کہ یہ کہتے ہیں اللہ ہی ہمارا رب ہے؟"

ان کا اتنا کہنا تھا کہ کعبہ میں جتنے دشمن کھڑے .... اس ظلم سے لطف اندوز ہو رہے تھے سب ان پر ٹوٹ پڑے، اور ان کو اتنا مارا کہ اپنے نزدیک مار ہی ڈالا، ان کے خاندان والوں کو خبر ہوئی تو دوڑے ہوئے آئے، اور نیم جان غشی کی حالت میں گھر اٹھا لے گئے، منہ پر اتنی مار پڑی تھی کہ صورت پہچانی نہ جاتی تھی، گھنٹوں کے بعد ہوش آیا تو گھر والوں نے دودھ پلانا چاہا، انھوں نے منہ پھیر لیا، کہا " مجھے پہلے بتاؤ، اللہ کے رسولؐ کا کیا حال ہے؟ گھر والے مسلمان نہ تھے، ان کو پہلے ہی سے غصہ تھا کہ اچھے بھلے آدمی جن کی ساری قوم عزت کرتی تھی، اپنے کو کس کے پیچھے اس قدر خوار و ذلیل کر رکھا ہے، ان کا سوال سنا تو برافروختہ ہو کر ان کے پاس سے اٹھ گئے کہ مرتے ہیں تو مرنے دو ان کو، اس حالت کو پہونچ کر بھی ان کا دماغ درست نہ ہوا، ایک ماں تھا کی ماری ماں چارپائی کی پٹی سے لگی بیٹھی رہیں، اور جب رات کی تاریکی میں چاروں طرف سناٹا ہو گیا تو چپکے سے ان کو اللہ کے رسولؐ کی خدمت میں لے گئیں، جب انھوں نے اپنی آنکھوں سے اللہ کے رسولؐ کو بخیر و عافیت دیکھ لیا تو حلق میں غذا ڈالی،

اللہ کے رسولؐ مکہ سے مدینہ آئے کیسے؟ ابوبکر صدیق رضؓ کی بات نکل آئی ہے تو چند لفظوں میں اسے بھی بتا دوں، تمام مکہ والوں نے اللہ کے رسولؐ کے متعلق آپس میں طے کیا کہ سب مل کر آپ کو مار ڈالیں تاکہ آپ کے خاندان کو شہر بھر سے بدلہ لینے کا حوصلہ نہ ہو، اللہ نے آپ کو اس کی خبر دی اور حکم دیا کہ آپ رات میں مکہ چھوڑ دیں، اللہ کیوں کر نہ خبر کر دیتا، اس کام کو تو پورا ہونا تھا جس کے لئے خدا نے آپ کو منصبِ رسالت پر مامور کیا تھا،

بات پہ بات یاد آتی جا رہی ہے،

میں راستہ چلتے تم کو ابوبکر رضؓ کے خلوص کی کون کون سی بات سناؤں؟ مکہ کے بڑے سخت

بہن اور بہنوئی بھی تو مسلمان ہوگئے ہیں، ان کی خبر کیوں نہیں لیتے، یہ سننا تھا کہ بپھرے ہوئے بہن کے مکان کی طرف لوٹ پڑے، بہن اطمینان سے گھر میں بیٹھی بڑے خشوع و خضوع کیساتھ قرآن مجید کی تلاوت کر رہی تھیں، حضرت عمر رضہ نے چیخ کر دروازہ کھلوایا تو جلدی سے قرآن کو ایک طرف چھپا دیا، بھائی کے ہاتھ میں ننگی تلوار دیکھ کر ہکّا بکّا سی رہ گئیں، ان کو کیا خبر کہ بھائی کا ارادہ کیا ہے؟ حضرت عمر رضہ نے بیساختہ بہنوئی پر تلوار چلائی، بہن درمیان میں آگئیں، خیریت ہوئی کہ تلوار بھرپور نہیں پڑی، پھر بھی زخمی ہوگئیں، بہن کے خون نے بھائی کی آتشِ غضب کو بجھا دیا، اور سچ تو یہ ہے کہ سعادت کی گھڑی آگئی تھی، بہن سے کہا۔ تم کیا پڑھ رہی تھیں، ذرا مجھے سناؤ تو، بہن نے اوراق نکال کر تلاوت شروع کی، چند ہی آیتوں نے دل کی دنیا بدل دی، لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ کر مسلمان ہوگئے، اب تلوار نیام میں تھی، محبت و عقیدت میں ڈوبے ہوئے حضورِ نبوی میں پہونچے، ان کے اعلانِ اسلام پر خوش ہو کر حضورؐ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ حاضرین نے بھی ساتھ دیا، مکہ میں غل مچ گیا کہ عمر رضہ مسلمان ہوگئے۔ اب تک مسلمان کعبہ میں علانیہ نماز نہ پڑھ سکتے تھے۔ یہ مسلمان ہوتے ہی مسلمانوں کو ساتھ لے کر کعبہ میں گئے اور رب کے سامنے نماز پڑھی، اس پر دشمنوں نے ہنگامہ برپا کر دیا، مگر انھیں میں سے ایک نے آگے بڑھ کر بیچ بچاؤ کر دیا، کسی کی مجال نہ ہوئی جو بلوہ فساد کرتا، تو یہ ہیں حضرت عمر فاروق! سب مسلمان چپکے چپکے مکہ سے مدینہ کے لئے نکلے، یہ شمشیر برہنہ دشمنوں کو للکارتے ہوئے نکلے، کوئی انکی راہ میں حائل نہ ہو سکا، وہ دن ہے اور آج کا دن، حضرت عمر رضہ اللہ کے رسولؐ کی حمایت میں پیش پیش ہیں،

اب تینوں بزرگ ساتھ ہوگئے ہیں، چلو بڑھ کر ان کے ساتھ ہولیں، دیکھیں یہ حضرات کہاں جارہے ہیں؟ ان کی چند ساعتوں کی معیت بھی بڑی سعادت ہے، وہ عالم تصور ہی کی سہی، ہمیں ان کا مبارک زمانہ نہ مل سکا تو ہمارے لئے اس کے سوا اور کوئی صورت ہو بھی کیا سکتی ہے؟

سنو اللہ کے رسولؐ نحیف آواز میں کیا فرما رہے ہیں "تین روز سے گھر میں کچھ کھانے کو نہیں ہے، بیچاری فاطمہ رضہ بھی بھوک سے نڈھال ہو رہی ہے،

ابوبکر صدیق رضہ "اے اللہ کے رسولؐ! میرے باپ ماں آپ پر قربان! میں اپنے پروردگار کی شکایت نہیں کرتا اس نے مجھے صبر کی دولت سے مالا مال کر دیا ہے، لیکن صورتِ حال ادھر بھی یہی ہے"

عمر فاروق رضؓ — "اے رسولِ خدا، یہ کیسا اتفاق ہے کہ میں بھی اسی حالت میں گھر سے نکلا ہوں"

رسول اللہ ﷺ — "اچھا تو آؤ، ابو ایوب انصاری رضؓ کے یہاں چلیں، ان کے یہاں ہمیں کچھ نہ کچھ ضرور مل جائے گا"

ابو ایوب انصاری رضؓ بڑے خوش قسمت اور صاحبِ سعادت بزرگ ہیں، ہمارے حضورؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تو کئی مہینے تک انھیں کے یہاں مہمان رہے، ہمارے حضورؐ تو اخلاق اور وضعداری کے اسوہ ہیں، اب مسجد نبویؐ سے ملا ہوا حضورؐ کے لئے گھر بن گیا ہے، کیا تم نے تو دیکھا نہیں، وہ مقدس گھر، وہ رسالت کدہ جس میں خدا کے سب سے مقرب فرشتے جبریلؑ اللہ کی وحی لے کر آیا کرتے ہیں؟ جس سے بڑھ کر مقدس و محترم اس سرزمین پر کوئی گھر نہیں؟ تمہارا خیال ہوگا جب وہ ایسا گھر ہے تو دنیا کا سب سے عالی شان محل ہوگا جو کسریٰ کے ایوان اور قیصر کے قصر کو شرمندہ کرتا ہوگا، ہاں وہ ایسا ہی گھر ہے، وہ اپنی شان کا نرالا گھر ہے جو قیصر و کسریٰ کے قصر و ایوان کی ہنسی اڑاتا ہے، اس کی دیواریں مٹی اور کچی اینٹوں کی ہیں، حجروں کی وسعت اور بلندی اتنی کہ بس کسی طرح گذر ہو جائے، اس کی چھت کھجور کے پتوں کی ہے اور دروازہ میں کواڑ نہیں ہیں، ٹاٹ کے پردے سے گھر کی پردہ پوشی ہوتی ہے، رات کو اس میں چراغ نہیں جلتا، ایسا گھر اور اس ساز و سامان کا قیصر و کسریٰ اور دوسرے سلاطین عالم کو کہاں نصیب اسی گھر میں عرش و کرسی والے خدا کے فرشتے جبریلؑ حاضری دیا کرتے ہیں،

تو یہ گھر بن جانے کے بعد بھی ہمارے حضورؐ اس زمانے کو بھولے نہیں، جب حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان میں آپ کا قیام تھا، آپ روزانہ ان کے یہاں تشریف لے جاتے ہیں، ان کو نوازتے ہیں، وہ بھی بڑی عقیدتمندی کے ساتھ شرف خدمت حاصل کرتے ہیں، حضورؐ کے لئے کچھ دودھ رکھے رہتے ہیں، اور حضورؐ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں،

دیکھو، یہ ہے ابو ایوب انصاری رضؓ کا مکان، اس کی زیارت کرو، ہاں یہ زیارت ہی کے لائق ہے، اس میں ہمارے حضورؐ کئی مہینے تک فروکش رہے ہیں،

مشہور یہودی عالم عبد اللہ ابن سلام رضؓ جو اب اللہ کے رسولؐ کے خدام میں داخل ہیں، حضورؐ کو توراۃ کی پیشینگوئیوں کے مطابق پا کر یہیں مسلمان ہوئے تھے، یہودی قوم بھی کتنی ناحق کوش قوم ہے، عبد اللہ بن سلام رضؓ یہودیوں کے خاندانی پیشوا تھے، اور مدینہ

دیکھو حضورؐ کیسی سادگی اور بے تکلفی سے اپنے رفیقوں کے ساتھ بیٹھے ہیں، کون اجنبی سمجھ سکتا ہے کہ ان میں رسولِ خدا کون ہیں؟ لیکن دونوں رفیقوں کی ہیئتِ نشست دیکھو، اگر حضورؐ کی بے تکلفی دیدنی ہے تو ان کا ادب بھی حسنِ ادب کا نمونہ ہے، حضورؐ کا چہرہ مبارک دیکھو، شگفتگی اور سنجیدگی کا یہ دلکش امتزاج، ایک غنچۂ نودمیدہ کی طرح کبھی کبھی لبہائے مبارک کھل جاتے ہیں اور دندانِ مبارک روشن ہو جاتے ہیں، اور بس، یہی ہے حضورؐ کی ہنسی،

لو ہم ذرا ادھر متوجہ ہوئے اور ادھر کھانا تیار ہو کر سامنے آگیا۔

اللہ کے رسولؐ مسکینوں اور محتاجوں کے پیٹ بھرنے کے موقع پر تو بیٹی کی بھوک بھول جاتے ہیں، اپنا پیٹ بھرتے وقت لختِ جگر کو کیسے بھول جائیں؟ شفیق باپ ہیں نا! یہی وہ عرب تو ہے جہاں لڑکیاں معاشرے کا بوجھ اور باپ کی ذلت کا سبب سمجھی جاتی تھیں، اور ان کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا، ہمارے حضورؐ نے اپنی مبارک تعلیم سے بھی اس ظالمانہ اور جاہلانہ ذہنیت کو بدلا اور عمل سے بھی، ہمارے حضورؐ اپنی بیٹی فاطمہؓ کی اتنی عزت کرتے ہیں کہ وہ حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتی ہیں تو فرطِ محبت سے اٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اپنی نشستِ مبارک پر ان کو جگہ دیتے ہیں، کہاں جاہلیت کا عرب اور کہاں یہ عہدِ رسالت کا عرب، خدا کی قسم حضورؐ کی ہر بات ہی تو مثال اور نمونہ ہے اور سیدہ فاطمہؓ بھی سعادتمندی میں اپنی مثال آپ ہیں،

ہاں تو دیکھو، حضورؐ کچھ روٹیاں الگ کر رہے ہیں اور اس پر تھوڑا گوشت رکھ کر فرما رہے ہیں، ابوایوب! اس کھانے کو فاطمہؓ کے پاس بھیج دو، وہ بھی کئی روز کی بھوکی ہے،

اب کھانا شروع ہوا۔ ایں! یہ کھانا کھاتے کھاتے حضورؐ کی آنکھوں سے آنسو کیوں جاری ہو گئے؟ ہائے! حضورؐ تو رو رہے ہیں، یہ رقت بھری آواز! اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم۔ (پھر اس روز تم سے دنیا کی نعمتوں کے بارے میں پوچھ ہوگی) تو وہ نعمتیں یہ تھیں"

اب تمھاری سمجھ میں آیا ہوگا کہ اتنے جاں نثار خدام کے ہوتے ہوئے کہ حضورؐ کا اشارہ پا جائیں تو شان و شوکت اور آرام و راحت کے تمام ممکن سامان فراہم کر دیں، پھر بھی حضورؐ پیوند لگے ہوئے سادہ لباس زیب تن فرماتے ہیں اور اکثر فاقوں پر گذارتے ہیں، حضورؐ کی بعثت کا مقصد ہی انسانیت کو دنیا پرستی کی زندگی سے نکالنا اور اسے آخرت پسند بنانا ہے، دنیا پرستی ہی قیصر و کسریٰ کو جنم دیتی، انسان کو انسان کا غلام بناتی، اور افلاس و ناداری پھیلاتی ہے، اس دنیا پرستانہ نقطۂ نظر کو بدلے بغیر اس زمین پر آزاد اور عادلانہ سچی انسانیت برپا نہیں ہو سکتی، لو، اب یہ بزرگوار حضرت ابوایوب انصاریؓ سے رخصت ہو رہے ہیں، اگر مقدر میں ہے تو ہمیں پھر ان کی زیارت کی سعادت نصیب ہوگی، آؤ ہمیں سے ایک بار نذرانۂ صلوٰۃ و سلام گذاریں۔ اللھم صل وسلم علی رسول اللہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

الطاف حسین خاں ندوی

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام

دنیا کی دو عظیم سلطنتیں — مشرق میں ایران اور مغرب میں روم — ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما اور پیہم برسرپیکار تھیں۔ دونوں کے درمیان خون کی ندیاں رواں تھیں، لوگوں کی قوتیں جواب دے رہی تھیں، مال و متاع برباد ہو رہا تھا اور ظلم و حسد کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ دوسری طرف غرور و تکبر اور اسراف و مباہات کا بازار گرم تھا، شان و شوکت کا گھمنڈ تھا، لشکر کا عیش و آرام سلاطین و امراء کے محلوں کو شرما رہا تھا اور ہر فرقہ کے مذہبی پیشوا اور ہر ملت کے قائدین اس میں پیش پیش تھے، اس طبقہ کی حرص و طمع کی کوئی حد نہ تھی، انھوں نے محصول پر محصول عائد کئے اور ٹیکس پر ٹیکس لگائے یہاں تک کہ رعایا کی کمر ان کے مطالبات کے بوجھ سے جھک گئی۔ انھوں نے اپنے کرتوتوں کا نتیجہ بھگتا، ہر زور آور نے زیردست سے سب کچھ چھین لینے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا، ہر عاقل دوسرے عاقل کو مکر و فن کے ذریعہ زیر کرنا چاہتا تھا۔ یہ سلسلہ مسلسل دراز ہوتا چلا گیا اور نوبت یہاں تک آن پہنچی کہ ان گروہوں اور فرقوں پر فقر و ذلت اور خوف و اضطراب طاری ہو گیا، لوگوں کی جان و مال غیر محفوظ ہو گئیں اور امن و امان جاتا رہا۔

امراء رؤسا نے کمتر لوگوں کو اپنا دست نگر بنا رکھا تھا۔ ان کی مثال ان کٹھ پتلیوں جیسی تھی جو حرکت و عمل میں پردہ کے پیچھے والے شخص کی رہین منت ہوتی ہیں لیکن ظاہر بیں آنکھیں ان ہی کٹھ پتلیوں کو ذی روح سمجھتی ہیں۔ اس طرزِ عمل سے شخصی آزادی عنقا ہو گئی تھی اور رعایا کا ہر فرد یہی سمجھتا تھا کہ وہ اپنے مخدوم کا پیدائشی غلام ہے اور اس کی تخلیق کا مقصد ہی یہ ہے کہ اپنے مالک کے عیش و لطف میں اضافہ کرے جس طرح حیوانات کا معاملہ اپنے پالنے والے کے ساتھ ہوتا ہے، رہنمایانِ قوم عقائد و عبادات کے اعتبار سے گمراہ ہو چکے تھے، اپنی خواہشات کے پیچھے جادۂ مستقیم سے ہٹ گئے تھے اور عدل و حق ان کی نفسانی شہوات کے نیچے دب گیا تھا مگر

چاہتے ہیں ۔ انھیں ہلاکت کے گڑھے سے نکال کر ہدایت کی راہ دکھانا چاہتے ہیں اور گمراہوں کو فلاح و رشد کی روشنی میں لانا چاہتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس بصیرت کی ہدایت فرمائی تھی جس کے ذریعہ وہ آپ کو اپنی رسالت کے لئے منتخب کرنا چاہتا تھا اور جس کی بدولت مخلوق کے درمیان آپ کو اقامتِ دین کا شرف بخشنا چاہتا تھا ۔

آپ کو ضرورت بھر مال مہیّا تھا اور بعد میں مال اسقدر ہو گیا تھا کہ آپ کی حیات کو خوشحال بنا سکتا تھا کیونکہ آپ نے حضرت خدیجہ رضؓ کی طرف سے تجارت کی تھی اور اس کے بعد حضرت خدیجہؓ کو آپ کی زوجیت کا شرف حاصل ہو گیا تھا ۔ آپ نے تجارت کے ذریعہ جو مال کمایا تھا اس نے آپ کو غنی بنا دیا تھا اور معاشی طور پر آپ بھی اس سطح پر آ گئے تھے جس سطح پر آپ کی قوم کے بڑے بڑے لوگ تھے مگر دنیا آپ کو رام نہ کر سکی اور اس کی زیب و زینت سے آپ دھوکا نہ کھا سکے ۔ آپ نے کوئی ایسا قدم نہ اٹھایا جس کا رخ دنیا کی نعمتوں اور نفس کے مرغوبات کی طرف ہوتا بلکہ عمر جس قدر دراز ہوتی گئی دنیا سے بے رغبتی میں اضافہ ہوتا گیا ، تنہائی کا میلان بڑھتا گیا اور فکر و مراقبہ کا رجحان ترقی پاتا گیا ، آپ اللہ کی عبادت اور اس کی مناجات میں مشغول ہو گئے اور آپ اپنی قوم اور دنیا کو اس تباہی ، شر اور ہلاکت سے نکالنے کی راہ سوچنے لگے جس میں پورا عالم گرفتار تھا حتیٰ کہ آپ کے لئے اس عالم سے حجابات اٹھ گئے جو آپ کو الہامِ الٰہی پر ابھارتا تھا اور آپ پر نورِ قدس کی تجلّی ہوئی اور باری تعالیٰ کی طرف سے آپ پر وحی نازل ہوئی ۔

آپ کے آبا و اجداد میں کوئی بادشاہ نہیں ہوا تھا کہ آپ اس کی گم شدہ بادشاہت کا مطالبہ کرتے ۔ آپ کی قوم کے تمام لوگ بادشاہت کے عہدوں اور منصبوں سے بالکل آزاد تھے اور اپنے آبائی شرف و مجد کی بنا پر اس سے ایک دم بے تعلق تھے ۔ اس کی تائید آپ کے دادا عبد المطلب کے عمل سے ہوتی ہے چنانچہ جب شاہ ابرہہ حبشی نے عربوں پر حملہ کیا اور انتقام کی آگ بجھانے کے لئے اس نے عبادت گاہوں کو ڈھایا ، بیت الحرام کو گرایا ، چراگاہوں کو برباد کیا ، معبودوں کی بے حرمتی کی ، قریش کے قابلِ فخر سپوتوں کو قتل کیا اور اس کی فوج کے کچھ سپاہی عبد المطلب کے دو سو اونٹوں کو لے بھاگے تو عبد المطلب چند قریشیوں کی معیت میں شاہ ابرہہ کی طرف نکلے ، جب وہ قریب پہنچے تو ابرہہ نے آنے کا سبب دریافت کیا ، عبد المطلب نے کہا کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ تم میرے ان اونٹوں کو واپس کر دو جنھیں تم حاصل کر لائے ہو ، شاہ ابرہہ نے اس وقت عبد المطلب کو لعنت ملامت کی اور ان کی مصیبت سے فائدہ اٹھایا ، اس وقت عبد المطلب نے ڈٹ کر کہا تھا

ہونے کی کوئی شرط اور کوئی قید نہیں لگائی ہے بشرطیکہ معاملہ حد اعتدال سے متجاوز نہ ہو اور شریعت کی حدود سے آگے نہ بڑھے، اسی میں انسان کی فضیلت ہے، اس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو عقل و دانش اور غور و فکر کے ذریعہ خالق کائنات کی معرفت کا راستہ بتایا اور انبیائے کرام کے علاوہ تمام واسطوں سے نجات دلائی۔ انھیں اپنی معرفت دلیل کے ذریعہ کرائی جس طرح انھیں مبدع کائنات کی معرفت کرائی تھی، انبیائے کرام کی ضرورت ان صفات کی معرفت میں ہوتی ہے جنھیں وہ اللہ کے اذن سے معلوم کرتے ہیں اور اعتقاد میں ان کا کوئی وجود نہیں ہوتا ہے۔ آپ نے واضح طور پر بتایا کہ ایک انسان کو دوسرے انسان پر شریعت اور عدل کے مقرر کردہ اختیارات کے علاوہ کوئی اختیار نہیں ہے، اس کے بعد انسان اپنے ارادہ و اختیار سے فطرت کے مقتضیات کو پورا کرتا چلا جاتا ہے۔

آپ نے لوگوں پر جسم و روح کی حقیقت واضح کی اور انھیں بتایا کہ اگرچہ یہ دونوں آپس میں متحد ہیں لیکن پھر بھی ایک دوسرے کے مخالف ہیں اور انسان جسم و روح کی خدمت پر مامور کیا گیا ہے، اس کا کام ان کی طرف سے ان مقتضیات کی تکمیل کرنا ہے جنھیں اللہ تعالیٰ جسم و روح کے لئے مقرر کرتا ہے۔

آپ نے لوگوں کو اس دنیاوی زندگی میں اس زندگی کی تیاری کی دعوت دی جو آخرت میں عطا ہوگی اور ان کے سامنے اس راز کا انکشاف کیا کہ عمل کرنے والے کے لئے سب سے بہترین توشہ اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنا ہے اور اخلاص کے ساتھ بندوں کے لئے عدل، خیر خواہی اور ارشاد و ہدایت کا کام کرنا ہے۔

آپ نے اس دعوت عظمیٰ کا کام منفرد کیا، آپ کو کوئی سہارا حاصل نہ تھا اور نہ کوئی طاقت آپ کی پشت پناہ تھی، آپ کی طرف سے یہ کام ہو رہا تھا جبکہ اپنے متحد و متفق نہ ہوتے تھے خواہ دنیا میں خسران کا منہ دیکھنا پڑے اور آخرت میں حرمان اٹھانا پڑے، بیگانے ناواقف نہ تھے لیکن خوشحال زندگی، سرداری کی سعادت اور منصب کی عزت آڑے آتی تھی، یہ سب کچھ تھا مگر قوم خود اپنی دشمن تھی، خواہشات کی غلام تھی، آپ کی دعوت کو سمجھتی نہ تھی، آپ کے پیغام پر غور و فکر نہ کرتی تھی، خواص کی باطل آرزوؤں نے عوام کی نگاہوں پر پردے ڈال دئے تھے اور خواص کی عقلیں عزت کے غرور میں کند ہو گئیں تھیں انھوں نے آپ جیسے درویش اور اُمّی کی دعوت سے صرف نظر کر لیا تھا۔ وہ آپ کی نصیحت

نعیم صدیقی

نیا انسان

بے شمار اصلاحی و تعمیری اور انقلابی تحریکیں ہمارے سامنے ہیں مگر ان میں سے ہر ایک نے انسان کو جوں کا توں رکھ کر خارجی نظام کو بدلنے کی تدبیریں کیں۔ لیکن ہر وہ تبدیلی حقیقی مسائل حیات کو حل کرنے کے لحاظ سے بالکل رائیگاں رہی جو انسان کو اندر سے نہیں بدل سکی۔ محسن انسانیت کے کارنامہ کا مبہوت کر دینے والا یہ پہلو بڑا ہی اہم ہے کہ انسان اندرون سے بدل گیا اور یکسر بدل گیا۔ انسانی روپ میں جو خواہش پرست حیوان پایا جاتا تھا کلمۂ حق کے اثر سے وہ بالکل مٹ گیا اور معاً اس کی راکھ سے خدا پرست اور با اصول انسان ابھر آیا۔ اس نئے انسان کے کردار کی درخشانی دیکھئے تو آنکھوں میں چکاچوند آجاتی ہے حضرت عمر رضؓ جیسا مکہ کا ایک مئیخوار نوجوان بدلا تو کہاں پہنچا! فضالہ میں تبدیلی آئی تو کس شان سے آئی۔ ذوالبجادین کو دیکھئے کہ کس طرح دولت و آسائش کو لات مار کے درویشانہ زندگی اختیار کرتا ہے! حضرت ابوذر رضؓ کو لیجئے کہ کیا انقلابی جذبہ ہے کہ کعبہ میں کھڑے ہو کر جاہلیت کو چیلنج کیا۔ اور خوب مار کھائی۔ کعب بن مالکؓ کا کردار دیکھئے، ابوخثیمہ رضؓ کا رنگ ملاحظہ فرمائیے۔ لبینہ رضؓ اور سمیہ رضؓ جیسی کنیزوں کی انقلابی شجاعت و عزیمت پر نگاہ ڈالئے۔ ماعز بن مالک اسلمی اور غامدیہ پر توجہ کیجئے۔ نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر طیارؓ کی جرأت سے سبق لیجئے۔ ایرانی سپہ سالار کے دربار میں ربعیؓ بن عامر کی شان استغنار سے روح اخذ کیجئے۔ اور تاروں کے اس جھرمٹ میں کون ہے جس کا ایمان لمعہ افگن نہیں۔ ان ہستیوں سے وہ معاشرہ بنا اور ایسے قائدین اور کارکنوں کے ہاتھوں وہ نظام حق چلا جس نے اگر بندش شراب کی منادی کی تو ہونٹوں سے لگے ہوئے پیالے فوراً الگ ہو گئے اور بہترین شرابوں کے مٹکے گلیوں میں انڈیل دئے گئے۔ جس نے اگر عورتوں کو سر و سینہ ڈھانپنے کا حکم دیا تو حکم ملتے ہی کسی تاخیر کے بغیر دوپٹے اور اوڑھنا ..

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش

بنائی گئیں۔ جس نے اگر جہاد کے لئے پکارا تو نوعمر لڑکے تک ایڑیوں پر کھڑے ہو ہو کر یہ کوشش کرتے دکھائی دیئے کہ وہ واپس لوٹائے جانے سے بچ جائیں جس نے اگر چندہ طلب کیا تو جہاں حضرت عثمان رضؓ جیسے دولتمند تاجروں نے سامان سے لدے ہوئے اونٹوں کی قطاریں لالا کر کھڑی کر دیں اور حضرت ابوبکرؓ جیسے فدائیوں نے گھر کی ساری متاع تحریک کے قدموں میں ڈالدی وہاں ایسے مزدور بھی تھے جنھوں نے دن بھر کی مزدوری سے حاصل شدہ کھجوریں جنگی فنڈ میں دے کر دامن جھاڑ دیا۔ جس نے اگر مہاجرین کی بحالی کے لئے انصار کو پکارا تو انھوں نے اپنے مکان اور کھیت اور باغ آدھوں آدھ بانٹ دیئے اور اخوت کا ایک بے مثل سماں پیدا کر دیا جس نے اگر عہدہ کو خدمت کی روح سے بالاتر کر کے سول سروس کے لئے کارکن طلب کئے تو ایک درہم روز کے قلیل معاوضے پر گورنری کے فرائض انجام دینے والے حکام دنیا کے سامنے نمودار ہوئے جس نے اگر مال غنیمت کو سپہ سالار کے پاس جمع کرانے کا حکم دیا تو اس شان سے تعمیل کی گئی کہ فوج ایک ایک سوئی اپنے افسر کو پیش کر دیتی تھی اور یہ واقعہ ہمیشہ تاریخ میں درخشاں رہے گا کہ مدائن کے اموال کا ایک قیمتی حصہ عامر نامی سپاہی کے ہاتھ آتا ہے اور بغیر اس کے کہ کسی کو بھی اس خزانہ زر و جواہر کا علم ہو، وہ رات کی تاریکی میں چپکے سے اپنے سردار تک پہنچا دیتا ہے یہ ہستیاں تھیں جنھوں نے نیکی کا ایسا ماحول تیار کیا کہ جس میں شاذ و نادر ہی جرائم ہوئے تھے۔ اور حضور کے پورے دہ سالہ دور میں گنتی کے مقدمات عدالتوں میں آئے۔ یہ نیکی کا ایسا ماحول تھا جس میں کوئی سی، آئی، ڈی نہیں رکھی گئی بلکہ لوگوں کے ضمیر ہی ان کے پاسباں و نگراں بن گئے۔

یہ تھا وہ انقلاب جس نے باہر کے نظام کے ساتھ ساتھ اندر سے انسانی قلب و ذہن کو بدلا اور نیا کردار پیدا کر دیا اس لئے وہ حقیقی اور بنیادی مسائل حیات کو حل کرنے میں کامیاب ہوا۔ اور اس کے ذریعے وقت کے تمدنی بحران میں راہ نجات پیدا ہوئی۔

انھیں جذبات کے تلاطم سے یہ الفاظ کے گوہر ۔۔۔ پئے نذرِ شہِ عالم نکالے ہیں نے چن چن کر
یہ قندیلِ محبت ہے جسے فرطِ عقیدت سے ۔۔۔ تری محفل میں لایا ہوں جلا کر یوں مسرت سے
عقیدت کے یہ موتی ہیں، محبت کے یہ آنسو ہیں ۔۔۔ یہ سوزِ آرزو سے تابشِ عسرت سے مملو ہیں
یہی گلہائے نورستہ، یہی شعروں کا گلدستہ ۔۔۔ یہی سرمایۂ نازش، یہی عاجز کا ہے ہدیہ

اسے شرفِ قبولیت عطا ہو اے شہِ انور
یہی کچھ ہے تمنائے دلِ دیوانۂ کوثر

عرض

خداوندا مجھے توفیق دے میں حسن سیرت میں ۔۔۔ نمونہ ان کے اسوہ کا بنوں اس دورِ ظلمت میں
جلاؤں اس اندھیرے میں چراغ انکی ہدایت کا ۔۔۔ سناؤں اہلِ عالم کو پیامِ حق و صداقت کا
وہی روحِ خودی، شوقِ فراواں دے مجھے یارب ۔۔۔ وہی سوزِ یقیں و نورِ ایماں دے مجھے یارب
وہی اخلاق ہو میرا، وہی اطوار ہوں میرے ۔۔۔ جنوں کے تذکرے پھر اب سرِ بازار ہوں میرے
نہ پروائے ستم کچھ ہو نہ ہو کچھ خوفِ رسوائی ۔۔۔ خداوندا بنادے مجھکو ایسا ان کا سودائی
انھیں کی طرح سودا سر میں ہو سرباز بن جاؤں ۔۔۔ پئے احقاقِ حق، اعلائے دیں جانباز بن جاؤں
لگن اقدام کی دل میں، نظر ہو اپنی منزل پر ۔۔۔ سفینہ آدمیت کا لگادوں لا کے ساحل پر
برنگِ ابرِ رحمت میں اٹھوں دنیا پہ چھا جاؤں ۔۔۔ نشانِ امن و راحت پھر زمانے بھر میں لہراؤں
حضور آئے تھے جو کرنے وہی اک کام کر جاؤں ۔۔۔ فریضہ غلبۂ اسلام کا انجام دے جاؤں

خداوندا عطا کردار کر اس مردِ کامل کا
شگفتہ کر دے غنچہ کوثرِ دلگیر کے دل کا

شبنم سبحانی

رسولِ عربی

قولِ تو نازشِ گفتار رسولِ عربی — فعلِ تو تابشِ کردار رسولِ عربی

نقشِ نقشِ قدمِ تو نہیں جسکو ہے عزیز — سینۂ ارض پہ ہے بار رسولِ عربی

ننگ ہے ننگ وہ ذوقِ سفر و شوقِ خرام — تیری رہ جس پہ ہے دشوار رسولِ عربی

جس کو محبوب نہیں تیری گدائی آقا — سر سے پا تک ہے وہ اک عار رسولِ عربی

حرفِ حرفِ لبِ تو در صدفِ من گویا — ابرِ نیساں ہے گہر بار رسولِ عربی

ہر حقیقت کا ہے پیمانہ ترا پاک وجود — ہر صداقت کے ہو معیار رسولِ عربی

ذاتِ اقدس پہ تری ناز کرے کیوں نہ بشر — آدمیت کے ہو شہکار رسولِ عربی

مرحبا کیا ہی وہ خوش بخت ہے اس عالم میں — جس کو بس آپ سے ہے پیار رسولِ عربی

ہلم ترے بیکس و نادار رسولِ عربی — آج دنیا میں ہیں لاچار رسولِ عربی

آج پھر بوجہلوں بولہبوں کے پیرو — ہم سے ہیں برسرِ پیکار رسولِ عربی

اس طرح کوئی نہ رسوائے دو عالم ہوگا — جس طرح آج ہیں ہم خوار رسولِ عربی

تیری الفت کی ہے سوغات کہ ساری دنیا — آج ہے درپئے آزار رسولِ عربی

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش

مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی

عوامی رہنمائی کا منصب اور سرور عالم

یہ دور جمہوری اور عوامی کہلاتا ہے۔ اس دور میں بہترین لیڈر کو عوامی رہنما کہتے ہیں۔ لیکن آج تک یہ نہ معلوم ہو سکا کہ عوامی رہنمائی تعریف کیا ہے اور عوامی رہنما کے اوصاف کیا ہیں۔

کیا صرف عوام میں آنے جانے سے اور عوام سے ربط و ضبط رکھنے سے کوئی لیڈر عوامی لیڈر ہو جاتا ہے؟

کیا محلوں میں رہ کر جھونپڑیوں میں رہنے والوں کے دکھ درد کا صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟ کیا شاہانہ ٹھاٹ باٹ کے عادی انسان غربت کی زندگی میں گھرے ہوئے انسانوں کی مشکلات کو محسوس کر سکتے ہیں؟

اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو پھر محض عام لوگوں میں آنے جانے سے کسی رہنما کو عوامی رہنما کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ رسول برحق حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی جہاں نوع انسانی کے تمام مسائل کا بہترین حل ہے وہاں آپ کی زندگی سے ہمیں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ عوامی رہنمائی کے لئے کونسے اوصاف کی ضرورت ہے؟

سرور عالم دنیا کے آخری رہنما بن کر تشریف لائے آپ نے عوام و خواص سب کی رہنمائی فرمائی، دنیا کو یہ بتایا کہ عوام کی رہنمائی کے لئے میرا نقش قدم آخری نقش قدم ہے۔

آپ نے روحانیت اور اخلاق کی عام قدروں کو عام کیا، چھوٹے اور بڑے کی تمیز کو مٹایا، نسلی بتوں کو توڑا، رنگ و نسل کے امتیازات کو مٹایا۔

آج سے چودہ سو برس پہلے دنیا کی دوسری قوموں کی طرح عرب میں بھی اونچ نیچ قائم تھی انسانیت آقائی اور غلامی میں تقسیم ہو چکی تھی، غریبی ہزار ذلتوں کی ایک ذلت تھی، نسلی چھوت چھات نے انسانیت کی مٹی پلید کر رکھی تھی، انسان کو عزت بخشنے والے خدا کی غیرت جوش میں آئی، اس نے رحمت والے نبی کو دنیا کی رہنمائی کے لئے مبعوث فرمایا۔ آپ نے اعلان کیا لوگو! تم سب

رسولِ پاک کی غربت اختیاری تھی آپ کے غلاموں میں عثمانِ غنی رضہ جیسے صاحبِ خیر بزرگ بھی تھے۔ جو انفرادی اور اجتماعی کاموں کے لئے غلّے سے لدے ہوئے اونٹ خدا کی راہ میں خیرات کر دیا کرتے تھے ایسے رفیقوں کے ہوتے ہوئے آپ کا غریبانہ زندگی میں رہنا صرف امت کے لئے تھا اور اس لئے تھا کہ جب کبھی حضرت ابوہریرہ رضہ جیسے رفیق فاقوں سے نڈھال ہو کر مسجد میں اوندھے لیٹ جائیں تو حضور آپ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے دولت کدہ پر لے جائیں ابوہریرہ کی مزاج پرسی فرمائیں اور فاقوں کا حال سن کر ارشاد فرمائیں۔ جاؤ ابوہریرہ! ازواجِ مطہرات کے پاس جا کر یہ کہو کہ گھر میں جو کچھ موجود ہو وہ دیدو، اور جب ابوہریرہ رسولِ پاک کی نیک بیویوں کے پاس تشریف لے جائیں تو ہر گھر سے یہ آواز آئے، ابوہریرہ یہاں تو برکت ہے، یہاں تو برکت ہے، ابوہریرہ مایوس ہو کر اپنے نبی کی خدمت میں واپس آئیں اور حضور ان سے فرمائیں، ابوہریرہ! یہ خیال نہ کیجیو کہ خدائی راہ میں بھوک پیاس کی تکلیف صرف تو ہی اٹھا رہا ہے۔ میں بھی تین وقت کے فاقے سے ہوں اور میرے گھر میں بھی اللہ کے نام کے سوا کچھ نہیں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضہ نے جب یہ حال دیکھا ہوگا تو انھیں تسلی ہو گئی ہوگی، اگر وہ یہ دیکھتے کہ اصحابِ صفہ تو دانے دانے کو ترسیں اور اللہ کا رسول اور ان کے گھر والے مرغن غذائیں کھائیں اور عیش کی زندگی گذاریں تو ان کا دل ٹوٹ جاتا اور رسولِ پاک کی چلائی ہوئی تحریک سے ان کا تعلق کمزور ہو جاتا۔

نبی برحق کی غریبانہ زندگی نے لوگوں کے دل سے اس زندگی کو حقارت سے دیکھنے کا جذبہ نکال دیا۔ غریب زندگی رکھنے والوں کے دل شیر ہو گئے، ان میں خودداری اور عزتِ نفس کی روح دوڑ گئی۔

مساوات و برابری عوامی رہنمائی کی یہ پہلی شان تھی کہ عیش و آرام کے وسائل پر دسترس رکھتے ہوئے بھی اس سے دور رہے، غریبوں کے خاطر غریبی کو پسند کیا اور دعا فرمائی۔

الٰہی مجھ کو زندہ رکھ مسکینی میں، مجھ کو موت دے مسکینی میں۔ میرا حشر فرما مسکینوں کے ساتھ

عوامی رہنمائی کی دوسری شان مساوات و برابری کا جذبہ اور اس کا عملی مظاہرہ ہے۔ قریش کے سرداروں کے ساتھ حضور کا سب سے بڑا اختلاف یہ تھا کہ حضور نے خاندانی روایات

کے خلاف غریب لوگوں کو اپنے قریب جگہ دی، دوستوں کی طرح ان سے پیار کیا، سوسائٹی میں ان کی عزت بڑھائی، انھیں تمام انسانی حقوق عطا فرمائے۔

بلالؓ و صہیبؓ کو حضور کی مجلس میں زانو سے زانو ملا کر بیٹھے ہوئے دیکھ کر ابوجہل اور عتبہ کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ یہ عرب کے غلام تھے، انھیں سردارانِ قوم کے پاس بیٹھنے کی کیا مجال تھی، عرب کے معزز قبیلوں سے ان کا لباس جدا تھا، ان کی موت و زندگی میں عزت دار لوگ شریک ہونا پسند نہ کرتے تھے، ان سرداروں کی خواہش تھی کہ ابن عبد اللہ اپنی خاندانی روایات کو نہ چھوڑیں۔ غلاموں کو غلام سمجھیں، ان سے الگ تھلگ رہیں۔ لیکن ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سرداروں کی خواہش کا کوئی احترام نہ کیا، ان سرداروں کے بگڑ جانے کی پرواہ نہ کی، غلاموں کے دل سے غلامی کا احساس دور کرنے کے لئے ہاشمی شاہزادہ نے غلامی کا لباس اختیار فرما لیا، غلاموں کی طرح کھانا کھانے کو پسند فرمایا۔

ایک دفعہ خیال آیا آؤ! ابوجہل کی خواہش کو پورا کر دیں۔ بلالؓ و صہیبؓ کے لئے مجلس میں آنے کا وقت مقرر کر دیا جائے تاکہ ان مغروروں کی قسم ٹوٹے اور یہ پیغام حق سننے کے لئے نبی کے قریب آئیں،

"یہ دور رہتے ہیں، بہانہ یہ بتاتے ہیں کہ اے رسول! ہم تمھاری مجلس میں اس لئے نہیں آتے کہ وہیں چوبیس گھنٹے عرب کے غلام گھیرے رہتے ہیں، ہماری عزت اس قابل نہیں کہ جس مجلس میں غلام بیٹھیں وہاں ہم بھی آئیں جائیں۔"

حضور نے دینی مصلحت کی خاطر اوقات کی تقسیم کا ارادہ کیا ہی تھا کہ وحی الٰہی نے فوراً دینِ حق کی پالیسی کو واضح کر دیا اور اعلان کیا۔

"اے رسول آپ ان لوگوں کو اپنی مجلس سے دور نہ کریں، جو صبح و شام اپنے رب کو یاد کرتے ہیں، اور نہ ان سے اپنی نگاہیں پھیریں، دنیا کا ساز و سامان دیکھ کر جن لوگوں کے دل ہماری یاد سے غافل ہیں ان کے کہنے میں آکر ایسی کوئی بات نہ کریں، یہ لوگ تو خواہش کے بندے ہیں اور ان کا ہر کام معقولیت سے آگے بڑھا ہوا ہے۔" (سورۂ بنی اسرائیل)

وحی الٰہی کا اشارہ پاتے ہی آپ نے اپنا ارادہ بدل دیا اور ابوجہل ہمیشہ کے لئے مایوس ہو گیا، یہ بات کھل گئی کہ اسلام مساوات اور برابری کو کسی قیمت پر بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہیں

ہو سکتا، ہر مصلحت قربان کی جا سکتی ہے، لیکن نسلی چھوت چھات کا کوئی تصور قبول نہیں کیا جا سکتا۔

برابری اور مساوات کو عملی زندگی میں پھیلانا بہت مشکل کام ہے اس کے لئے ہادی عالم نے بڑی بڑی قربانیاں دیں، اپنی پھوپی زاد بہن کو اپنے آزاد کردہ غلام کے نکاح میں دیدیا، بڑے بڑے سرداروں کو ایک غلام کی قیادت قبول کرنے پر مجبور کر دیا، نہ کسی کی خوشی کو دیکھا اور نہ کسی کی ناخوشی کی پرواہ کی،

یہ تھے عوام کے محسن اعظم اور انسانیت کے عظیم خیر خواہ،

عدلِ عام اور بے لاگ انصاف

عوامی رہنما کی تیسری شان عوام کو بے لاگ اور بے قیمت انصاف عطا کرتا ہے جس رہنما کے ہاتھوں میں اتنی طاقت نہ ہو اور جس کے سینے میں ایسا مضبوط دل نہ ہو اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ عوامی رہنمائی کا دعویٰ کرے۔ انصاف کا نعرہ لگانا آسان ہے، منصفانہ قوانین کی ترتیب بھی کوئی کسالے کا کام نہیں، انصاف پر گرم گرم تقریریں کرنا بھی بہت آسان ہے لیکن ایک غریب مظلوم کو ایک طاقتور ظالم سے حق دلوانا کام اگر ہے —— تو یہ ہے۔

غور کرو! یہودیوں سے اسلام کا کتنا شدید مقابلہ ہو رہا ہے یہودی حضور کے خون کے پیاسے بنے ہوئے ہیں، کسی موقع پر حضور کو اذیت پہنچانے سے نہیں چوکتے، انھوں نے حضور کو زہر بھی دیا ہے میدان جنگ میں دشمنوں سے سازشیں کر کے حضور کو زک پہنچانے کی کوشش بھی کی ہے لیکن جب انھیں انصاف کی ضرورت پڑتی ہے تو یہ ہادی عالم کے آستانے کی طرف دوڑتے ہیں، یہ ہر کام میں اپنے سرداروں کے اشارہ پر ناچتے ہیں لیکن ان کے انصاف پر بھروسہ نہیں کرتے، مدینہ میں اگر کوئی جھگڑا ہو جاتا ہے تو یہ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر فیصلے کی درخواست کرتے ہیں ان کے لیڈروں کی بڑی توہین ہوتی ہے، مگر ان کو معلوم ہے کہ حق و انصاف کی دولت اگر کہیں بے قیمت ملتی ہے تو وہ پیغمبر اسلام کا ایوان عدالت ہے۔

ایک انصاری نے اپنے پڑوس کے کچھ سامان کی چوری کر لی اور سامان کو لے جا کر ایک یہودی کے یہاں بطور امانت رکھ دیا۔ جب چوری کا اظہار ہوا تو اس انصاری نے اس یہودی پر چوری کا الزام عائد کر کے اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کی، حضور کی عدالت میں یہ معاملہ آیا، ہر طرف سے اس انصاری کی برأت کی جانے لگی، مقدمہ کی ظاہری روداد کو دیکھ کر

حضور کا رجحان بھی یہ ہونے لگا کہ انصاری بے قصور ہے اور جس یہودی کے یہاں چوری کا مال پایا گیا وہی قصور وار ہے۔

رسول برحق کا یہ رجحان دیکھ کر وحی الٰہی نے فوراً حقیقت حال کا انکشاف کیا اور ظاہر کر دیا کہ اصل مجرم انصاری ہے یہودی بالکل بے قصور ہے۔ وحی الٰہی کی بے لاگ رہنمائی نے حق کا ساتھ دیا۔ یہ نہ دیکھا کہ انصاری کی چوری کا راز ظاہر کر دینے سے مسلمانوں کا دل ٹوٹ جائے گا اور دشمن اسلام یہودیوں کی ہمتیں بڑھ جائیں گی۔

یہی وہ بے لاگ انصاف تھا جس کو دنیا نے صدیوں کے بعد مدینہ طیبہ میں جلوہ فرما دیکھا۔

ایک یہودی اور منافق کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا، یہودی نے کہا میں حضور سے فیصلہ کراؤں گا۔ منافق کا اصرار تھا کہ عبداللہ ابن ابی کے پاس چلو وہ بہترین فیصلہ کرے گا۔ منافق کے دل میں چور تھا وہ جانتا تھا کہ ہادی اسلام میری ظاہری مسلمانی کی کوئی پرواہ نہ کریں گے آپ کے نزدیک جو حق ہوگا وہی حق رہے گا،

چنانچہ یہ دونوں حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے یہودی کے حق میں منافق کے خلاف فیصلہ کر دیا۔

آج کے جمہوری دور میں بہت کچھ دے کر جمہور کو بہلایا گیا ہے مگر انصاف پر آج بھی طاقتو[ر] کا قبضہ ہے، جنھیں انصاف کی ضرورت ہے وہ انصاف کے لئے ترس رہے ہیں۔

عوامی احساس

اس کی وجہ یہ ہے کہ آج کے حکمران عوامی احساس سے محروم ہیں دوسر[وں] کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھنے والے، دوسروں کی تکلیف کو اپنی تکلیف کی طرح محسوس کرنے والے ہی انصاف کے علم بردار ہو سکتے ہیں، ان لوگوں سے انصاف کی توقع کیا کی جا سکتی ہے جو عوام کی تکلیف سے بے قرار نہ ہوں۔

اسلام عوامی درد پیدا کرتا ہے، عوامی درد کا احساس دلاتا ہے اسلام اعلان کرتا ہے۔
وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جو اپنے بھائی کے لئے ان باتوں کو پسند نہ کرے جنھیں اپنے لئے پسند کرتا ہے (حدیث)

رحمت والے رسول نے ایک روز ارشاد فرمایا۔

لا یدخل الجنۃ الا رحیم۔ قالوا کلنا رحیم یا رسول اللہ، قال لا، حتی یرحم العامۃ۔

فرمایا۔ جنّت میں صرف رحم دل لوگ داخل ہوں گے، صحابہ کرام نے عرض کیا، حضور! ہم سب لوگ رحم دل ہیں، آپ نے فرمایا نہیں رحم دل وہ ہے جو عام لوگوں پر رحم کرے۔

ماں باپ اولاد پر رحم کرتے ہیں، پڑوسی پڑوسی کے ساتھ رحم دلی سے پیش آتا ہے، مسلمان مسلمان اور ہندو ہندو پر ترس کھاتا ہے، لیکن کیا یہ رحم ہے، کیا اسے ترس کھانا کہتے ہیں؟ رحمتِ عالم نے اسے صاف کر دیا اور بتا دیا کہ رحمدلی یہ ہے کہ نہ مذہب کا سوال سامنے ہو نہ برادری اور قوم کا، ان تمام امتیازات سے بالاتر ہو کر ہر قابلِ رحم انسان پر رحم کھانا اور اس کے کام آنا رحم دلی ہے اور اسلام اسی رحم دلی کی تعلیم دیتا ہے۔ کیونکہ وہ عوام کا مذہب ہے عوام کی نجات کے لئے آیا ہے۔ اور اسی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ عوام کی رہنمائی کا دعویٰ کرے، اور عوام اس کی رہنمائی پر بھروسہ کریں۔

وہ عوام بدنصیب ہیں جو قومی تعصبات میں مبتلا ہو کر اپنی دولت کو چھوڑ بیٹھیں۔

کمالِ پروری

انسان خود تکلیف اٹھا لیتا ہے، لیکن اپنی اولاد کو تکلیف میں ڈالنا گوارا نہیں کرتا،

اقربا پروری، صوبہ پروری اور احباب پروری کے اس دور میں سرورِ عالم کا یہ ایثار دیکھیے کتنا عظیم ایثار ہے یہ کہ عوام کی بھلائی کی خاطر اپنی اولاد کو بھی اپنے ساتھ تکلیفوں میں ڈالا جا رہا، زہرائے بتول کتنی پیاری بیٹی ہیں، ابّا جان کو چین نہیں پڑتا جب تک کہ بیٹی کو عشا کے بعد نہ دیکھ لیں اور اپنا کلیجہ ٹھنڈا نہ کر لیں،

اس پیاری بیٹی کو ایسے غریب شوہر کے نکاح میں دیا جس نے اپنے استعمال کی زرہ فروخت کر کے مہر کا انتظام کیا، مدینہ میں نہ امیروں کی کمی ہے نہ امیرزادوں کی لیکن رسول اکرمؐ نے ابوطالب کے بیٹے علیؓ کا انتخاب کیا،

صبر شعار باپ کی وفا شعار بیٹی نے غریب شوہر کے ساتھ زندگی گذارنی شروع کر دی، چکی پیسنے سے ہاتھوں میں چھالے پڑنے لگے، ایک روز شوہر کو ترس آیا، حضرت سیّدہ سے کہا، سیدہ! گھر کا تمام کام کاج تم خود کرتی ہو، تمھیں ایک خادم کی ضرورت ہے، تمھارے ابّا جان کے پاس غنیمت کے غلام آئے ہوئے ہیں، تم جاؤ اور ابّا سے کہہ سن کر ایک باندی لے آؤ، سیدہ کی سمجھ میں آگیا، ابّا جان کی خدمت میں پہنچیں، ایک باندی کے لئے درخواست کی

ابّاجان نے ارشاد فرمایا۔

بیٹی! میں ابھی اصحاب صفہ کی ضروریات پورا کرنے سے فارغ نہیں ہوا، تمھیں دنیا کی ایک باندی درکار ہے یا آخرت کی بہت سی باندیاں؟

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضورؐ کا منشا سمجھ گئیں، عرض کیا، حضور! مجھے آخرت کی باندیاں چاہئیں، حضورؐ نے حضرت فاطمہؓ کو ایک وظیفہ بتایا اور انھیں خالی ہاتھ واپس کر دیا

اسی طرح ایک روز حضرت علیؓ نے حضرت سیّدہ کو ایک زیور لا کر دلایا، سیّدہ نے خوش ہو کر اپنے ابّاجان کو دکھایا، حضور نے دیکھا اور خوش ہونے کے بجائے ناخوشی کا اظہار فرمایا۔

مزاج شناس بیٹی نے وہ زیور، اپنے شوہر کے ہاتھ بازار میں فروخت کرا دیا اور اس کی قیمت اصحاب صفّہ پر تقسیم کرا دی۔

آج کل مفاد پرست اور اقربا پرور دنیا عوامی ہمدردی کے اس پاک اور سچے جذبہ کو کیا سمجھ سکتی ہے۔

آج کمال اور صلاحیت کی قدر دانی کہاں ہے، آج باکمال انسانوں کی کون قدر کرتا ہے، ہر طرف خویش پروری ہو رہی ہے۔ پارٹی پرستش آج کے نام نہاد عوامی دور میں بہترین پالیسی شمار ہوتی ہے۔ اس لئے اہل کمال جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں، نااہل برسر اقتدار نظر آتے ہیں،

نتیجہ اس کا ظاہر ہے، عوام کے دل میں حکومت کی طرف سے ہمدردی کا کوئی جذبہ نہیں پایا جاتا۔ یہ عوامی رہنمائی کی چوتھی شان ہے کہ عوامی رہنما کمال کی قدر دانی کرتا ہے۔ اس کی نگاہ میں خویش و اقارب کی جگہ اہل کمال کا احترام ہوتا ہے، وہ اصول کو دیکھتا ہے — وہ بندگان الٰہی کے حقیقی مفاد پر نظر رکھتا ہے۔

ان حقائق کے پیش نظر یہ دعویٰ کرنا بیجا نہیں بلکہ دعویٰ حق ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نقش قدم اور آپ کی سیرت پاک ہی نوع انسانی کی نجات کا وسیلہ ہے۔

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش

مولانا سید احمد عروج قادری

رسالت محمدی کا احسان

تمام دوسری رسالتوں پر

"آج امریکہ کے فلاں رسالے نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر شائع کی ہے۔" "آج فلاں میگزین نے آپؐ پر رکیک حملے کئے ہیں" فلاں انگریز مورخ نے اپنی کتاب میں آپؐ کی شان میں بہت ہی گندے اور زہریلے جملے استعمال کئے ہیں۔" ہندوستان کی فلاں اسٹیٹ میں بچوں کے نصاب کی ایک کتاب میں آپؐ کی تصویر شائع ہوئی ہے" نصاب کی فلاں کتاب میں آپؐ کا بہت ہی گھٹیا، غلط اور تکلیف دہ تعارف کرایا گیا ہے" یہ اور اسی طرح کی باتیں اخبارات میں، رسالوں میں اور کتابوں میں ہم پڑھتے ہی رہتے ہیں ــــ سوچنے والے دماغ کے سامنے یہ سوال آتا ہے۔ آخر آپؐ کا جرم کیا ہے؟ اور تاریخ دوسرے ہی لمحے یہ جواب دیتی ہے کہ آپؐ کا جرم ہے، آپؐ کی رحمت، آپؐ کا احسان۔ عرب پر، عجم پر، کرۂ ارض کے ہر خطے پر، ہر ملک پر، دنیا کے تمام انسانوں پر، قبیلوں اور خاندانوں پر، ملتوں اور قوموں پر، یہی نہیں بلکہ حضرت آدم سے لیکر حضرت عیسیٰ تک تمام نبیوں اور رسولوں پر، اس دنیائے ہست و بود میں کون ہے جو آپؐ کی نبوت و رسالت سے مستفید نہیں، اور کون ہے جو آپؐ کے خوان کرم کا زلہ ربا نہیں۔

رک جایئے، مجھ پر جذباتیت اور اندھی عقیدت کا الزام لگانے سے پہلے دنیا کی تاریخ پر بالعموم اور تاریخ مذاہب عالم پر بالخصوص منصفانہ نظر ڈال لیجئے پھر دیکھئے کہ جو بات میں نے کہی ہے کیا اس میں ذرہ برابر بھی مبالغہ ہے؟

مذہبی لوگوں کا عجیب رویہ

یہود و نصاریٰ کے جو احبار، رہبان، علماء و مشائخ آگے بڑھ بڑھ کر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا ثبوت مانگتے ہیں، وہ بے شعوری کی حالت میں، دراصل، اس بات کا ثبوت طلب کرتے ہیں

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیش کش

کہ اللہ نے کسی انسان کو اپنا رسول بنایا بھی ہے یا نہیں ؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر آپؐ کی نبوت ورسالت ثابت نہ ہو تو آج دنیا میں کسی ایک نبی کی نبوت بھی ثابت نہیں ہو سکتی، نوح و ابراہیم اور موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کی نبوت ورسالت پر ایمان کا دعویٰ کرنے والے جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں شک کرتے ہیں تو واقف حال حیران رہ جاتا ہے کیونکہ صورت واقعہ یہ ہے کہ اگر آپؐ کی نبوت ورسالت میں ایک درجہ شک کی گنجائش ہو تو ان مذکورہ بالا انبیاء کی نبوت ورسالت میں سو درجہ شک کی گنجائش نکل آئے گی۔ فی الواقع یہ نبوت محمدی کا احسان ہے کہ اس نے ان انبیاء کی نبوت کو بھی حتمی اور قطعی بنا دیا ہے۔ احسان ماننے کے بجائے آپؐ کی شخصیت پر چھینٹیں اڑانا اور جان بوجھ کر آپؐ کی نبوت میں شک پیدا کرنا۔ انتہا درجہ کی ناشکری ہی نہیں ہے، پرلے درجے کی حماقت بھی ہے کیونکہ اس غیر معقول رویے سے صرف اس گروہ کو فائدہ پہنچتا ہے جو ہر آسمانی دین کے انکار پر تلا ہوا ہے۔

اسی طرح وہ لوگ بھی جو ایک طرف دیوتاؤں اور دیویوں اور اوتاروں پر عقیدہ رکھتے ہیں جن کی پشت پر کوئی دلیل و برہان موجود نہیں ہے اور دوسری طرف نبوت محمدی میں شک کرتے ہیں جو ناقابل انکار دلائل سے مدلل ہے تو حقیقت جاننے والے کو بڑا تعجب ہوتا ہے۔ قرآن اعلان کرتا ہے کہ اللہ نے ہر قوم اور ہر امت میں اپنے رسول بھیجے ہیں، اس کی ہدایت کا نور ہر افق پر چمکا اور اس کے پیغام کی ابدی و سرمدی صدا ہر ملک میں گونجی ہے۔ یہ اعلان ثابت کرتا ہے کہ ہندوستان میں بھی خدا کی آواز گونجی ہو گی اور یہاں بھی اس کے قاصد اور رسول آئے ہوں گے۔ اس اعلان حقیقت کا آیا یہ تقاضا ہے کہ برادران وطن، قرآن اور اس کی تعلیمات پر غور و فکر کریں یا یہ ہے کہ قرآن، اور پیغمبر قرآن، کا بغیر کسی معقول دلیل کے انکار کر دیں، ان کے اس رویے کا فائدہ، کمیونسٹوں اور اس گروہ کو پہنچ سکتا ہے جو ہر مذہب کی جڑ کاٹنے پر تلا ہوا ہے تو کیا وہ ہندوستان جیسے مذہبی ملک کو ملحد اور بے دین ملک دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ ؟

یہود و نصاریٰ سے سوال

اگر یہود اور نصرانیوں سے سوال کیا جائے کہ بتاؤ تمہارے پاس حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی نبوت ورسالت کی دلیل کیا ہے ؟ سوال ان دونوں کی تاریخی شخصیت کا نہیں ہے کہ تم تاریخی تواتر سے ان کی شخصیتوں کا ثبوت بہم پہنچا دو، سوال یہ ہے کہ کیا حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کو اللہ نے اپنا رسول بنا کر مبعوث کیا تھا ؟ کیا ان کی نبوت کا کوئی ایسا ثبوت موجود ہے جسے دیکھ کر دنیا آج بھی یقین کر سکے کہ

واقعی وہ اللہ کے رسول تھے؟ اس کا جواب اثبات میں ہم دے نہیں سکتے کیونکہ اللہ نے ان دونوں کو جو معجزے دیئے تھے وہ ان کی زندگی کے ساتھ ختم ہو گئے۔ آج نہ ید بیضا موجود ہے اور نہ عصائے موسیٰ جو سانپ بن جاتا تھا اور نہ دم عیسیٰ جس سے مردے جی اٹھتے تھے۔ اس لئے تم سے اس کا سوال ہی بے کار ہے۔ اچھا یہ بتاؤ، کیا خدا نے انہیں اپنی کتابیں دی تھیں؟ کیا اس نے ان کے ذریعہ تمہیں اپنی تعلیمات و ہدایات سے آگاہ کیا تھا؟ کیا ان کے مستند سوانح حیات، ان کی قولی و عملی، تعلیمات اور ان کی زندگیوں کا اسوہ تمہارے پاس موجود ہے؟ اگر تمہارا جواب اثبات میں ہے تو دکھاؤ وہ آسمانی کتابیں کہاں ہیں؟ وہ خداوندی تعلیمات و ہدایات کدھر ہیں؟ اور ان انبیاء کے مستند سوانح حیات اور عملی نمونے کس کتاب میں درج ہیں۔ تمہارے پڑھے لکھے اور منصف مزاج لوگ جانتے ہیں کہ ان سوالات میں سے کسی ایک کا بھی تشفی بخش جواب موجود نہیں ہے۔ کیا ان کتابوں کو پیش کر کے جو آج تمہارے ہاتھوں میں ہیں دنیا کو یقین دلا سکتے ہو کہ یہ خدا کی دی ہوئی کتابیں ہیں؟ تم نے تو ان آسمانی کتابوں میں ایسی باتیں بھی داخل کر دی ہیں جن کو کسی شریف انسان کی طرف بھی منسوب نہیں کیا جا سکتا خدا کی طرف انہیں نسبت دینے کی کیا گنجائش ہے۔ تم نے خدا کے کلام کو اپنے کلام کے ساتھ اور خدا کی ہدایات کو اپنے من گھڑت مسائل کے ساتھ اس طرح ملا دیا ہے کہ امتیاز مشکل ہے، تم نے خود ان بزرگوں کی طرف، جن پر تمہیں ایمان کا دعویٰ ہے ایسی باتیں منسوب کی ہیں جو ان کے کردار کو داغدار بناتی ہیں اور انہیں پڑھ کر کوئی کبھی ان کو نبی و رسول قرار نہیں دے سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کی نبوت و رسالت کی ہر دلیل تم خود اپنے ہاتھوں مٹا چکے ہو اور اب تمہارے پاس ان کی رسالت کو ثابت کرنے کے لئے کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے جس سے عقل اور قلب مطمئن ہو سکے۔ گھبراؤ نہیں، موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی نبوت و رسالت کو ثابت کرنے کے لئے ہمارے پاس ملت اسلامیہ کے پاس ناقابل انکار دلیل موجود ہے۔

محمد عربی کی ایک عظیم خصوصیت

انبیاء کرام علیہم السلام کے مقدس گروہ میں یہ امتیاز صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ آج بھی دنیا میں آپ کی دلیل نبوت موجود ہے۔ جسے ہاتھوں سے چھوا، آنکھوں سے دیکھا اور زبانوں سے پڑھا جا سکتا ہے اور جسے اپنے سینوں میں محفوظ کیا جا سکتا ہے۔ یہ دلیل صفحۂ عالم پر اس طرح نقش ہے کہ قیامت تک کوئی اسے مٹا نہیں سکتا، یہ عظیم خصوصیت اور یہ لازوال امتیاز آپ کو اس لئے عطا کیا گیا کہ آئندہ پھر کوئی نبی آنے والا نہ تھا، آپ سلسلۂ نبوت کے خاتم تھے۔ ایک طرف آپ نے

انبیاء سابقین کی نبوت و رسالت کی تصدیق فرمائی اور دوسری طرف منصب نبوت و رسالت پر مہر لگا کر ہمیشہ کے لئے اسے بند کر دیا۔

آپ کی نبوت و رسالت کی دائمی دلیل اور پائندہ و تابندہ برہان، قرآن ہے، یہ کہنے کو تو ایک دلیل ہے لیکن در اصل بیسیوں آفاقی، انفسی، عقلی، تاریخی اور تجربی دلائل و براہین کا مجموعہ ہے یہ ایک ایسا روشن چراغ ہے جس کی روشنی کبھی مدھم نہیں ہوتی۔ قرآن کے کلام اللہ ہونے کا ثبوت خود اس کتاب میں موجود ہے یہ آپ اپنی دلیل ہے اسے کسی خارجی دلیل کی ضرورت نہیں، یہ آفتاب آمد دلیل آفتاب کی مصداق ہے۔ یہ دنیا کے سامنے ایک کھلا ہوا چیلنج ہے۔ جو تقریباً چودہ سو سال گزر جانے کے بعد آج بھی لاجواب ہے اور قیامت تک لاجواب رہے گا ——— نبوت محمدی کی اس دلیل کا تفصیلی جائزہ اس وقت ہمارے موضوع بحث سے خارج ہے، ہم اس وقت اسے ایک مسلّم حقیقت مان کر آگے بڑھتے ہیں۔

رسالتِ محمدی کا احسانِ عظیم

اس دنیا میں رسالت محمدی کا تمام دوسری رسالتوں پر یہ عظیم احسان ہے کہ اس نے انہیں بھی قطعی، حتمی اور یقینی بنا دیا ہے۔ قرآن، جس طرح سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر ناقابل انکار دلیل ہے۔ اسی طرح وہ ان تمام انبیاء کی نبوت و رسالت پر بھی قطعی دلیل ہے جن کا ذکر اس میں آیا ہے۔ رسالت محمدی، تمام سابقہ رسالتوں کی مہیمن (محافظ) اور مصدق ہے۔ قرآن نے نوح و ابراہیم، موسیٰ و عیسیٰ اور ان کے علاوہ دوسرے انبیاء کی نبوتوں اور رسالتوں کو بھی ٹھیک وہی حیثیت دی ہے جو خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو دی ہے یعنی جس طرح یہ بات یقینی ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اسی طرح یہ بات بھی قطعی ہے کہ موسیٰ و عیسیٰ اللہ کے رسول ہیں۔ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (ہم اس کے رسولوں کے درمیان تفریق نہیں کرتے)

رسالت محمدی نے سابقہ رسالتوں کا درجہ بھی اتنا اونچا کر دیا ہے کہ ان پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جو شخص موسیٰ و عیسیٰ کی رسالتوں کا انکار کرتا ہے وہ رسالت محمدی کا بھی منکر ہے، جہاں تک نفس رسالت و نبوت کا تعلق ہے انبیاء کے درمیان کوئی تفریق نہیں۔ اس لئے کہ سب ایک ہی مالک و آقا کے بھیجے ہوئے نمائندے اور قاصد تھے۔ سب ایک ہی کائناتی حکومت کے سفراء تھے، لیکن ان سب کے درمیان اور دوسری جہتوں سے درجات و مراتب کا تفاوت ہے۔ تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض، ان درجات و مراتب میں سب سے اونچا درجہ

اور سب سے اعلیٰ مرتبہ محمد رسول اللہ کو حاصل ہے لیکن دنیا کی اس عظیم ترین شخصیت کی بے نفسی، تواضع اور حکمت تعلیم و تربیت کا حال یہ ہے کہ جب کبھی اپنے محترم ساتھیوں کے رویے میں ایسی بات محسوس فرمائی جو انبیاء کے درمیان تفریق یا کسی نبی کی تنقیص کا ذریعہ بن سکتی تھی آپ نے ہمیشہ اس کی اصلاح کی اور ان کے ذہن میں یہ بات جمانے کی سعی فرمائی ہے کہ تمام انبیاء یکساں احترام کے مستحق ہیں۔ میں ذیل میں چند حدیثوں کے ترجمے پیش کرتا ہوں۔

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہم ابراہیم کے مقابلے میں اس بات کے زیادہ اہل ہیں کہ شک کریں۔ جب ابراہیم نے کہا تھا "اے میرے رب مجھے دکھا دے کہ تو کس طرح مردے کو زندہ کرے گا (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے آیت ربِّ ارنی کیف تحی الموتیٰ سے یہ سمجھا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو احیاء موتی میں شک تھا۔ خود قرآن میں سوال و جواب کے ذریعہ اس شبہہ کو صاف کر دیا گیا ہے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شبہے کو دور کرنے کے لئے ایک دوسرا طریقہ اختیار فرمایا۔ اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر ابراہیم کو زندگی بعد موت میں شک تھا تب تو ہم لوگ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ اس معاملے میں شک کریں اور جب ہمیں اس میں کوئی شک نہیں تو ابراہیم جیسی بڑی شخصیت کو اس میں کیسے شک ہو سکتا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس حدیث کے سلسلے میں ایک قول یہ ذکر کیا ہے کہ جب یہ آیت اتری تو بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم کو شک ہوا لیکن ہمارے نبی شک میں مبتلا نہیں ہوئے، آپ کو اس کی خبر ملی تو آپ نے وہ بات فرمائی جس کا ذکر اوپر گزرا۔ بہرحال سبب جو کچھ بھی ہو اس حدیث میں، مخاطب کی تشفی، حضرت ابراہیم کی عظمت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تواضع تینوں باتیں ایک ساتھ موجود ہیں۔

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں جیل میں اتنی مدت تک رہا ہوتا جتنی مدت یوسف رہے تو میں بادشاہ کے داعی (قید خانہ سے رہائی کا پیغام پہنچانے والا) کی بات فوراً مان لیتا۔ (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم)

یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے کی طرف اشارہ ہے جس کی تفصیل قرآن میں موجود ہے، حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مسلسل کئی سال تک جیل میں رہنے کے باوجود رہائی کے پیغام پر حضرت یوسف نے جس صبر و تحمل کا ثبوت دیا وہ کوئی معمولی بات نہیں ہے اگر میں ایسے حالات میں گرفتار ہوتا تو رہائی کا پیغام آتے ہی جیل سے باہر آجاتا، اس حدیث سے بھی حضرت یوسف کی

جلالت قدر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تواضع ثابت ہورہا ہے۔ ایک بار آپ سے پوچھا گیا کہ سب سے معزز و مکرم آدمی کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا جو سب سے زیادہ متقی ہو وہی سب سے زیادہ مکرم ہے۔ کہا گیا کہ ہمارے سوال کا مقصد یہ نہیں ہے تو آپؐ نے فرمایا، سب سے معزز و مکرم یوسف بن نبی اللہ بن نبی اللہ بن خلیل اللہ ہیں۔ ایک حدیث میں آپ نے فرمایا، کریم بن کریم بن کریم بن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام۔

(۳) حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی میں جھگڑا ہوا، مسلمان نے کہا، قسم ہے اس ذات کی جس نے محمدؐ کو تمام عالم پر فضیلت بخشی، یہ سن کر یہودی نے کہا، قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ کو تمام عالم پر فضیلت بخشی، یہ جواب سن کر مسلمان نے اسے طمانچہ کھینچ مارا۔ یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی، آپؐ نے مسلمان کو بلوا کر واقعہ پوچھا، اس نے واقعہ بتا دیا اس کے بعد آپ نے فرمایا: مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو اس لئے کہ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہوں گے اور میں بھی بے ہوش ہو جاؤں گا۔ پھر سب سے پہلا آدمی میں ہوں گا جسے ہوش آئے گا۔ ہوش میں آنے کے بعد میں دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا ایک کنارہ پکڑے کھڑے ہیں، مجھے نہیں معلوم کہ وہ بھی بے ہوش ہو جائیں گے۔ اور مجھ سے پہلے ہوش میں آئیں گے یا یہ کہ اللہ نے ان کو بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ کر دیا ہوگا (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم)

یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت تعلیم و تربیت کو اچھی طرح واضح کر رہی ہے، علاوہ ازیں یہودی کے سامنے حضرت موسیٰ کی عظمت و فضیلت کا اعتراف، حق پرستی اور بے تعصبی کی وہ اعلیٰ مثال ہے جس کی تعلیم دینے آپؐ آئے تھے۔

(۴) حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں عیسیٰ بن مریم سے دنیا و آخرت میں، تمام لوگوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ قریب ہوں، میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہ نفس نفیس بنی اسرائیل کو یہ بشارت سنا گئے تھے کہ میرے بعد ایک نبی آنے والے ہیں جن کا نام احمد ہوگا، ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد (صف)

(۵) حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بندے کیلئے یہ کہنا مناسب نہیں ہے کہ میں یونس بن متی سے افضل ہوں، بخاری کی ایک روایت میں ہے جس نے یہ کہا کہ میں یونس بن متی سے افضل ہوں اس نے جھوٹ بات کہی (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم)

ان کی اکثریت نے ان پر معاندانہ اور مجادلانہ نظر ڈالی اور دولت ایمان و اسلام سے محروم رہ گئی۔ قرآن نے ان اہم حقیقتوں کو واضح کر کے تمام دنیا پر بالعموم اور یہود و نصاریٰ پر بالخصوص جو احسانات کئے ہیں ان کی تفصیل اس مختصر مضمون میں نہیں سماسکتی۔

حضرت موسیٰ و عیسیٰ کی وجاہت

اصل چیز، حسن سیرت، معنوی خوبیاں اور باطنی صفات ہیں، لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جاذبیت اور کشش پیدا کرنے میں، حسن صورت، اعتدال اعضاء اور وجاہت ظاہری کو بھی بہت بڑا دخل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام کو بلا استثنیٰ، ظاہری وجاہت بھی عطا فرمائی تھی تاکہ اس پہلو سے بھی ان کی شخصیات میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ رسالت محمدی کا یہ بھی ایک احسان ہی ہے کہ اس نے خصوصیت کے ساتھ حضرت موسیٰ و عیسیٰ کی شخصیت اور وجاہت ظاہری کا اس طرح نقشہ کھینچ دیا ہے کہ ہم ان دونوں کو اپنی نگاہوں کے سامنے چلتا پھرتا محسوس کرتے ہیں، سورۂ احزاب کی آیت ذیل،

یا أیہا الذین آمنوا لا تکونوا کالذین	اے مومنو، تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے
آذوا موسیٰ فبرأہ اللہ مما قالوا وکان	موسیٰ کو اذیت پہنچائی تھی تو اللہ نے ان کو اس عیب سے
عند اللہ وجیہا ہ	بری کیا جو انھوں نے لگایا تھا اور موسیٰ اللہ کے نزدیک باوجاہت تھے

کی تفسیر میں جو حدیث آتی ہے اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حسن صورت اور اعتدال اعضاء کی تصریح ان الفاظ میں موجود ہے۔

فرأوہ عریانا احسن ما خلق اللہ وابرأہ	تو بنی اسرائیل نے انہیں عریاں دیکھا، اللہ کی مخلوق
مما یقولون، بخاری کتاب الانبیاء	میں بہترین حسن صورت سے متصف اور ان کے لگائے ہوئے عیب سے بری۔

ابن خزیمہ نے واعدلہ صورۃ کا اضافہ کیا ہے، بعض روایات میں فرأوہ کاحسن الرجال خلقا کے الفاظ آئے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو حسن صورت اور اعتدال اعضاء کا نمونہ پایا۔ اس حدیث سے جو مسائل مستنبط ہوتے ہیں ان میں سے ایک مسئلے کا ذکر حافظ ابن حجر نے ان الفاظ میں کیا ہے:

وفیہ ان الانبیاء فی خلقہم وخلقہم علی غایۃ	اور اس حدیث سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ انبیاء اپنی سیرت
الکمال وان من نسب نبیا من الانبیاء الی نقص	اور صورت دونوں جہتوں سے انتہائے کمال پر ہوتے ہیں۔

فی خلقته فقد آذاہ ویخشی علی فاعله الکفر

فتح الباری ج ۶

اور جو شخص کسی نبی کی ظاہری خلقت کی طرف کسی نقص کا انتساب کرتا ہے وہ اس نبی کو اذیت پہنچاتا ہے اور ایسا کرنے والے کے بارے میں کفر کا اندیشہ ہے۔

متعلقہ احادیث میں حضرت موسیٰ کا جو حلیہ بیان ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لمبے قد، ہلکے جسم اور گندم گوں رنگ کے وجیہہ پیغمبر تھے، کسی حدیث میں حضور نے انہیں یمن کے قبیلۂ شنوءۃ سے تشبیہہ دی ہے اور کسی میں ہندوستان کی جاٹ قوم کے مردوں سے تشبیہہ دی ہے ان دونوں قبیلوں میں بھی عام طور سے مرد اسی ہیئت کے ہوتے ہیں۔ ایک بار آپ نے ان کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان وادی ازرق سے گزر رہے تھے کہ حضور نے فرمایا گویا میں موسیٰ کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنی دونوں انگلیوں کو (بہ ہیئت اذان) اپنے کانوں میں ڈالے ہوئے زور زور سے لبیک پڑھتے ہوئے اس وادی سے گزر رہے ہیں، پھر آپ نے ان کے رنگ روپ اور سر کے بالوں سے متعلق کچھ بیان فرمایا: (مشکوٰۃ بحوالہ مسلم)

متعدد احادیث میں حضرت عیسیٰ کا جو سراپا بیان ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ متوسط القامت اور سرخ و سفید رنگ کے نبی تھے۔ ایک حدیث میں ان کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے:

میں نے خواب میں کعبہ کے پاس دیکھا کہ ایک حسین ترین شخص، کندھوں پر زلفیں لٹکائے کنگھے سے بال سلجھائے جیسے اس سے پانی ٹپک رہا ہو اپنے دونوں ہاتھ دو شخصوں کے مونڈھوں پر رکھے ہوئے طواف کر رہے ہیں، میں نے پوچھا یہ کون ہیں۔ لوگوں نے جواب دیا یہ مسیح بن مریم ہیں (بخاری کتاب الانبیاء)

جس شخصیت نے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے بارے میں یہ سب کچھ فرمایا ہو اس کی رسالت اس لائق تھی کہ اس پر ایمان لایا جائے یا اس قابل تھی کہ اسے بالکل رد کر دیا کر دیا جائے، آج بھی کتاب و سنت کی یہ تفصیلات پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہیں اور ہم یہود و نصاریٰ کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنی آنکھوں سے تعصب اور دنیا پرستی کی عینکیں اتار کر ان کا مطالعہ کریں، اپنے محسن کے ساتھ بدسلوکی اور گستاخی انسان کو جانوروں سے بھی فروتر اور بدتر بنا دیتی ہے

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیش کش

رسالت محمدی کا احسان آخرت میں

محمد رسول اللہ اور ان کی رسالت کے احسانات کا سلسلہ دنیا ہی میں ختم نہیں ہوتا، آخرت تک دراز ہوتا ہے۔ مقام محمود اور شفاعت کبریٰ کے احسان سے انبیاء سمیت تمام انسان مستفید ہوں گے لیکن اس وقت وہ میرے موضوع سے خارج ہے اس لئے اس کی تفصیل یہاں پیش نہیں کی جارہی ہے۔ قیامت میں خصوصیت کے ساتھ انبیاء پر رسالت محمدی کا احسان کیا ہوگا۔ اس سوال کا مجمل جواب ہے:۔ تبلیغ رسالت کی شہادت!

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح آج دنیا میں انبیاء سابقین کی نبوت و رسالت کا صحیح اور یقینی ثبوت صرف رسالت محمدی ہے اس طرح کل قیامت میں اس بات کی ناقابل انکار دلیل کہ انبیاء نے خدا کا پیغام بے کم و کاست اپنی قوموں اور امتوں کو پہنچا دیا تھا۔ صرف محمد رسول اللہ اور ان کی امت کی شہادت ہوگی۔ منکر قوموں کے پاس اس گواہی کا کوئی جواب نہ ہوگا۔ اس طرح ان کا جھوٹ کھل جائے گا اور انبیاء کی تبلیغ رسالت ثابت ہو جائے گی۔ امام بخاری نے کتاب الانبیاء، کتاب التفسیر اور کتاب الاعتصام میں ذیل کی حدیث روایت کی ہے۔

حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن نوح کو عدالت الٰہی میں طلب کیا جائے گا، وہ لبیک وسعدیک یا رب، کہتے ہوئے حاضر ہوں گے۔ اللہ سوال کرے گا کیا تم نے میری رسالت میرا پیغام لوگوں تک پہنچا دیا تھا وہ جواب دیں گے ہاں اے میرے رب، میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا تھا اس کے بعد ان کی امت سے پوچھا جائے گا کیا تم تک انھوں نے میرا پیغام پہنچا دیا تھا؟ نوح کی امت جواب دیگی کہ ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا آیا ہی نہیں، اللہ نوح سے کہے گا تمہارے گواہ کون لوگ ہیں وہ جواب دیں گے محمد اور ان کی امت میری گواہ ہے پھر تمہیں (اے امت محمدی) وہاں لایا جائے گا اور تم نوح کی طرف سے گواہی دو گے کہ انہوں نے خدا کا پیغام پہنچا دیا تھا۔"

یہ حدیث امام احمد، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے اس حدیث کی بعض سندوں میں اتنا اضافہ اور ہے کہ اللہ امت محمدی سے سوال کرے گا کہ تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ نوح نے ہمارا پیغام پہنچا دیا تھا وہ جواب دے گی کہ ہمارے نبی نے ہمیں یہ خبر دی تھی کہ تمام گزشتہ رسولوں نے خدا کا پیغام اپنی قوموں اور امتوں تک پہنچا دیا تھا، اس خبر کی ہم نے تصدیق کی تھی اور اس کی صحت پر ایمان لائے تھے۔ ابن حجر لکھتے ہیں کہ محدث ابن ابی حاتم نے یہ سند جید

روایت کی ہے کہ یہ گواہی قوم نوح کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ قوم ہود، قوم صالح، قوم شعیب اور دوسرے انبیاء کی قوموں کے مقابلے میں امت محمدی گواہی دے گی کہ ان تمام انبیاء نے اللہ کا دین اپنی قوموں تک پہنچا دیا تھا۔ اور ان کی قوموں نے انہیں جھٹلایا تھا۔ حضرت جابر سے ایک حدیث آتی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

ما من نبی کذبہ قومہ الا و نحن شھداء ہ یوم القیامۃ ان قد بلغ رسالۃ اللہ و نصح لھم (فتح الباری ج ۸)

کوئی نبی ایسا نہیں ہوگا جس کی قوم اسے جھٹلائے الا یہ کہ ہم بروز قیامت اس بات کے گواہ ہوں گے کہ اس نے اللہ کی رسالت پہنچا دی تھی اور ان کی خیر خواہی کی تھی۔

یہ ہے رسالت محمدی کا وہ احسان عظیم جس کے دائرے سے کوئی نبی باہر نہیں ہے۔

تقاضائے احسان جب رسالت محمدی دنیا میں تمام انبیاء و رسل کی نبوت و رسالت کی برہان قاطع اور آخرت میں منکر قوموں کے مقابلے میں ان کی شاہد عدل ہے تو احسان شناسی کا کم سے کم تقاضہ یہ ہے کہ اس پر نامعقول اور رکیک حملے بند کئے جائیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام کیا جائے اور ان کے لائے ہوئے دین پر انصاف کی نظر ڈالی جائے یہی اقتضائے عقل اور یہی تقاضائے انصاف ہے، معاندانہ رویہ، صرف معاندین کو نقصان پہنچائے گا۔ اس سے نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات متاثر ہوگی اور نہ ان کی رسالت کو ذرہ برابر کوئی زک پہنچ سکے گی۔

> اگر میرا یہ دعویٰ ہے کہ میں حضرت محمد صلعم کا ایک ادنیٰ امتی ہوں، تو میری خواہش بھی یہی ہونی چاہیئے کہ میں حضورؐ کے احکام پر اپنی جان قربان کر دوں اور سچائی کی آواز بلند کرتے ہوئے ہر قسم کے مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہوں۔
>
> (شیخ محمد عبد اللہ)

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیش کش

سید جلال الدین انصر عمری

خدا کا داعی صلی اللہ علیہ وسلم

اگر آپ انسانی تاریخ کا اس کی ابتداء سے انتہا تک مطالعہ کریں تو آپ کو سب سے بڑی اور صاحبِ عظمت شخصیت جو ملے گی وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ہوگی۔ آپ انسان تھے لیکن اتنے عظیم انسان کہ آج تک کسی دوسرے انسان کو اتنی بڑی عظمت نصیب نہیں ہوئی۔ دنیا کے تمام بڑے انسانوں کو ایک صف میں کھڑا کیا جائے تو آپ کا مقام سب سے نمایاں اور سب سے بلند ہوگا۔

بڑے انسانوں کی مثال بہتے ہوئے چشمہ کی ہے جس سے ہزاروں اور لاکھوں انسان سیراب ہوتے ہیں انسانیت کی کھیتی ان ہی سے سرسبز و شاداب رہتی ہے وہ نہ پیدا ہوں تو انسانیت جل کر راکھ ہو جائے۔ دنیا ان کو اتنا دیتی نہیں جتنا ان سے پاتی ہے۔ اس میں شک نہیں وہ انسان ہی ہوتے ہیں۔ وہ بھی دوسروں کی طرح جذبات و احساسات رکھتے ہیں۔ ان کی بھی خواہشیں ہوتی ہیں۔ ان کو بھی جان و مال سے محبت ہوتی ہے لیکن ان کی بڑائی کا راز یہ ہے کہ وہ دوسروں کے فائدہ کے لئے اپنے جذبات و احساسات کو مسلسل نقصان پہنچاتے ہیں وہ خود کو فنا کر لیتے ہیں تاکہ دوسرے زندگی پاسکیں ان کا سینہ ظلم کے تیروں سے چھلنی ہو جاتا ہے اور وہ خوشی سے ظلم سہتے ہیں تاکہ ان کی ذات پر دنیا کا سارا ظلم ختم ہو جائے اور ان کے بعد کسی پر کوئی ظلم نہ کر سکے۔ وہ بھوکے رہتے ہیں اور فقر و فاقہ ان کی قوتوں کو کمزور کر دیتا ہے تاکہ دنیا فقر و فاقہ کی مار سے محفوظ رہے۔ آپ مادی لحاظ سے دیکھیں تو ان کا وجود اپنے سے زیادہ دوسروں کے لئے ہوتا ہے۔ وہ دوسروں سے کچھ وصول کرنے نہیں آتے بلکہ دوسروں پر احسان کرنے آتے ہیں۔ ان کا کمال یہ ہے کہ وہ دنیا میں، سب کچھ لٹاتے ہوئے قلبی راحت اور سکون محسوس کرتے ہیں ان کو اطمینان ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیش کش

قوتوں کو ضائع نہیں کیا اور ان کو ان کی صحیح جگہ میں صرف کیا۔ یہ وہ حقیقی انعام ہے جو ان کو ان کی خدمات کے صلہ میں یہاں ملتا ہے۔

دو معیار

کسی کی بڑائی کے جانچنے کے دو معیار ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اس نے انسانیت کو اوپر اٹھانے کے لئے کیا نظریہ پیش کیا۔ یہ نظریہ جتنا بلند ہوگا اس کے پیش کرنے والے کا مقام بھی اتنا ہی بلند ہوگا۔ کچھ لوگ سطحی اور معمولی کاموں کی دعوت لے کر اٹھتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں کچھ دوسرے لوگ ہوتے ہیں جن کے پاس انسانیت کو دینے کے لئے بہت بڑا پیغام ہوتا ہے وہ ایسی حقیقتیں کھولتے ہیں کہ ان کے علاوہ کوئی دوسرا انسان ان کو کبھی نہیں کھول سکتا۔ ان دونوں کی حیثیت میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ پہلی قسم کے افراد بھی انسانیت کے محسن ہیں لیکن دوسری قسم کے افراد کا احسان اتنا بڑا ہوتا ہے کہ اس کے اعتراف سے بھی دنیا اپنے آپ کو عاجز پاتی ہے۔

کسی کی بڑائی کے جانچنے کا دوسرا معیار یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے پیغام اور نظریہ سے دنیا کو کتنا فائدہ پہونچا۔ اس نے جو چشمہ جاری کیا اس سے پیاس بجھانے والوں کی تعداد کیا تھی اس کے لگائے ہوئے درخت کے سایہ میں کتنے مسافروں نے آرام کیا؟ لیکن یہ کسی کی عظمت کو جانچنے کا حقیقی معیار نہیں ہے۔ البتہ یہ اس کی عظمت کا ایک مادی ثبوت ہے۔ سچائی اس کی محتاج نہیں ہے کہ کوئی اس کو اپنائے۔ وہ فی نفسہ خوبی اور کمال ہے۔ جو شخص سچائی کا علمبردار ہے وہ ایک بلند انسان ہے خواہ دنیا اس کی دعوت کو قبول کرے یا رد کر دے۔ ہاں اگر اس کی کوشش سے کوئی سچائی اختیار کرتا ہے تو یہ اس کی بلندی کا ایک ظاہری ثبوت ہوگا۔

یہ بتانا بھی بہت مشکل ہے کہ کس پیغام کے کیا نتائج نکلے۔ کیونکہ اس کے ناپنے کا ہمارے پاس کوئی پیمانہ نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب کوئی جاندار دعوت اٹھتی ہے تو لازماً اپنے اثرات چھوڑ جاتی ہے۔ بعض اوقات یہ اثرات ٹھوس اور مادی شکل میں ہمارے سامنے نہیں ہوتے، لیکن وہ انسان کی رگوں میں خون بن کر اس طرح دوڑتے رہتے ہیں کہ اس کو خبر بھی نہیں ہوتی، اس کے جذبات و احساسات میں وہ شامل ہو جاتے ہیں اور وہ محسوس بھی نہیں کرنے پاتا۔

تاریخ میں ایسے کتنے افراد گزر چکے ہیں جنھوں نے صداقت، اخلاص، امانت، خدا ترسی اور تقویٰ و طہارت کی دعوت دی لیکن دنیا نے ان کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔ لیکن اس کے باوجود یہ تعلیمات ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی میں گھسی ہوئی ہیں۔ کیا یہ ان ہی کی دعوت کا اثر نہیں ہے؟

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیش کش

اور خدا کو اسی ڈھنگ سے یاد کرتے تھے جس ڈھنگ سے خدا کو یاد کرنے کا آپ نے حکم دیا تھا۔ انکی سیاست وعدالت ان اصولوں پر قائم تھی جو آپ نے بتائے تھے۔ وہ دوسروں کے ساتھ معاملہ ان بنیادوں پر کرتے تھے جن کی آپ نے تعلیم دی تھی، ان کی صبح وشام، ان کی موت وحیات اور ان کی خوشی اور غم آپ کی ہدایات کے تابع تھے۔ آپ کی زبان سے جو کلمات نکلتے۔ آپ کے عمل سے جو بات ظاہر ہوتی وہ ان کے لئے سند ہوتی اور ان کی زندگیوں میں شامل ہو جاتی۔ گو زمانہ کے گزرنے کے ساتھ ساتھ آپ کے ماننے والوں پر آپ کی تعلیم کی گرفت کمزور پڑ چکی ہے۔ لیکن اب بھی بہت سے ایسے افراد موجود ہیں جن کے سینے اس تعلیم سے روشن ہیں وہ اس کو اپنا عزیز ترین سرمایہ سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک جان ہلکی ہے لیکن یہ تعلیم زیادہ قیمتی ہے۔ بلا شبہ آپ کے ماننے والوں کی زندگیاں آپ کی تعلیم سے خالی ہیں لیکن اس ویرانے میں جگہ جگہ چراغ جل رہے ہیں اور یہ احساس زندہ ہے کہ چراغ کی لو کمزور ہے اس کو تیز کرنا ہے۔ اس احساس کے ہوتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ ان ہی کھنڈرات سے پھر کوئی نیا محل نہیں ابھرے گا۔ آگ بجھ چکی ہے لیکن چنگاریاں باقی ہیں۔ جو کسی بھی وقت دہکتے ہوئے انگاروں میں تبدیل ہو سکتی ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو زمانے کی رفتار نے ختم نہیں کیا۔ اس کے اندر زندگی کی قوت باقی ہے اور وہ پھر ابھر کر ہر طرف چھا سکتی ہے۔

بڑے انسان چھوٹوں کے لئے نمونہ ہوتے ہیں۔ چھوٹے، بڑوں کو دیکھ کر اپنی راہ متعین کرتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ چھوٹے ہمیشہ بڑوں کے عزم، پروگرام اور منزل کو اپنی نگاہ میں رکھیں ورنہ وہ جس کے پیچھے چلنے کا ارادہ لے کر گھر سے نکلے ہیں اس کے پیچھے چلنے کے بجائے کسی دوسرے کے پیچھے چل پڑیں گے اور انہیں اس کا علم بھی نہیں ہو گا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے سب سے بڑے انسان ہیں۔ آپ کی زندگی قیامت تک کے لئے اسوہ ہے۔ جو لوگ آپ کو اپنا قائد اور راہنما مانتے ہیں ان کے لئے زیادہ ضروری ہے کہ وہ شعوری طور پر آپ کی تعلیمات سے، آپ کے پیغام اور آپ کی بتائی ہوئی راہ سے واقف ہوں جس کے سامنے اپنے قائد کی راہ نہ ہو وہ بڑی آسانی سے منزل سے بھٹک سکتا ہے۔

تاریخ میں جتنی بڑی شخصیتیں گزری ہیں ان کی بڑائی ان کی زندگی کے کسی خاص پہلو سے ابھرتی ہے اور پھر وہ ان کی پوری زندگی پر چھا جاتی ہے۔ اگر اس خاص پہلو کو نظر انداز کر دیا جائے تو ان کی بڑائی ختم ہو جاتی ہے شکسپیر اور سعدی کا شمار دنیا کے چوٹی کے ادیبوں میں ہوتا ہے

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیش کش

ہو سکتا ہے کہ ان میں بہت سی اور خوبیاں بھی ہوں۔ لیکن جس پہلو نے ان کو عام سطح سے اوپر اٹھایا ہے وہ ان کا ادب ہے۔ اگر آپ ان کے ادب کو ان سے چھین لیں تو وہ آپ کو عام انسانوں کی صف میں نظر آئیں گے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ کیا کہ وہ خدا کے رسول ہیں۔ اس دعویٰ سے پہلے بھی آپ عظیم شخصیت کے مالک تھے، آپ کا اخلاق مثالی اخلاق اور آپ کا کردار نمونہ کا کردار تھا لیکن آپ کی حقیقی عظمت آپ کے رسول ہونے میں چھپی ہوئی ہے، آپ کی عظمت کم ہو جاتی ہے جب ہم آپ کے دعویٰ رسالت کو آپ سے الگ کر لیتے ہیں اور جب اس دعویٰ کے ساتھ آپ کی شخصیت کا مطالعہ کرتے ہیں تو کہنا پڑتا ہے۔ ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اگر ہم یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ رسول کی حیثیت میں آپ کیا تھے، آپ نے کیا کہا اور کیا کیا؟ تو ہم آپ کی حقیقی عظمت کو سمجھنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

انسان اگر مخلص اور سنجیدہ ہے تو وہ اپنے بارے میں جو رائے قائم کرے گا وہ دوسروں کی قائم کردہ رائے سے زیادہ صحیح ہو گی۔ اس لحاظ سے آپ کے ارشادات اور تعلیمات کی روشنی میں آپ کی زندگی کا مطالعہ زیادہ بہتر اور مفید ہو گا۔ اس مضمون میں ہم اس کی کوشش کریں گے

مقصد بعثت

آپ کو رسول کی حیثیت سے جو کام انجام دینا ہے اور جس مقصد کے لئے آپ رسول بنائے گئے ہیں اس کو آپ نے مختلف مواقع پر ظاہر فرمایا ہے۔ آپ کا ایک ارشاد ہے۔

كلّ أمّتي يدخلون الجنّة إلّا من أبى قيل ومن أبى قال من أطاعني دخل الجنّة ومن عصاني فقد أبى

(بخاری)

دنیا کی جس قوم تک بھی میری دعوت پہنچے گی اگر وہ اس کو قبول کرلے تو وہ جنت میں داخل ہو گی البتہ وہ لوگ جنت میں نہیں داخل ہوں گے جنہوں نے میری دعوت کا انکار کیا۔ آپ سے سوال کیا گیا انکار کرنے کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا۔ انکار سے مراد ہے میری نافرمانی۔ جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری اطاعت سے انکار کیا وہ جہنم میں جائے گا۔

یہ آپ کی طرف سے اس بات کا اعلان ہے کہ خدا کے ہاں انسانوں کی قسمت کا فیصلہ اس بنیاد پر ہوگا کہ کون آپ کی اطاعت کرنے والا ہے اور کون آپ کا نافرمان ہے۔ خدا کی

رحمت کے مستحق ہونے اور اس کے عذاب سے نجات پانے کی سوائے اس کے اور کوئی صورت نہیں ہے کہ آدمی آپ کو اپنا قائد مان لے اور آپ کے پیچھے چل پڑے۔ جو شخص آپ کی راہنمائی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے خدا کی رحمت کے دروازے اس کے لئے بند ہیں۔

اس ارشاد سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ آپ کے انکار کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ کسی کے سامنے آپ کا دعویٰ رسالت پیش ہوا اور وہ آپ کو رسول نہ مانے بلکہ یہ بھی اپنی روح اور حقیقت کے لحاظ سے انکار ہی ہے کہ ایک شخص اپنی زبان سے تو آپ کو خدا کا رسول مانتا ہو لیکن ساتھ ہی اس کا یہ حال ہو کہ اس کو آپ کی اطاعت کی دعوت دی جائے تو وہ اس کیلئے آمادہ نہ ہو۔ اس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو زندگی کے تمام معاملات میں حکم بنانے کے لئے کہا جائے اور وہ آپ کا حکم نہ بنائے۔ اس کو یہ بات یاد دلائی جائے کہ تمہارے قائد و راہنما محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لئے ان ہی کی پیروی تمہیں کرنا چاہئے لیکن وہ دوسروں کی قیادت کو اپنے لئے پسند کرے۔ اس میں شک نہیں کہ دونوں کا انکار ایک درجہ کا نہیں ہے۔ پہلا شخص آپ کی مخالفت کرتا ہے اور اسی کو حق سمجھتا ہے۔ اور دوسرا شخص آپ کی مخالفت کو جائز نہیں سمجھتا لیکن عملاً وہی کرتا ہے جو اس کو نہیں کرنا چاہئے۔ ایسے شخص کو معلوم ہونا چاہیئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے نہیں آئے تھے کہ لوگوں سے اپنی رسالت اور پیغمبری کا اعتراف کرائیں اور اپنی تعریف اور منقبت میں قصیدے پڑھوائیں۔ بلکہ آپ خدا کی راہ دکھانے آئے تھے، جو شخص اس مقصد میں آپ کی پیروی نہیں کرتا وہ عملاً آپ کی تکذیب کر رہا ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق و باطل کے درمیان خط امتیاز ہیں۔ حق آپ کی ذات کے ساتھ وابستہ ہے۔ جس راہ پر آپ کے نقش پا نہیں ہیں وہ باطل کی راہ ہے۔ آپ کی تعلیمات، آپ کے فیصلے، آپ کے معاملات، آپ کے اخلاق ہر چیز نشان راہ ہے جس کی مدد سے انسان خدا تک پہونچ سکتا ہے۔ آپ کی زندگی خود ان طرف سے قائم کردہ میزان ہے جس پر اپنے آپ کو تول کر آدمی معلوم کر سکتا ہے کہ وہ کس حد تک خدا پرست ہے۔

ایک مرتبہ آرام فرما رہے تھے کہ فرشتے آپ کے پاس آئے اور آپس میں اس طرح گفتگو کرنے لگے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بارے میں ایک مثال دی جا سکتی ہے۔ چلو وہ مثال آپ کو سنا دی جائے۔ اس کے بعد چند فرشتوں نے کہا کہ اس وقت آپ سو رہے ہیں، لیکن دوسروں نے کہا نہیں آنکھیں سو رہی ہیں دل جاگ رہا ہے۔ انہوں نے کہا آپ کی مثال ایسی ہے

جیسے کوئی گھر بنائے اور اس میں دعوت کا انتظام کرے پھر لوگوں کو بلانے کے لئے کسی بلانے والے کو بھیجے جو شخص بلانے والے کی بات مان لے وہ گھر میں آئے گا اور دعوت میں شریک ہوگا اور جو بلانے والے کی بات نہ مانے وہ نہ تو گھر میں داخل ہو سکے گا اور نہ دعوت میں شریک ہوگا۔ پھر فرشتوں نے اس مثال کی تشریح کی۔ (گھر بنانے والا خدا ہے) اور گھر سے مراد جنت ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم گھر والے کی طرف سے داعی۔ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے وہ حقیقت میں خدا کی اطاعت کرتا ہے۔ اور جو آپ کی نافرمانی کرتا ہے وہ خدا کی نافرمانی کرتا ہے۔ آپ مومن اور کافر کے درمیان فرق کرنے والے ہیں " (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی اصل حیثیت یہ ہے کہ آپ خدا کے مقرر کردہ داعی ہیں۔ آپ اس لئے بھیجا گیا ہے کہ خدا کی طرف انسانوں کو بلائیں۔ آپ انسانوں کو یہ بتانے آئے ہیں کہ خدا کی جنت ان کو کب ملے گی اور ان کی کونسی روش ان کو جہنم میں پہنچا دے گی۔ اسی کو قرآن و حدیث کی اصطلاح میں " انذار " کہا جاتا ہے " انذار " یہ ہے کہ انسان کو اس کے انجام سے آگاہ کر دیا جائے اس کو بتا دیا جائے کہ آخرت میں اس کا رب اس کے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہے۔

آپ کو خدا کی طرف سے حکم ہوا۔ " وانذر عشیرتک الاقربین " (اپنے خاندان کے قریب کے لوگوں کو ڈراؤ) تو آپ اس کی تعمیل کے لئے کھڑے ہو گئے۔ آپ نے قریش کے تمام قبائل کو جمع کیا اور ان سے سوال کیا۔

أرأيتم لو أخبرتكم أن خيلا تخرج من سفح هذا الجبل تريد أن تغير عليكم أكنتم مصدقي قالوا نعم ما جربنا عليك إلا صدقا قال فإني نذير لكم بين يدي عذاب شديد (بخاری مسلم)

بتاؤ اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کے دامن سے ایک فوج تم پر حملہ کرنے کے ارادے سے آگے بڑھ رہی ہے تو کیا تم میری بات کو صحیح مانو گے؟ لوگوں نے کہا ہاں ہم صحیح مانیں گے کیونکہ ہمیں کبھی اس کا تجربہ نہیں ہوا کہ آپ نے جھوٹ کہا ہو۔ آپ نے فرمایا اگر تم مجھے سچا مانتے ہو، سنو خدا کا عذاب آنے والا ہے اور میں اس کے آنے سے پہلے تمہارے پاس خدا کا نذیر بن کر آیا ہوں۔

آپ نے ایک دوسرے موقعہ پر اسی بات کو اور زیادہ واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔

إنما مثلي ومثل ما بعثني الله كمثل رجل أتى قوما فقال يا قوم إني رأيت الجيش بعيني وإني أنا النذير العريان فالنجاء

میری اور اس کام کی مثال جس کے لئے اللہ نے مجھے بھیجا ہے ایسی ہے جیسے ایک شخص کسی قوم کے پاس جائے اور اس سے کہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے فوج کو دیکھا ہے اور وہ

بدبختی ہے کہ جگائے جانے کے باوجود غفلت میں پڑا رہا۔ کامیابی و ناکامی کی راہ اس پر کھل چکی۔ لیکن اس نے ناکامی ہی کو پسند کیا۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری رسول ہیں آپ نے وہی کام کیا جو آپ سے پہلے خدا کے دوسرے رسول کرتے رہے۔ آپ کے رات اور دن انسانوں کو ان کے انجام کی اطلاع دینے میں صرف ہو گئے۔ آپ کے دور رسالت کا ایک ایک لمحہ اس فکر میں گزرا کہ کوئی خدا کا بندہ خدا کے عذاب کی زد میں نہ آ جائے۔ انسانوں کو خدا کے عذاب سے بچانے کے لئے آپ کی مسلسل جدوجہد اور بے پناہ تڑپ کا حال خود آپؐ کی زبان سے سنئے۔

میری مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے آگ جلائی جب وہ خوب بھڑک اٹھی اور ماحول میں روشنی پھیلنے لگی تو چاروں طرف سے اس میں پروانے گرنے لگے۔ یہ ان کو روک رہا ہے لیکن وہ اس پر غالب آئے چلے جا رہے ہیں اور اس میں بے تحاشہ گھس رہے ہیں۔ میری اور تمہاری مثال بھی یہی ہے۔ میں تمہاری کمروں میں ہاتھ ڈالے تم کو جہنم سے روک رہا ہوں اور آواز دے رہا ہوں کہ آگ سے بچو لیکن تم مجھ پر غالب آ جاتے ہو اور اسی جہنم میں ٹوٹے پڑ رہے ہو۔ (بخاری و مسلم)

اتمام حجت کے بعد

خدا کا رسول جب اس طرح انسانوں پر حجت تمام کر دیتا ہے تو وہ کامیاب ہے خواہ اس زمین پر بالکل تنہا اپنا کام کرتے ہوئے وہ خدا کے حضور پہنچ جائے اور کوئی ایک متنفس بھی اس کا ساتھ نہ دے۔ حق اگر واضح ہو گیا ہے اور رسول پورے دلائل کے ساتھ انسانوں کو ان کے انجام کی اطلاع دے چکا ہے تو کوئی شخص شخص اپنی باطل پرستی کے لئے عذر نہیں پیش کر سکتا۔ اب اگر لوگ رسول کی بات مان نہیں رہے ہیں تو یہ رسول کی کوتاہی نہیں ہے بلکہ یہ ان کی ضد اور ہٹ دھرمی ہے۔ خدا کا رسول اپنے مولی سے صاف عرض کر دے گا خدایا میں نے ان کو تیری طرف بلانے کی اپنی ساری کوشش صرف کر دی لیکن ان کے دل کے دروازے نہیں کھلے میں ان سے مایوس ہوں۔ اب تو ان پر اپنا فیصلہ نافذ کر دے۔

خدا کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "رسولوں میں ایسے رسول بھی گزر چکے ہیں کہ ان کی قوم میں سے ایک فرد نے بھی ان کی تصدیق نہیں کی" (مسلم) کون کہہ سکتا ہے کہ ان رسولوں میں سے کوئی رسول ناکام رہا۔ ہمارا ایمان ہے کہ خدا کے نزدیک رسول کا مقام ہر اس شخص سے بلند ہے جو رسول نہیں ہے۔ اس نے اپنی ساری قوتیں صرف کر دیں اور جدوجہد کا

حق ادا کر دیا اس لئے خدا کی نعمتوں کا وہ سب سے زیادہ حقدار ہوگا۔ خواہ دنیا کے کسی ایک فرد نے بھی اس کو خدا کا رسول نہ مانا ہو۔

نظریہ عمل کے لئے ہے

یہاں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ انسانوں کو خدا کی طرف بلانا اور ان کو ان کے انجام سے باخبر کرنا محض کوئی نظریاتی چیز نہیں ہے بلکہ یہ ایک خاص فکر ہے جو مخصوص طرزِ عمل کا مطالبہ کرتا ہے۔ دنیا اگر رسول کی دعوت کو رد نہیں کر رہی ہے بلکہ اس کی طرف جھکتی ہے اور اس کو قبول کرتی ہے تو یہ دعوت محض تبلیغ دار نشاد نہیں رہے گی بلکہ یہ جیسے جیسے پھیلتی جائے گی اس کی ظاہری شکلیں بدلتی رہیں گی لیکن اس سے اصل حقیقت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ وہ شروع میں بھی دعوت ہی ہوتی ہے اور آخر میں بھی دعوت ہی ہوتی ہے۔ اگر خدا کے رسول کی پکار کا ایک انسان بھی جواب نہ دے اور وہ قتل کر دیا جائے تو بھی وہ دعوت ہی کا کام کرتے ہوئے دنیا سے جاتا ہے اور اس وقت بھی وہ دعوت ہی کا کام کرتا ہے جب کہ وہ قاضی بن کر انسانوں کے درمیان خدا کی مرضی کے مطابق فیصلے کرتا ہے۔ کوئی دعوت کسی بھی مرحلہ میں اگر دعوت نہ رہے تو سمجھئے کہ اس نے اپنی اصل حیثیت کھو دی۔ اب اس کے سامنے وہ مقصد نہیں رہا جس کے لئے وہ وجود میں آئی تھی۔

آپ کس نظریہ کے داعی ہیں اور وہ نظریہ محض خیالی فلسفہ نہیں ہے بلکہ اس کا عملی زندگی سے بھی تعلق ہے تو لازماً وہ بہت سے سوالات پیدا کرے گا۔ یہ سوالات نظری بھی ہوں گے اور عملی بھی ہوں گے۔ اس نظریہ کے ماننے والے مطالبہ کریں گے کہ آپ اس کی علمی وضاحت کریں اور جن لوگوں نے ابھی اس نظریہ کو قبول نہیں کیا ہے وہ اس کو فکر و فلسفہ کے میدان میں سمجھنا چاہیں گے۔ آپ کے لئے ضروری ہوگا کہ اس نظریہ سے متعلق فکری و عملی دونوں طرح کے سوالات کا جواب دیں۔ اس وقت آپ اس نظریہ کے شارح بن کر لوگوں کی فکری الجھنیں بھی رفع کریں گے، سیاستداں بن کر ان کے معاملات کو حل بھی کریں گے، معمارِ تہذیب بن کر ایک نئی تہذیب کی تعمیر میں بھی مصروف ہوں گے لیکن ان مختلف کاموں سے آپ کے داعی ہونے کی حیثیت ختم نہیں ہو جائے گی بلکہ اور مستحکم ہوگی۔

ٹھیک اسی طرح خدا کے رسول کی دعوت جب وسعت اختیار کرتی ہے تو اس کے سامنے بے شمار سوالات کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس دعوت کے ماننے والوں کی تہذیب، معاشرت

اخلاق اور معاملات میں کونسی چیز اس دعوت سے مطابقت رکھتی ہے اور کونسی چیز اس سے ٹکرا رہی ہے؟ ان کے لئے زندگی کا کونسا نقشہ صحیح ہے اور کونسا نقشہ غلط ہے؟ جو لوگ اس دعوت کو مان نہیں رہے ہیں ان کے ساتھ وہ کیا معاملہ کرے؟ صلح کے کیا اصول ہوں اور جنگ کن بنیادوں پر ہو؟ خدا کا رسول اس مرحلہ میں خدا کی طرف سے تہذیب و تمدن کا ایک پورا نقشہ پیش کرتا ہے۔ اس وقت اس کی دعوت میں اخلاق و معاشرت کی تعلیم بھی ہوتی ہے۔ لین دین کے اصول بھی ہوتے ہیں، حدود و تعزیرات کی تفصیل بھی ہوتی ہے۔ صلح و جنگ کے قواعد بھی ہوتے ہیں۔ اب آپ دیکھیں گے کہ خدا کا رسول انذار و تبشیر بھی کر رہا ہے۔ اپنے افراد کو منظم بھی کر رہا ہے۔ ان کے ذریعہ اپنا پیغام دوسروں تک پہونچانے کا کام بھی لے رہا ہے۔ ان کے درمیان عدالت بھی قائم کئے ہوئے ہے۔ خدا کے دشمنوں سے صلح اور جنگ بھی کر رہا ہے۔ یہ سب کام وہ اپنے داعی ہونے کی حیثیت ہی میں انجام دیتا ہے۔ کبھی اس کی کوئی دوسری حیثیت نہیں ہوتی۔

حضور کی ہمہ گیر حیثیت

خدا کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اپنی بعثت کا مقصد یہ بیان کیا ہے کہ "إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْعُرْيَانُ" (میں کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں) وہاں اپنا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے۔ أَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللَّهُ بِيَ الْكُفْرَ (بخاری و مسلم) (میرا نام ماحی ہے۔ یعنی وہ جس کے ذریعہ اللہ کفر کو مٹاتا ہے) ایک طرف آپ یہ فرماتے ہیں مَنْ قَبِلَ مِنِّي الْكَلِمَةَ الَّتِي عَرَضْتُ عَلَى عَمِّي فَرَدَّهَا فَهِيَ لَهُ نَجَاةٌ (احمد) (میں نے جو کلمہ اپنے چچا کے سامنے پیش کیا اور جسے انھوں نے رد کر دیا اگر کوئی اس کلمہ کو قبول کرے تو وہ آخرت میں اس کے لئے نجات کا ذریعہ ہوگا) دوسری طرف آپ کا یہ بھی ارشاد ہے۔ أُرِيدُهُمْ عَلَى كَلِمَةٍ وَاحِدَةٍ تَدِينُ لَهُمْ بِهَا الْعَرَبُ وَتُؤَدِّي الْعَجَمُ إِلَيْهِمُ الْجِزْيَةَ (مسند احمد) (میں چاہتا ہوں کہ قریش ایک کلمہ قبول کرلے۔ اگر وہ اس کے لئے تیار ہے تو سارا عرب اس کا تابع ہو جائے اور عجم اس کو جزیہ دینے لگے) خدا کی طرف بلانے کے جرم میں آپ اور آپ کے ساتھی ہر وہ مصیبت جھیل رہے ہیں جس کا تصور بھی مشکل ہے لیکن آپ خوش خبری دیتے ہیں کہ صبر کرو ان حالات میں انقلاب آنے والا ہے۔ وَاللَّهِ لَيُتِمَّنَّ هَذَا الْأَمْرَ حَتَّى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلَى حَضْرَمَوْتَ لَا يَخَافُ إِلَّا اللَّهَ وَالذِّئْبَ عَلَى غَنَمِهِ وَلَكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُونَ (بخاری) (خدا کی قسم یہ دین غالب آکر رہے گا، ظلم مٹ جائے گا اور سارے عرب میں اس حد تک امن و امان ہوگا کہ ایک

سوار صنعاء سے حضرموت تک تنہا سفر کرے گا اور اس کو سوائے خدا کے خوف کے یا اپنی بکریوں کے سلسلہ میں بھیڑیئے کے خطرے کے اور کوئی خوف یا خطرہ نہ ہوگا لیکن تم لوگ جلدی کر رہے ہو)
ایک شخص حضورؐ کے پاس آیا اور فقر و فاقہ کی شکایت کرنے لگا۔ اتنے میں دوسرا شخص پہنچا اس نے راستہ کے غیر محفوظ ہونے اور لوٹ مار عام ہونے کا شکوہ کیا۔ اس وقت عدی بن حاتم رضؓ وہاں موجود تھے آپ نے ان سے خطاب کر کے کہا۔ عدی تم شہر حیرہ سے واقف ہو گئے ہو اگر تمہاری زندگی باقی رہی تو دیکھو گے کہ ایک بوڑھیا حیرہ سے نکلے گی اور کعبہ کا طواف کر کے لوٹ جائے گی۔ سوائے خدا کے اور کسی کا خوف اسے نہ ہوگا۔ اگر تمہاری زندگی باقی رہی تو دیکھو گے کہ کسریٰ کے خزانے تمہارے ہاتھ میں ہیں۔ اگر تمہاری زندگی باقی رہی تو دیکھو گے کہ آدمی اپنا ہاتھ بھر کر سونا چاندی لے کر نکلے گا تاکہ کسی محتاج کو دے سکے لیکن کوئی محتاج اس کو نہ ملے گا (بخاری)

خدا کے داعی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک وقت وہ گزرتا ہے جب کہ سارا ماحول آپ کا دشمن ہے اور آپ کی بات سننے کے لئے بھی تیار نہیں ہے اور ایک وہ وقت آتا ہے جب کہ عرب پر خدا کا دین چھا گیا ہے اور مقدمات کے فیصلہ کا حق آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ کو خدا کی طرف سے حکم ہو رہا ہے۔ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰىكَ اللّٰهُ۔ (واللہ نے تمہیں جو بصیرت عطا کی ہے اس کے ذریعہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو) آپ یہ اعلان فرماتے ہیں۔ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَاِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَیَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ يَّكُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِهٖ مِنْ بَعْضٍ فَاَقْضِيَ لَهٗ عَلٰى نَحْوِ مَا اَسْمَعُ مِنْهُ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهٗ بِشَيْءٍ مِنْ حَقِّ اَخِيْهِ فَلَا يَاْخُذَنَّهٗ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهٗ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ (بخاری و مسلم)
(میں انسان ہوں، تم لوگ میرے پاس اپنے جھگڑے لے کر آتے ہو۔ ممکن ہے تم میں سے کوئی اپنے مقدمہ کو دوسرے سے زیادہ وضاحت اور چالاکی کے ساتھ پیش کرنے میں کامیاب ہو جائے اور میں اس کے بیان کے مطابق، اس کے حق میں فیصلہ دے دوں لیکن یاد رکھو اگر کسی شخص کے لئے میں اس کے بھائی کے چھوٹے سے حق کا بھی فیصلہ کردوں تو وہ اسے ہرگز نہ لے کیونکہ میں اس طرح جہنم کی آگ کا ایک ٹکڑا اس کے حوالہ کر رہا ہوں)

اس دعوت کے شروع میں آپ نے اور آپ کے ماننے والوں نے اس طرح فقر و فاقہ کی زندگی گزاری ہے کہ کوئی مدد کرنے والا تک نہیں تھا۔ لیکن اسی دعوت کی راہ میں ایک مرحلہ وہ بھی آتا ہے جب کہ اقتدار آپ کے ہاتھ میں ہے اور آپ اس پوزیشن میں ہیں کہ ہر حاجت مند کی حاجت پوری کر سکیں۔ اَنَا اَوْلٰى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهٖ فَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا اَوْ ضَيْعَةً فَاِلَیَّ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهٖ وَاَنَا مَوْلٰى مَنْ لَا مَوْلٰى لَهٗ (ابو داؤد) (میں ہر مومن سے

مرتبہ :- حافظ غفران احمد

مکاتیبِ مُبارکؐ

آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت بلکہ یوں کہئے کہ اسلام کی تاریخ کا ایک بہت بڑا باب مکاتیب و معاہدات نبوی میں پنہاں ہے۔ ان معاہدات کا کچھ حصہ دعوت کے پچھلے سیرت نمبر میں شائع ہو چکا ہے اس مرتبہ ہم مکاتیب شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

اب تک جو مکتوبات نبوی جمع ہو سکے ہیں ان کی تعداد تین سو کے قریب بتلائی جاتی ہے یہ خطوط دعوتی اور تبلیغی نوعیت کے بھی ہیں جو مختلف سرداران قبائل اور حکمرانوں کے نام لکھے گئے اور انتظامی نوعیت کے بھی ہیں جو عہدیداران مملکت اسلامی کو بھیجے گئے۔

ہم نے ان صفحات میں ۳۱ مکاتیب کا ترجمہ پیش کیا ہے ان میں سے ابتدائی پندرہ کی نوعیت دعوتی اور تبلیغی ہے اور بعد کے سولہ خطوط انتظامی امور سے متعلق ہیں۔

بتلایا جاتا ہے کہ ۶ھ میں جب حضور صلح حدیبیہ سے فارغ ہوئے، تو آپ نے عرب و اطراف عرب کے سرداروں اور بادشاہوں کی جانب توجہ فرمائی اور ضروری خیال فرمایا کہ ان کو بھی دعوت اسلامی پہونچا دی جائے، چنانچہ ایک دن آپ نے صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر فرمایا:-

"خداوند تعالیٰ نے مجھ کو تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اس لئے میرا ارادہ ہے کہ میں اسلام کی دعوت، امراء و سلاطین تک بھی پہونچا دوں، تاکہ پیغام ایزدی اور دعوت اسلامی سے دنیا کا کوئی شخص بھی محروم نہ رہے اور اس طرح سے خدا کی حجت اپنے بندوں پر پوری ہو۔"

محرم ۷ھ کی ایک صبح کو نماز فجر سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا کہ اب وقت آپہونچا ہے کہ میں تم کو اسلام کی دعوت کی خاطر مختلف ممالک کو بھیجوں، چنانچہ

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش

اسی سال بیک وقت آپ نے چھ مختلف بادشاہوں کے نام خطوط روانہ فرمائے۔ قاصدین کی روانگی سے قبل آپ نے حسب ذیل مختصر تقریر فرمائی :-

"یاد رکھو! تمہاری ساری زندگی امر بالمعروف میں صرف ہونی چاہیئے۔ جو شخص اہل دنیا کے ہر قسم کے معاملات میں شریک رہتا ہے اور ان کو امر بالمعروف کے ذریعہ خیر سے آگاہ نہیں کرتا اس پر خدا کی جنت حرام ہے۔ جاؤ، اور خداوند تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے، دنیا کے بادشاہوں کو اسلام کی دعوت پہونچا دو۔ تمہارا طرز عمل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں جیسا نہ ہونا چاہیئے کہ جب ان کو تبلیغ کے لئے مختلف شہروں کو روانہ کیا گیا تو انھوں نے اپنی سہولت پسندی کی وجہ سے قریب کے شہروں کا انتخاب کیا۔ اور ان مقامات تک جو نسبتاً دور تھے، پیغام خدا پہنچانے میں کوتاہی برتی۔ اور نفس کے اثر نے ان کو امر بالمعروف کے مقدس فرض سے روک دیا!"

آنحضور نے حضرت سلمان فارسیؓ کے اس مشورہ پر کہ شاہان عجم بغیر مہر کے کسی تحریر کو معتبر تسلیم نہیں کرتے۔ ایک انگشتری بنوائی۔ جس کے نگینہ پر (محمد رسول اللہ) اس طور پر کندہ تھا۔ تمام مکاتیب مبارک پر اسی سے مہر ثبت کی جاتی تھی۔ آنحضور کے ان مکاتیب اور فرامین میں ایک طرف ہم وہ سوز اور انسانیت کا وہ درد پا سکتے ہیں جو آخری شاہد کی حیثیت سے آپ کا حق تھا اور دوسری طرف ہم یہ بھی پائیں گے کہ رحمۃ للعالمین کا مفتوح قبائل اور اقوام کے ساتھ کیا طرز عمل تھا کسی مذہبی اسٹیٹ میں دیگر مذاہب کے ساتھ، رواداری کس طرح برتی جاسکتی ہے۔ مذہبی رواداری کا معیار اور اس کی حدود کہاں تک وسیع ہوسکتی ہیں گویا ہر وہ چیز اس مواد میں ڈھونڈی جاسکتی ہے جو ایک عظیم الشان اور انصاف پسند سلطنت کا لازمی جزو ہونا چاہیئے۔

فاتح قوموں نے مفتوح قوموں کے ساتھ کون سے ظلم نہیں توڑے۔ ان سے ان کی تہذیب چھین لی۔ ان سے ان کا مذہب چھین لیا، ضمیر چھین لیا۔ یہاں تک کہ ان سے ان کی زندگی چھین لی۔ ان کے ہر نقش کو پاؤں تلے روند ڈالا۔ لیکن وہ پھر بھی اپنے آپ کو ترقی یافتہ اور مہذب اقوام کہتی رہیں چاہے وہ یونانی و رومی ہوں، چاہے بابل و نینوا کے تاجدار۔ اور چاہے نازی جرمنی کے حکمراں، ہر دور میں یہی ہوتا رہا۔ طاقت نے اندھا کردیا جیسا کہ وہ کرتی رہی ہے اور انسان اپنی حقیقت بھول گیا جیسا کہ وہ اپنے آپ کو بھولتا رہا ہے۔

لیکن ـــــ یہاں آپ کو کوئی ایسی بات نہیں ملے گی۔ نہ یہاں ملک گیری کی ہوس ہے، نہ حصول اقتدار کا جذبہ، جو کچھ ہے صرف خدا کے نام کی بلندی کے لئے ہے۔ ہر عمل کے پیچھے ایک جذبہ ہے

ایک درد ہے کہ سب انسان ایک خدا کو ماننے لگیں، خدا کے احکام پر چلنے لگیں، اس کی شریعت کی پیروی کرنے لگیں۔ اور اس طرح سے سب انسان ایک ہو جائیں، پیار و محبت سے رہنا سیکھیں ۔۔۔ یہاں نفس کی خاطر کچھ نہیں۔ اس لئے یہ سب برائیاں بھی نہیں۔ یہاں فاتح اور مفتوح دونوں برابر پائے جائیں گے۔ دونوں کو انسان سمجھا جاتا ہے۔ دونوں کو معاملات اور تعزیرات میں مساوی حیثیت حاصل ہے۔ غیر مذہب رکھنے والوں کو اپنے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت ہے۔ کوئی بیجا گرفت نہیں، معافی و درگذر کا برتاؤ ہے قرآن کریم نے سچ کہا ہے وما ارسلناك الا رحمۃً للعلمین۔ آپ اہل عالم کے لئے سراپا رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

محرم ۷ھ میں جن چھ بادشاہوں کے نام آپ نے ایک ہی وقت میں خطوط روانہ فرمائے ان کا ترجمہ پہلے دیا جا رہا ہے۔

(۱) نجاشی کے نام

شاہ حبش اصحمہ نجاشی، نصرت اسلامی کے سلسلہ میں، اسلامی تاریخ میں کافی مشہور ہے۔ ملک حبش ہی کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ مسلمانوں کا سب سے پہلا دار الہجرۃ بنا۔ ان کے پاس آپ نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری کو نامہ مبارک دے کر روانہ فرمایا۔ نامہ مبارک کا ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

"یہ خط رسول خدا محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب سے، شاہ حبشہ نجاشی کے نام ہے تم پر سلامتی ہو۔ میں تم کو اس خدا کی حمد سناتا ہوں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ سارے عالم کا مالک ہے۔ برگزیدہ اور سراپا سلامتی ہے۔ پناہ دینے والا ہے، محافظ ہے، اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) خداوند تعالیٰ کی روح اور کلمہ ہیں۔ جس کو اس نے حضرت مریم، جو کہ بتول طیبہ اور پاکدامن ہیں، کی جانب القاء کیا کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ بنیں۔ پس خداوند تعالیٰ ہی نے حضرت عیسیٰ کو اپنی روح سے پیدا کیا اور اس کو حضرت مریم کے رحم اطہر میں پھونک دیا جیسا کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی قدرت سے تخلیق فرمایا تھا۔ اب میں تم کو خدائے لاشریک، اس کی اطاعت، مودت و محبت کی جانب دعوت دیتا ہوں۔ اور اپنے اتباع کی طرف بلاتا ہوں۔ میں جو خدا کا پیغام لے کر آیا ہوں، تم اس پر ایمان لے آؤ۔ میں تم کو اور تمہارے لشکر کو خداوند تعالیٰ کی جانب دعوت دیتا ہوں۔ پس میں نے تبلیغ اور نصیحت کا فرض انجام دے دیا۔ اب تم کو چاہیئے کہ اس پیغام کو قبول کر لو۔ اور اس پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کو اختیار کیا"!!

اصحمہ نے نامہ مبارک کو سننے کے بعد انتہائے شوق میں بوسہ دیا اور تعظیماً سر پر رکھ لیا اس کے بعد حضرت جعفر طیارؓ کو بلایا، جو کہ دیگر مہاجر صحابہ کرام کے ساتھ وہیں قیام فرما تھے، اور ان کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا۔ نامہ مبارک کے جواب میں ذیل کا عرض نامہ لکھوایا:۔

"یہ خط اصحمہ نجاشی کی جانب سے: محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نام ہے۔ اے رسول خدا! آپ پر اس خدا کی جانب سے رحمت اور سلامتی ہو۔ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور وہی ہستی ہے جس نے مجھے اسلام کا راستہ دکھلایا، اما بعد! اے خدا کے نبی! آپ کا مکتوب گرامی ہمدست ہوا۔ مکتوب مبارک میں آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو کچھ ارقام فرمایا ہے، میں خداوند کائنات کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صحیح مقام و مرتبہ یہی ہے۔ ہم نے آپ کی ان تمام باتوں کو غور و فکر سے سنا اور سمجھا جو آپ نے ہم تک پہونچائی ہیں۔ آپ کے ابن عم اور ان کے دیگر ساتھی ہمارے خاص آدمیوں میں سے ہیں۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ خدا کے سچے رسول ہیں۔ میں نے آپ سے اور آپ کے چچازاد بھائی سے بیعت کر لی۔ اور ان کے ہاتھ پر اللہ رب العلمین پر ایمان لے آیا۔ اور اے خدا کے رسول! میں آپ کی خدمت علیا میں اپنے بیٹے کو روانہ کر رہا ہوں، اور اگر آپ خواہش فرما ہوں تو میں خود ہی حاضر ہو جاؤں گا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" (طبری جلد اول)

تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ اصحمہ نے اپنے بیٹے اَرہا کو بہت سے ہمراہیوں کے ساتھ خدمت اقدس میں روانہ کیا تھا۔ لیکن دریا کی طغیانی میں ساری کشتیاں غرق ہو گئیں اور اَرہا اپنے ساتھیوں سمیت ڈوب گیا۔ قاصد رسول حضرت عمرو بن امیہ کی کشتی بچ گئی۔ اور آپ نے صحیح سلامت، خدمت میں حاضر ہو کر اصحمہ کا خط پیش کیا۔ حضرت علیؓ کی تحریک پر آنحضورؐ نے اصحمہ کے خط کے جواب میں ایک تہنیت نامہ لکھوایا جس کو حضرت عمرو بن امیہ ہی دوبارہ حبشہ لے گئے۔ خط کا مضمون مختصراً حسب ذیل ہے:۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ تم نے ہمارے ساتھ احسان کا برتاؤ کیا۔ ہم کو تم پر اعتماد ہے۔ اس لئے کہ ہم نے تم سے جس بات کی توقع رکھی تھی وہ پوری ہوئی، اور جس بات کا خوف تھا اس سے محفوظ رہے، اور خدا ہی کے ہاتھ میں توفیق ہے"

ابن سعد، طبری اور دیگر سیرت نگاروں کا خیال ہے کہ ان دونوں خطوں کا تعلق ایک ہی نجاشی سے ہے۔ جس کا نام اصحمہ تھا۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جس کی غائبانہ نماز جنازہ بھی

(باقی اگلے صفحے پر دیکھیے)

۲ - قیصر روم ہرقل کے نام

اس سفارت پر حضرت دحیہؓ کلبی کو متعین کیا گیا۔ اس زمانہ میں ہرقل بیت المقدس میں مقیم تھا۔ حضرت دحیہؓ نے حاکم بصرہ کی وساطت سے دربار قیصر میں رسائی کی، اور نامۂ مبارک پیش فرمایا:-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - یہ خط اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے، شاہ روم ہرقل کے نام ہے - اس پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ بعد حمد و صلوٰۃ، میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر تم اسلام قبول کر لو تو تمام آفات سے محفوظ رہو گے۔ اور خداوند تعالیٰ تم کو دوگنا ثواب مرحمت فرمائے گا۔ اور اگر تم نے روگردانی کی تو تمام رعایا کی ذمہ داری تم پر عائد ہوگی۔ اے اہل کتاب! اس کلمہ کی جانب آؤ، جو ہمارے اور تمہارے درمیان مساوی ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرینگے اور نہ ہی کسی کو اس کا شریک بنائیں گے۔ اور نہ ہم خدا کے مقابلہ میں ایک دوسرے کو اپنا رب ٹھہرائیں گے۔ اور اگر تم کو اس سے انکار ہے تو تم شہادت دینا کہ ہم مسلمان ہیں "

(بخاری شریف جلد اول)

ہرقل نے نامہ مبارک سننے کے بعد حضرت دحیہؓ سے کہا میری قوم اس معاملہ میں انتہائی سخت ہے۔ لہٰذا تم میرا خط حاکم رومیہ ضغاطہ کے نام لے جاؤ، مذہبی حیثیت سے وہ اسقف کا درجہ رکھتا ہے۔ وہ اگر اس کی تائید کر دے گا تو قوم پر اچھا اثر پڑے گا - ابن سعد کی روایت کے مطابق آنحضور نے ضغاطہ کے نام بھی ایک خط تحریر فرمایا تھا اور حضرت دحیہؓ کے ساتھ ہی کر دیا تھا۔ ضغاطہ کے نام جو نامۂ مبارک ارقام فرمایا تھا وہ موقع پر ملاحظہ فرمائیں۔

پڑھائی تھی - لیکن مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت کا تعلق دو مختلف نجاشیوں سے ہے۔ ایک تو وہ نجاشی جس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی - اور دوسرا وہ نجاشی جس کے پاس عمرو بن امیہ کو سفیر اسلام بنا کر بھیجا گیا۔ حافظ ابن حجرؒ عسقلانی، حافظ ابن قیمؒ اور زرقانی وغیرہ اسی مسلک کی تائید میں گئے ہیں۔ واللہ اعلم بالتوفیق (باقی اگلے صفحے پر دیکھیے)

۳۔ کسریٰ کے نام

خسرو پرویز کسریٰ کے نام جو خط روانہ کیا گیا۔ اس کو حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ لے کر گئے :۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ یہ خط رسول خدا، محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے شاہ فارس کسریٰ کے نام ہے ۔ جس نے ہدایت کی پیروی کی، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا، اس پر سلامتی ہو۔ اور میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اور میں تمام لوگوں کی جانب خدا کا پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں تاکہ ہر زندہ شخص کو خدا کا پیغام پہونچا دیا جائے ۔ اسلام قبول کر لو محفوظ رہو گے، اور اگر تم انکار کرتے ہو تو تمام مجوسیوں کی ذمہ داری تم پر عائد ہوگی ۔" (یعنی ان کے شرک کا وبال تم پر پڑے گا)　　(طبری جلد اول ، دلائل النبوۃ)

عجمی دستور کے مطابق اپنا نام آنحضور سے پہلے لکھا ہوا نہ دیکھ کر کسریٰ نے نامہ مبارک کو پرزہ پرزہ کر دیا، چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے :۔

" حضرت ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ کے نام خط روانہ فرمایا۔ کسریٰ نے جب اس کو پڑھا تو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ آنحضور نے ایرانیوں کے حق میں بد دعا فرمائی کہ وہ بھی پوری طرح سے پراگندہ اور منتشر ہو جائیں "

مسلم شریف کی روایت ہے :۔

" کسریٰ کی موت کے بعد، کوئی کسریٰ نہ ہوگا ۔ قیصر کی ہلاکت کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا ۔
(باقی اگلے صفحے پر دیکھیے)

" تاریخی روایات، اکثر اس بات کے حق میں جاتی ہیں کہ قیصر ایمان نہیں لایا ۔ جس زمانہ میں قیصر بیت المقدس میں مقیم تھا ۔ حضرت ابو سفیان بھی سلسلۂ تجارت وہیں قیام فرما تھے ۔ اور اس وقت حالت کفر میں تھے ۔ قیصر نے اس حجازی قافلہ کو بلا کر نبی بعوث کے بارے میں سوالات کئے تھے ۔ یہ طویل مکالمہ تاریخ کی کتابوں میں عموماً موجود ہے ۔ بخوف طوالت یہاں اس کو حذف کر دیا جاتا ہے ۔

۴۔ شاہ یمامہ کے نام

یمامہ، عمان اور یمن سے متصل ایک علاقہ کا نام تھا یہاں کسریٰ کی جانب سے ایک گورنر ہوا کرتا تھا۔ آنحضور کے زمانہ میں ہوذہ بن علی یہاں کا گورنر تھا۔ اس کے پاس سلیط بن عمرؓ نامی صحابی نامہ مبارک لے گئے۔ نامۂ مبارک حسب ذیل ہے :۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ خط منجانب محمد رسول اللہ، بنام ہوذہ بن علی :۔
اس پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی ۔ یہ بات جان لو کہ میرا دین عنقریب ہی ساری دنیا پر غالب آجائے گا۔ لہٰذا تم اسلام قبول کر لو، محفوظ رہو گے اور تمہارا ملک تمہارے ہی قبضہ میں رہے گا "

ہوذہ نے نامہ مبارک سن کر، چند تحائف سفیر کے حوالے کئے اور ساتھ ہی ایک جواب بھی، جو حسب ذیل ہے :۔

"جس دین کی جانب آپ بلاتے ہیں وہ بہت ہی اچھا اور خوب ہے میں اپنی قوم کا مشہور شاعر اور خطیب ہوں اور اہل عرب مجھ کو ایک خاص مقام دیتے ہیں اگر آپ مجھ کو بھی اپنی حکومت میں شریک بنالیں تو میں آپ کے اتباع کیلئے تیار ہوں " (ابن سعد)
اس احمق شخص نے ایک نبی اور اس کی دعوت کو بھی دنیا پرستانہ نقطہ نظر سے دیکھا۔ چنانچہ آنحضور نے خط سن کر ارشاد فرمایا :۔

"اگر وہ مجھ سے اس طور پر زمین کا ایک چپہ بھی مانگے گا تو میں اس کو نہ دوں گا، وہ اور اس کی حکومت دونوں تباہ و برباد ہو جائیں گے "

ہوذہ سعادت اسلام سے محروم رہا۔ یمامہ ہی سے، بعد میں مسیلمہ کذاب جھوٹی نبوت کا دعویدار ظاہر ہوا ۔

اور اس ذات اقدس کی قسم، جو میری زندگی کا مالک ہے۔ کہ تم دونوں سلطنتوں کے خزانوں کو راہ خدا میں خرچ کرو گے "

تاریخ شاہد ہے کہ یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ کسریٰ کی سلطنت عہد فاروقی میں بالکلیہ ختم ہو گئی، اور رومی سلطنت کا بھی تمام ایشیائی حصہ مسلمانوں کے زیر نگیں آگیا ۔

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیش کش

۵۔ حارث غسّانی کے نام

شام کے ایک خاص حصہ پر آلِ غسان کی حکومت تھی۔ یہ خاندان اہلِ عرب سے تعلق رکھتا تھا۔ اس علاقہ کا خاص شہر دمشق تھا۔ اس زمانہ میں حارث ابن ابی شمر یہاں کا حکمراں تھا اس کے نام جو نامہ مبارک روانہ فرمایا گیا اس کو حضرت شجاع ابن وہبؓ لے کر گئے :-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ خط منجانب محمد رسول اللہ، بنام حارث بن ابی شمر،
جس نے ہدایت اختیار کی، اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی، اس پر سلامتی ہو
میں تم کو دعوت دیتا ہوں کہ اس خدا پر ایمان لے آؤ جو تنہا ہے اور جس کا کوئی
شریک نہیں، تمہارا ملک تمہارے ہی ہاتھ میں رہے گا"

(واقدی جلد اول، طبری جلد اول)

نامہ مبارک سن کر حارث کا پارہ چڑھ گیا، اور حملہ کی تیاری کرنے لگا۔ قیصر نے اس کو اس ارادہ سے باز رکھا۔ عہدِ فاروقی میں اس کی حکومت بھی ختم ہو گئی ۔

۶۔ شاہِ مصر مقوقس کے نام

اس سفارت پر حاطب ابن ابی بلتعہ کو روانہ کیا گیا۔ نامہ مبارک حسبِ ذیل ہے :-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ خط منجانب رسولِ خدا محمد صلے اللہ علیہ وسلم،
بنام شاہ قبط مقوقس !

اس پر سلامتی ہو۔ جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اما بعد! میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کرلو۔ سلامت رہوگے۔ اور خداوند تعالیٰ تم کو دوگنا اجر عنایت فرمائے گا اور اگر تم نے اسلام قبول نہ کیا تو قبطیوں کا گناہ بھی تمہاری گردن پر ہوگا (آیت) اے اہلِ کتاب! اس کلمہ کی جانب آؤ، جو ہمارے اور تمہارے درمیان مساوی ہے کہ ہم خدائے تعالےٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ ہی کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں، اور نہ ہم ایک دوسرے کو خدا کے مقابلہ میں رب تسلیم کریں اور اگر تم اس سے روگردانی کرتے ہو تو اے مسلمانو! ان نصاریٰ سے

(باقی اگلے صفحے پر دیکھیے)

۷۔ ہلال بن امیّہ کے نام

ہلال بن امیہ بحرین کے ایک خاص حصہ پر حکمراں تھا۔ نامہ مبارک حسب ذیل ہے :۔

"تم سلامت رہو۔ میں تم کو اس خدا کی حمد سناتا ہوں جو یکہ و تنہا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، اور تم کو خدائے واحد کی جانب بلاتا ہوں، تم اس پر ایمان لے آؤ اس کی اطاعت کر کے جماعت اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ کہ تمہارے لئے اسی میں بہتری ہے۔ اس پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی "

(ابن سعد جلد اول)

اس کا تذکرہ نہیں ملتا کہ ہلال نے اس کا کیا جواب دیا، اور آیا اسلام لایا بھی یا نہیں۔

۸۔ منذر بن ساویٰ کے نام

اس وقت بھی ریاست بحرین، عرب کی سواحلی ریاستوں میں شمار ہوتی تھی۔ نبی کریم ؐ کے عہد میں، یہاں پر آل منذر کی حکومت تھی۔ منذر بن ساویٰ کے نام حضرت علاء ابن الحضرمی اور حضرت ابوہریرہ کو پیغام اسلام پہونچانے کے لئے روانہ فرمایا۔ منذر نے نامۂ مبارک سن کر

کہدو کہ تم گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں "

نامۂ مبارک کو مقوقس نے ہاتھی دانت کے خانہ میں محفوظ کر دیا تھا۔ اور حضرت حاطب کو بلا کر اس کا یہ جواب حوالہ کیا تھا :۔

"خط بنام محمد صلے اللہ علیہ وسلم، منجانب شاہ قبط مقوقس!

میں نے آپ کا خط پڑھا اور جو کچھ آپ نے ارقام فرمایا ہے اور جس امر کی طرف آپ نے دعوت دی ہے اس کو میں نے اچھی طرح سمجھا۔ بے شک میں یہ جانتا ہوں کہ ابھی ایک نبی باقی ہیں، جو آنے والے ہیں لیکن میں سمجھتا تھا کہ وہ شام میں ظاہر ہونگے۔ میں نے آپ کے سفیر کا اکرام کیا۔ اور آپ کی خدمت میں دو لڑکیاں روانہ کرتا ہوں۔ اہل قبط ان کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ آپ کی خدمت میں کپڑا اور سواری کیلئے خچر روانہ کرتا ہوں۔ السلام علیک "

یہ وہ خطوط تھے جو ۷ھ میں بیک وقت سلاطین کو روانہ فرمائے گئے۔ چنانچہ اب وہ خطوط نقل کئے جاتے ہیں جو متفرق اوقات میں لکھے گئے۔

انتہائی مسرت کا اظہار کیا۔ اور اسلام لے آیا۔ اور حسب ذیل خط خدمت اقدس میں بھیجا جس میں ہجر نامی مقام کے لوگوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تھا :۔

"میں نے آپ کا خط پڑھا، جو اہل ہجر کے بارے میں تھا لیکن ان میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ جنھوں نے اسلام کو پسند کیا، اور اسے اچھا سمجھا۔ دوسرے وہ جنھوں نے ناپسند کیا۔ اور میرے ملک میں مجوسی و یہودی بھی رہتے ہیں۔ پس آپ ان کے بارے میں مجھ کو حکم فرمائیں" (ابن سعد)

آنحضورؐ نے اس کا حسب ذیل جواب مرحمت فرمایا :۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ خط منجانب محمد رسول اللہ، بنام منذر بن ساوی! تم پر خدا کی سلامتی ہو۔ میں تم کو اس خدا کی حمد سناتا ہوں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد اس کے بندے و رسول ہیں اما بعد! میں تم کو خدا کی جانب متوجہ کرتا ہوں۔ اس لئے کہ جو نصیحت اختیار کرتا ہے، وہ اپنی ہی بھلائی کرتا ہے۔ اور جو شخص میرے قاصدوں کی پیروی کرے گا اور ان کی بات مانے گا وہ حقیقت میں میرا اتباع کرے گا۔ جس شخص نے ان کی نصیحت کو قبول کیا اس نے میری نصیحت کو قبول کیا۔ میرے قاصدوں نے آپ کے حق میں بہت زیادہ خیر خواہی کی ہے اور وہ آپ کے مداح ہیں۔ میں تمہاری قوم کی تم سے سفارش کرتا ہوں۔ مسلمانوں کو ان کے حال پر رہنے دو، میں نے قصور واروں کو معاف کر دیا۔ لہٰذا تم بھی ان کو معاف کر دو اور تم جس امر کو اپنے لئے بہتر سمجھتے ہو۔ ہم اس میں کوئی دخل نہ دیں گے۔ تمہاری قوم میں جو یہودیت اور عیسائیت ہی پر قائم ہیں ان پر جزیہ لازم ہے "

اس نامہ مبارک کو اصلی حالت میں ایک فرانسیسی سیاح نے ۱۲۷۵ھ میں اطراف مصر سے حاصل کیا۔ اور سلطان عبد المجید خاں عثمانی کو تحفۃً پیش کیا۔

❖ ❖ ❖ ❖ ❖
❖ ❖ ❖
❖

۹۔ ضغاطر کے نام

قیصر روم کے خط میں، ضمناً یہ تذکرہ آگیا تھا کہ قیصر نے حضرت دحیہؓ کو ضغاطر کے پاس، اپنا ایک خط دے کر بھیجا تھا۔ ابن سعد نے طبقات میں یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریمؐ نے حضرت دحیہؓ کو رومیہ کے مشہور عیسائی عالم ضغاطر کے پاس دعوت نامہ دیکر روانہ فرمایا۔ ہو سکتا ہے کہ قیصر نے یہ سمجھ کر کہ دحیہ وہاں تو جا ہی رہے ہیں۔ اپنا بھی ایک خط دحیہ کو دے دیا ہو کہ ضغاطر کو پہونچا دیں۔ نامہ مبارک حسب ذیل ہے :۔

(آیت) " اس پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا " میرا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسٰی بن مریم (علیہما السلام) اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں۔ خدا نے اس کو پاک دامن مریم پر القا فرمایا، میں خدا پر ایمان رکھتا ہوں (آیت) اور اس کی ان کتابوں اور احکام پر بھی، جو ہم پر نازل کئے گئے، اور حضرت ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے اور میں ان کتابوں پر بھی اعتقاد رکھتا ہوں جو حضرت موسیٰ، عیسٰی پر اتاری گئیں، ہم نبیوں میں تسلیم کرنے کے سلسلہ میں، باہمی فرق نہیں کیا کرتے۔ ہم مسلمان ہیں۔ (آیت) ان پر سلامتی ہو، جو ہدایت کی پیروی کریں " (طبقات ابن سعد)

ضغاطر اسلام لاکر اپنی ہی قوم کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

۱۰۔ ہرمزان کے نام

فارس کے ایک خاص حصہ پر ہرمزان کی حکومت تھی۔ اس کے نام بھی آنحضورؐ نے پیغام ربانی بھیجا۔ نامہ مبارک حسب ذیل ہے :۔

" نامہ ہذا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، کی جانب سے ہرمزان کے نام ہے۔ میں تم کو اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ اسلام قبول کر کے سلامتی حاصل کر لو "

تاریخ سے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ ہرمزان نے اس خط کا جواب کبھی دیا، یا نہیں، ہرمزان حضرت عمرؓ کے زمانہ مبارک میں ایمان لے آیا تھا۔

❖　❖　❖

۱۱- یوحنّا کے نام

آج کل جس علاقہ کو عقبہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ پہلے اسی کا نام ایلہ تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں یہاں کا حاکم یوحنا تھا۔ آنحضور نے اسے اور دیگر سرداران ایلہ کو مخاطب کر کے حسب ذیل نامہ مبارک لکھا :-

"تم سلامت رہو! میں تمہارے سامنے اس خدا کی حمد کرتا ہوں جو واحد ہے، اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ میں اس وقت تک تمہارے ساتھ جنگ کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا جب تک کہ میری تحریر کے ذریعہ تم پر اتمام حجت نہ ہو جائے۔ تمہارے لئے بہتر ہے مسلمان ہو جاؤ یا پھر جزیہ دینے پر راضی ہو جاؤ۔ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اس کے قاصدوں کی پیروی کرو، ہمارے سفراء کا احترام کرو، اور ان کو ریشمی کپڑوں کے سوا دیگر پارچہ جات دو، اور زید (قاصد) کو خلعت سے نوازو، جن باتوں پر ان کو اتفاق ہوگا، مجھ کو بھی اتفاق ہوگا اور ان کو (قاصدوں کو) جزیہ کے بارے میں بتلا دیا گیا ہے، لہٰذا اگر تم یہ چاہتے ہو کہ خشکی اور تری میں امن رہے تو خدا اور اس کے رسول کی اطاعت اختیار کرو۔ اس صورت میں عرب و عجم دونوں کی یورش سے تم محفوظ ہو جاؤ گے۔ لیکن خدا اور اس کے رسول کا حق باقی رہے گا۔

اور اگر تم نے ان باتوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو پھر میں تمہارے ہدایا اور تحائف سے قطعی بے نیاز ہوں۔ اس صورت میں میں تم سے جنگ کروں گا، انجام کار چھوٹے گرفتار کر لئے جائیں گے، اور بڑے قتل۔ یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں، خدا اور تمام کتب سماویہ، اور انبیاء کرام سب پر ایمان رکھتا ہوں اور میرا اعتقاد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، خدا کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں، اس لئے تمہارے لئے مناسب یہ ہے کہ مصیبت سے قبل، تم ان امور کو اچھی طرح سمجھ لو میں نے قاصدوں کو بھی اس بارے میں اچھی طرح سمجھا دیا حرملہ (قاصد) میرے پاس تین وسق جو لائے تھے اور تمہارے حق میں سفارش کرتے تھے۔ اگر خدا کے حکم کی تعمیل پیش نظر نہ ہوتی۔ اور حرملہ کا تمہارے بارے میں جو حسن ظن ہے، اس کا خیال نہ ہوتا تو میں یہ خط و کتابت نہ کرتا، اور تم پھر لشکر ہی کو دیکھتے۔ اگر میرے سفیروں کی تم اطاعت کر لیتے ہو۔ تو میری اور میرے حلیفوں کی جانب سے ہر قسم کی امداد تم کو حاصل رہے گی اور

(باقی اگلے صفحے پر دیکھیے)

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیش کش

۱۲۔ سرداران حمیر کے نام

کبھی سارے یمن اور اس کے آس پاس کے علاقوں پر شاہانِ حمیر کی حکومت تھی، لیکن زمانہ اسلام میں ان کے قبضہ میں یمن کا صرف جنوبی حصہ رہ گیا تھا۔ اور چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی شکل میں یہاں پر مختلف سردار حکمرانی کرتے تھے۔ ان سرداروں کے نام حسب ذیل تھے۔ حارث، شریح، زرعہ اور نعمان، نعمان کے قبضہ میں ہمدان اور معافہ کا علاقہ تھا۔ زرعہ رعین پر حکمران تھا۔ ان کے پاس حضرت عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی رضی اللہ عنہ کو سفارت پر روانہ فرمایا گیا۔ نامہ مبارک حسب ذیل ہے:۔

"تم اس وقت تک محفوظ رہو، جب تک کہ خدا اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو، بیشک خدا ایک و تنہا ذات ہے، اسی نے حضرت موسیٰؑ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ مبعوث کیا اور حضرت عیسیٰؑ کو اپنے حکم سے پیدا کیا۔ اور یہود کہتے ہیں کہ حضرت عزیر خدا کے بیٹے ہیں۔ اور نصرانی کہتے ہیں، کہ حضرت عیسیٰ تینوں میں سے ایک ہیں اور خداوند تعالیٰ کے بیٹے ہیں (العیاذ باللہ) (ابن سعد)

سرداران حمیر نے اسلام قبول کر لیا۔ آنحضور نے ان کے قبول اسلام پر مسرت کا اظہار فرمایا اور ان کے نام ایک اور نامہ مبارک تحریر فرمایا جو اپنے موقع پر آئے گا۔

اچھی طرح جان رکھو کہ میرے قاصدین شرحبیل، ابی، حرملہ اور حریث بن زید کا فیصلہ میرا فیصلہ ہوگا۔ اور اس صورت میں تم خدا اور اس کے رسول کی پناہ میں آجاؤ گے۔ اگر تم نے اطاعت گزاری سے کام لیا تو تم پر سلامتی ہو، اور مقنا (مقام نقنا) کے یہودیوں کو ان کے اپنے مقام پر رہنے دو۔" (طبقات ابن سعد)

یوحنا مقام تبوک میں خود ہی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اور ہر بالغ مرد کی جانب سے سالانہ ایک دینار جزیہ دینا منظور کر لیا۔

غزوہ تبوک اسلامی تاریخ کے اہم معرکوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہاں پر رومیوں کو شکست فاش اٹھانی پڑی تھی۔ چونکہ جنگ کا زمانہ تھا؛ اس لئے نامہ مبارک میں جنگی انداز اختیار کیا گیا تھا۔

اس خط کو حضرت ابی بن کعب نے تحریر فرمایا تھا۔

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیش کش

۱۳۔ عامل عمان کے نام

عمان، رومی حکومت کے صوبہ بلقار کا خاص شہر تھا یہاں کے گورنر فروہ بن عمر الجذامی تھے، انھوں نے جب ایک نبی کے مبعوث ہونے کی خبر سنی تو غائبانہ اسلام لے آئے۔ اور اپنے اسلام کی اطلاع دینے کے لئے مسعود بن سعد کو چند ہدایا کے ساتھ، خدمت عالیہ میں بھیجا۔ نبی کریمؐ نے حضرت فروہ کے نام ذیل کا نامہ مبارک روانہ فرمایا :۔

"نامہ رسول خدا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) بنام فروہ بن عمرو ،

بعدہٗ واضح ہو کہ ہمارے پاس تمہارا قاصد پہونچا، اور جو ہدایا تم نے روانہ کئے تھے وہ اس نے پہونچا دیئے، اور تم سے قبل جو امور تھے، ان سے باخبر کیا، اس کے بعد تمہارے مسلمان ہونے کا واقعہ بیان کیا۔ اگر تم نیکی میں مشغول رہے، خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہے، نماز پڑھتے رہے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے، تو سمجھو کہ خداوند تعالیٰ نے تم کو اپنی ہدایت سے نواز دیا ہے " (ابن سعد)

قیصر کو جب، فروہ کے قبول اسلام کی خبر ہوئی، بڑا چراغ پا ہوا۔ اور فوراً ہی فروہ کو طلب کر کے کہا کہ اسلام ترک کر دو، انھوں نے انکار کیا تو جیل میں ڈال دیئے گئے۔ جب جیل کی سختیاں بھی، شمع ایمانی کو نہ بجھا سکیں تو قیصر نے آپ کو قتل کروا دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۱۴۔ مسیلمہ کذاب کے نام

ہوذہ بن علی کے ضمن میں اس کا تذکرہ آچکا ہے کہ مسیلمہ کا وطن بھی یمامہ ہی تھا۔ ہوذہ کے انتقال کے بعد مسیلمہ یہاں کا حاکم ہو گیا اور تخت نشین ہوتے ہی دعویٰ نبوت کر دیا، اس کے ساتھ اور بھی باشندگان یمامہ مرتد ہو گئے، آنحضور نے حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ کے ذریعہ پھر ایک بار اہل یمامہ اور مسیلمہ کو دعوت اسلام دی۔ اس نے عمرو بن جارود سے آپ کے نام یہ بغاوت آمیز خط لکھوایا :۔

" خط منجانب مسیلمہ رسول اللہ، بنام محمد رسول اللہ ، واضح ہو کہ) نصف ملک

(باقی اگلے صفحے پر دیکھئے)

روزنامہ دعوت دہلی خصوصی پیشکش

۱۵- بنی زہیر کے نام

سلاطین اور والیان ریاست کے ساتھ ساتھ آپ نے مختلف قبائل عرب کو بھی نامہائے مبارک ارسال فرمائے کہ ایمان لے آؤ، محفوظ ہو جاؤ گے۔ یہ قبائل عرب کے مختلف علاقوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ اور ان کو یکجا کر کے ایک عظیم طاقت کی شکل دینا، آنحضورؐ کا معجزہ تھا۔ عرب کے ان وحشی اور بدوی قبائل میں اعلیٰ درجہ کی صلاحیتیں پوشیدہ تھیں، آپ نے اسلام کے ذریعہ ان کو جلا دی اور ان کے سینوں کو نور ایمانی سے فروزاں فرمایا۔ قبیلہ بنی زہیر کو آپ نے جو پیغام روانہ فرمایا وہ حسب ذیل ہے :-

بسم اللہ الرحمن الرحیم - نامہ ہذا منجانب رسول خدا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) بنام بنی زہیر بن اقیش شاخ قبیلہ عکل :-

"اگر اس قبیلہ کے افراد لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دے دیں اور مشرکین سے علیحدہ ہوں، اور غنیمت سے خمس اور اللہ کے نبی کے حصہ کو تسلیم کرتے ہوں، پس وہ خدا اور اس کے رسول کی امان میں ہیں۔" (طبقات ابن سعد)

ہمارے قبضہ میں ہونا چاہیئے۔ اور نصف ملک پر قریش حکمراں رہیں، لیکن قریش غیر منصف ہیں۔ والسلام۔" (ابن سعد)

نبی کریم نے جب یہ کذب نامہ سماعت فرمایا تو آپ غضبناک ہو گئے۔ اور حضرت ابی بن کعب سے یہ جواب لکھوایا :-

بسم اللہ الرحمن الرحیم - نامہ ہذا منجانب رسولِ خدا بنام مسیلمہ کذاب :-

(واضح ہو کہ) تمہارا خط پہونچا۔ جو کذب و افتراء سے پُر تھا۔ اور زمین خدا کی ملکیت میں ہے اپنے بندوں سے، جس کو وہ چاہتا ہے، وارث بنا دیتا ہے اور حسن انجام متقیوں ہی کے لئے ہے۔ اور اس پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی پیروی اختیار کی۔" (طبقات ابن سعد)

مسیلمہ کذاب عہد صدیقی میں حضرت وحشیؓ کے ہاتھوں مارا گیا، اور اہل یمامہ نے اسلام قبول کر لیا۔

تبلیغی خطوط

مذکورہ دعوتی خطوط کے علاوہ نبی کریم نے مندرجہ ذیل افراد یا قبائل کو بھی تبلیغی خطوط روانہ فرمائے۔

ذیقعدہ ۸ھ میں آنحضور نے عمان کے دو سرداروں جیفر و عبد کے پاس حضرت عمرو بن العاص کو دعوت اسلام کے لئے بھیجا۔ ان دونوں نے اسلام قبول کر لیا۔

یمن کے باقی ماندہ شاہان حمیر سے حارث ابن عبد کلال بھی تھے، ان کے پاس آپ نے حضرت مہاجر مخزومی کو روانہ فرمایا۔ یہ اسلام لے آئے اور ایک مکتوب بھی خدمت اقدس میں ارسال کیا۔ جس میں ایک شعر یہ بھی تھا۔

ودینك دین الحق فیه طهارة　　وانت بما فیه من الحق امر

آپ کا دین سچا ہے، اس میں انتہائی پاکیزگی ہے۔　　اور آپ کا ہر حکم برحق ہوتا ہے۔ (دار قطنی)

ربیع الاول ۱۰ھ میں آنحضور نے حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل کو اہل یمن اسلام کی تبلیغ کے لئے روانہ فرمایا، وہاں کے اکثر افراد مسلمان ہو گئے۔

حضرت جریر البجلی کو آپ نے حمیر کے دو سرداروں ذوالکلاع اور ذو عمرو کی جانب بھیجا۔ ان دونوں نے اسلام قبول کیا۔ اور ذوالکلاع کی بیوی ضریبہ نے بھی اسلام قبول کیا۔ (ابن سعد)

جبلہ بن ایہم غسانی جو کہ غسان کے خاص حصہ پر حکمراں تھا، اس کو بھی نبی کریم نے اسلام کی دعوت دی، یہ مسلمان ہو گیا تھا، لیکن عہد فاروقی میں فرار ہو کر روی علاقہ میں داخل ہو گیا تھا (ابن سعد)

بعض قبائل اور افراد جن کو آنحضور نے دعوتی خطوط روانہ فرمائے۔

حضرموت کے علاقہ پر اقیال کی حکومت تھی، ان کے نام بھی آنحضور نے دعوتی خطوط روانہ فرمائے، جن اقیال کے نام مکتوبات روانہ کئے ہیں، ان کے نام حسب ذیل ہیں:۔

زرعہ — فہد۔ بستی — بحیری۔ عبد کلال — ربیعہ۔ حجر (ابن سعد)

سماوہ کا حاکم نقاشہ ابن فروہ تھا، اس کے نام بھی خط روانہ کیا گیا۔ (ابن سعد)

بنی عذرہ کی سفارت پر اسی کے ایک فرد کو روانہ کیا گیا۔ یہ قبیلہ ملک شام کی حدود میں آباد تھا۔ بنی عذرہ نے اسلام قبول کر لیا۔ (ابن سعد)

بنی وائل کی جانب، جو قریش ہی کی ایک شاخ تھی، حضرت طبیان سدوسیؓ کو روانہ فرمایا گیا۔ خط کا مضمون یہ تھا :۔

"بعد حمد و صلوٰۃ، اسلام لے آؤ، محفوظ رہو گے" (ابن سعد)

آغاز مضمون میں مکاتیب مبارک کی دو نوعیتیں، دعوتی اور انتظامی بتلائی گئی تھیں، اب تک جو خطوط پیش کیے گئے وہ دعوتی اور تبلیغی نوعیت کے تھے۔ اب انتظامی امور پر مشتمل خطوط کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس قسم میں وہ مکتوبات آتے ہیں جو آنحضورؐ نے مختلف مسلم و غیر مسلم والیان ریاست کو لکھے، جن میں بعض کی حیثیت معاہدات و توقیعات کی ہیں اور بعض کی پروانہ ہائے تقرری اور فرامین کی۔ ان میں بعض ایسے مکاتیب بھی پائے جائیں گے، جو قبائل کے نام ہیں اور ان کو بشرط اسلام بہت سی رعایات اور امان نامے لکھ کر دیئے گئے۔

۱۔ فرمان مبارک بنام حضرت خالد بن ولیدؓ

ربیع الاول ۱۰ھ میں آنحضور نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو نجران، قبیلہ بنی حارث بن کعب کے مقابلہ پر بھیجا۔ اور ان کو حکم فرمایا کہ جنگ سے قبل ان پر اسلام کی دعوت پیش کرنا، اگر وہ اسلام لے آئیں تو وہیں چند دن مقیم ہو کر ان کو اسلام کی تعلیم دینا۔ حضرت خالدؓ نے ایسا ہی کیا۔ اکثر لوگ مسلمان ہو گئے، اس کے متعلق حضرت خالد نے ایک خط خدمت علیا میں روانہ کیا جس میں یہ درج تھا کہ آپ کے حسب الحکم میں نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، اور شام علاقوں میں شتر سواروں کے ذریعہ آپ کا پیغام پہونچا دیا۔ انھوں نے مقابلہ نہیں کیا اور اسلام لے آئے اب میں تا حکم ثانی یہاں مقیم ہو کر ان لوگوں کو اسلام کی تعلیم دے رہا ہوں، آئندہ جیسا آپ کا حکم ہو۔

نبی کریمؐ نے اس کے جواب میں لکھوایا :۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نامہ ہذا منجانب رسول خدا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) بنام خالد بن ولیدؓ :۔

"تم پر سلامتی نازل ہو۔ میں تم کو اس خدا کی تعریف سناتا ہوں جس کے سوا کوئی عبادت

کے لائق نہیں۔ اس کے بعد (واضح ہو کہ) تمہارا بھیجا ہوا خط تمہارے قاصد کے ذریعہ وصول ہوا۔ جس میں تم نے بنی حارث کے اسلام کے متعلق اطلاع دی ہے۔ اور میں اس بات سے بھی واقف ہوا کہ تم نے جوان کو اسلام کی دعوت دی تھی۔ انھوں نے قبول کرلی اور اس بات کی گواہی بھی دی ہے کہ خدائے لاشریک کے علاوہ اور کوئی خدا نہیں ہے۔ اور کہ محمدؐ اس کے رسول اور بندے ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے ان کو اپنی ہدایت کے قبول کی توفیق عنایت فرمائی۔ تم ان کو جنت کی خوشخبری دیتے رہو، اور جہنم سے ڈراتے رہو۔ اس کے بعد واپس ہوجاؤ، اور اپنے ہمراہ ان کا وفد بھی لے آنا۔ السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ "

(طبری جلد اول حصہ سوم)

اس کے بعد حضرت خالدؓ تشریف لے آئے۔ ان کے ساتھ بنی حارث کا ایک وفد بھی تھا۔ چند دن کے بعد حضرت عمرو بن حزم الانصاری کو جن کا تعلق بنی نجار سے تھا۔ آپ نے ان کا والی مقرر فرمایا، تاکہ یہ ان کو اسلام کی تعلیم دیں، اور صدقات وصول کریں چنانچہ حضرت عمروؓ کو ذیل کا پروانۂ تقرریا ہدایت نامہ لکھوا کر مرحمت فرمایا:۔

۲۔ فرمان مبارک بنام حضرت عمرو بن حزم الانصاری

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ ہدایت نامہ خدا اور اس کے رسول کی جانب سے ہے۔

اہل ایمان! اپنے عہد پورے کرو۔ یہ عہد نامہ نبی کریم محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے بوقت روانگی یمن عمرو بن حزم کو لکھ کر دیا جاتا ہے۔ میں نے ان کو یہ ہدایت کی ہے کہ وہ خدا کے ہر معاملہ میں اس سے ڈرتے رہیں۔ اس لئے کہ خداوند تعالےٰ ان لوگوں کا ساتھ دیتا ہے جو اس سے ڈرتے ہیں اور جو نیک کرداری اختیار کرتے ہیں۔ میں نے ان کو یہ بھی ہدایت کی ہے کہ وہ حکم خداوندی کے مطابق حق اللہ وصول کریں۔ اور لوگوں کو خیر کی خوش خبری سنائیں اور خیر ہی کا حکم دیں۔ ان کو قرآن کی تعلیم سے بہرہ ور کریں، اور فرائض دین سے آگاہ کریں۔ برائیوں سے روکیں۔ اور صرف پاک شخص ہی قرآن کو چھوئے، ان کو حقوق و فرائض سے واقف کرائیں۔ نیکی کے معاملہ میں لوگوں کے ساتھ نرمی برتیں، اور جب ان میں کوئی ظلم کا مرتکب ہو تو ان سے سختی سے پیش آئیں۔ خداوند تعالےٰ ظلم کو بہت ہی مکروہ اور بُرا فعل جانتا ہے اور اس سے

اس نے ممانعت کی ہے۔ لہٰذا وہ کہتا ہے (آیت) سن رکھو! ظالموں پر خدا کی لعنت ہے۔ عمرو ابن حزم عوام کو جنت کی خوش خبری سنائیں اور جنتی اعمال بھی بتلائیں، جہنم سے خوف دلائیں اور دوزخی اعمال کی نشاندہی کریں، ان کے ساتھ نہایت ہی اخلاق سے پیش آئیں، تاکہ وہ فرائض دینیہ کو اچھی طرح جان لیں، ان کو فرائض حج سے آگاہ کریں اور حج کے فرائض وسنن کو کھول کر بیان کریں۔ حج اکبر، اور حج اصغر (یعنی عمرہ) کے متعلق خداوند تعالےٰ کے جو احکام ہیں وہ بھی بتلائیں وہ لوگوں کو ایسا کپڑا پہن کر جو ستر پوش نہ ہو، نماز پڑھنے سے ممانعت کر دیں، لیکن اس صورت میں کہ وہ کپڑا اتنا بڑا ہو کہ شانوں تک آجائے، نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ لوگوں کو اس طور پر کپڑا سمیٹ کر بیٹھنے سے کہ ان کی ستر کھل جائے، ممانعت کر دیں، اور ان کو اس بات سے بھی روک دیں، کہ جس کے سر پر زیادہ بال نہ ہو، وہ جوڑا نہ باندھے، اس بات کی ممانعت کر دی جائے کہ لوگ میدان جنگ، یا زمانہ جنگ میں قبیلہ یا خاندان کی حمایت کا واسطہ دے کر امداد کے طالب ہوں بلکہ وہ صرف خدائے واحد ہی کا واسطہ دیکر حمایت طلب کریں، اور جو خداوند تعالیٰ کی حمایت کیلئے داعی نہ ہو۔ اسے بزور شمشیر ختم کر دینا چاہیئے۔ تاکہ صرف خداوند تعالیٰ ہی کی دعوت قائم ہو جائے، ان کو وضو کی ہدایت دیں، اس طور پر کہ وہ اپنا چہرہ دھوئیں، اور کہنیوں تک ہاتھ دھوئیں، ٹخنوں تک پاؤں دھوئیں، اور حسب حکم خداوندی سر کا مسح کریں، اور میں نے ان کو اوقات معینہ پر نماز پڑھنے کی ہدایت کی ہے، اور حکم دیا ہے کہ رکوع اچھی طرح ادا کریں، نماز میں رقت کا اظہار کریں، نماز فجر علی الصباح پڑھا کریں۔ نماز ظہر زوال شمس کے بعد ادا کریں۔ نماز عصر، سایہ آفتاب کے زمین پر جھک جانے کے بعد پڑھیں، اور نماز مغرب رات شروع ہوتے ہی ادا کریں۔ آسمان پر ستاروں کے طلوع کا انتظار نہ کریں۔ نماز عشاء رات کے پہلے پہر میں پڑھیں۔ جمعہ کی نماز کے بارے میں ہدایت کی جاتی ہے کہ اذان ہوتے ہی بسرعت نماز کے لئے روانہ ہو جانا چاہیئے، نماز کو روانگی سے قبل غسل کریں، میں نے ان کو ہدایت کی ہے کہ وہ زر غنیمت سے، خداوند تعالیٰ کا حصہ خمس وصول کریں، اور مسلمانوں کی زمینوں سے عشر وصول کریں۔ یہ عشر ان زمینوں پر واجب ہے جو چشموں سے یا بارش سے نمو یافتی ہوں، اور جن کو ڈول سے سیراب کیا جاتا ہو، ان سے نصف عشر لیا جائے۔ (جانوروں کی زکوٰۃ کے سلسلہ میں) دس اونٹوں سے دو بکریاں لی جائیں، بیس اونٹوں میں چار بکریاں۔ اور گایوں کی زکوٰۃ، چالیس گایوں سے ایک گائے، تیس گایوں سے ایک بچھڑا لیا جائے، بکریوں کی زکوٰۃ، چالیس بکریوں پر ایک بکری لی جائے۔ یہ مقدار زکوٰۃ مسلمانوں پر خدا کی جانب سے فرض کردہ ہے۔ جو اس مقدار سے زیادہ دے گا

(باقی اگلے صفحے پر دیکھیے)

۳۔ فرمان مبارکؐ بنام حضرت علاء ابن الحضرمی

منذر ابن ساوی کے سلسلہ میں اس کا تذکرہ آچکا ہے کہ حضرت علاء ابن الحضرمی کو اس سفارت پر روانہ فرمایا گیا تھا، اس کے بعد ان کو وہاں کے محصل کی حیثیت دیدی گئی۔ چنانچہ نامہ مبارک اسی سلسلہ میں لکھا گیا ہے:۔

"بعد حمد وصلوٰۃ (واضح ہو کہ) میں نے تم کو منذر بن ساوی کے پاس اس غرض سے بھیجا تھا کہ اس کے پاس جمع شدہ جزیہ کی رقم وصول کر لو، لہٰذا تم جزیہ کی رقم اور اسی کے ساتھ جو کچھ تم نے صدقہ اور عشر وصول کیا ہو فوراً روانہ کردو۔ والسلام" (ابن سعد)

۴۔ بنام رفاعہ بن زید

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس اصول کے مطابق کہ اسلام لانے کی صورت میں ملک ان کے ہاتھوں سے نہیں لیا جائے گا، جو لوگ خود بخود اسلام لے آئے تھے، ان کو حسب سابق برقرار رکھا جاتا تھا اور ان کی حیثیت مسلم گورنروں کی ہو جاتی تھی۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے زمانہ

(باقی اگلے صفحے پر دیکھیے)

وہ اسی کے لئے فائدہ کا باعث ہوگا۔ جو یہودی یا عیسائی شخص برضا و رغبت مسلمان ہو جائے اور خدا کے دین کو اختیار کرے وہ مومن شمار ہوگا، اس پر یا اس کے حقوق و فرائض دوسرے مسلمانوں کے مساوی ہوں گے، اور جو یہودی یا عیسائی اپنے مذہب پر قائم رہنا چاہیئے اسے کسی صورت میں ترک مذہب پر مجبور نہ کیا جائے لیکن ان کے ہر بالغ مرد و زن پر چاہے وہ غلام ہو یا آزاد، ایک مکمل دینار جزیہ واجب قرار دیا جائے جس کو ہر سال جنس یا نقدی کی صورت میں وصول کیا جائے، اگر نقدی وصول نہ ہو تو معاوضہ میں اتنی ہی قیمت کا کپڑا لے لیا جائے، اور جو اس مقررہ رقم کو دینے سے انکار کرے، اس کو خدا، رسول اور تمام مسلمانوں کا دشمن خیال کیا جائے"

(طبری جلد اول حصہ سوم)

❋ ❋ ❋

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش

۵ - بنام اسخت بن عبداللہ والی ہجر

ہجر کا علاقہ حجاز سے متصل بحر احمر کے ساحل پر واقع ہے۔ اس زمانہ میں اسخت بن عبداللہ یہاں کا حاکم تھا آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ وہ مسلمان ہو گیا اور اقرع بن حابس رضؓ کو اس غرض سے دربار میں روانہ کیا کہ آپ سے اپنے لئے حقوق حکومت کی دستاویز حاصل کرے، حضرت اقرع حاضر خدمت ہوئے، آنحضورؐ نے حسب ذیل وثیقہ لکھوا دیا :-

" (واضح ہو کہ) اقرع تمہارا خط اور تمہاری قوم کی سفارش لے کر میرے پاس آئے۔ میں نے ان کی سفارش منظور کر لی ہے اور تمہاری قوم کے سلسلہ میں تمہارے قاصد اقرع کی بات کی تصدیق کر دی ہے تم کو میری جانب سے خوش خبری ہو کہ جو تم نے سوال کیا تھا اور طلب کیا تھا، وہ تمہاری خواہش کے مطابق میں نے منظور کر لیا۔ لیکن میں نے بہتر خیال کیا کہ ان کی تشریح کر دوں۔ لہٰذا اگر تم مجھ سے ملاقات کرو گے تو میں تمہاری عزت کروں گا اور ملاقات نہ کر سکے تو بھی میرے نزدیک تمہاری وہی عزت رہے گی بعد ازاں تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ میں کسی سے ہدیہ کا طالب نہیں ہوں لیکن اگر تم مجھے کسی قسم کا ہدیہ دو گے تو میں قبول کر لوں گا۔ اور میرے عاملین نے تمہارے رتبہ و مقام کی تعریف کی ہے، میں تم کو ہدایت کرتا ہوں کہ نماز، زکوٰۃ اور قرابت مسلمین کا پوری طرح سے خیال رکھو، یہ تمہارے لئے بہتر عمل ہوگا۔ اور میں نے تمہاری قوم کا نام "بنی عبداللہ" رکھا ہے۔ لہٰذا تم ان کو بھی نماز اور حسن عمل کی ہدایت دو اور اس طرح سے بشارت کے مستحق ہو جاؤ، تم پر اور تمہاری قوم پر سلام ہو۔" (طبقات ابن سعد)

(باقی اگلے صفحے پر نیچے) -

میں رفاعہ ابن زید جذامی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے، اور اسلام لے آئے، آنحضورؐ نے ان کے لئے ان کی قوم بنی جذام کے نام ذیل کا پروانہ تقرر لکھوا دیا :-

بسم اللہ الرحمن الرحیم - فرمان منجانب رسول خدا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) برائے رفاعہ بن زید - میں نے ان کو ان کی کل قوم اور وہ افراد جو باہر سے ان کی قوم میں داخل ہیں، کی جانب بھیجا ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کی جانب ان لوگوں کو بلائیں، جو اس دعوت کو قبول کرے گا وہ حزب اللہ اور حزب رسول میں شامل ہو گیا، اور جو اس سے انکار کرے گا، اس کو دو ماہ کی امان دی جائے۔"

(طبری جلد اول حصہ سوم)

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیش کش

نے اپنے اسلام لانے کا اقرار اور اعلان کیا تھا۔ زرعہ نے خود ہی مالک بن مرہ کے ذریعہ اپنے اور خاندان کے ایمان لانے کی اطلاع خدمت اقدس میں کی تھی، نبی کریمؐ نے ان سب کے جواب میں حسب ذیل خط لکھوایا :-

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ نامہ ہذا رسول خدا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے ملوک حمیر حارث بن کلال، نعیم بن کلال (زرعہ) والی رعین، نعمان رئیس ہمدان و معافر کے نام تحریر کیا جاتا ہے :-
بعد حمد وصلوٰۃ، میں تم کو اس خدا کی حمد (جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں) سناتا ہوں، اس کے بعد واضح ہو کہ رومی علاقہ سے میری واپسی کے بعد تمہارے قاصد نے مدینہ میں مجھ سے ملاقات کی، اور تمہارا پیام پہونچایا، تمہاری کیفیت بیان کی۔ تمہارے اسلام اور مشرکین سے قتال کرنے کی اطلاع دی، خداوند تعالیٰ نے تم کو اپنی ہدایت سے نوازا، بشرطیکہ تم اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہے، نماز پڑھا کرو۔ اور زکوٰۃ ادا کیا کرو، مال غنیمت سے خدا اور اس کے رسول کا پانچواں حصہ نکالا کرو۔ علاوہ ازیں زمین کا لگان دیا کرو۔ جو کھیتی چشموں سے، یا بارش سے نمو پائے اس میں سے عشر ادا کیا جائے، اور جو ڈول کے ذریعہ سیراب کی جائے، اس میں سے نصف عشر دیا جائے ۔ (مویشیوں کی زکوٰۃ کے سلسلے میں) چالیس اونٹوں پر ایک جوان اونٹنی، اور تیس اونٹوں پر ایک جوان اونٹ نکالا جائے۔ اگر پانچ اونٹ ہوں تو ایک بکری، اور دس ہوں تو دو بکریاں بطور زکوٰۃ نکالی جائیں۔ ہر چالیس بیلوں پر ایک جوان گائے، اور ہر تیس گائے بیلوں پر ایک بچھڑا یا نر واجب ہے اور بھیڑ بکریوں وغیرہ میں، چالیس پر ایک جوان بکری واجب ہوگی۔ یہ نصاب زکوٰۃ خداوند تعالیٰ کی جانب سے مسلمانوں پر واجب کیا گیا ہے، اگر کوئی اس سے زیادہ ادا کر دے گا تو وہ اسی کے لئے مفید ہوگا۔ لیکن جو صرف فرض شدہ حصہ ادا کرتا ہے، اپنے اسلام کو ظاہر کرتا ہے اور مشرکین سے جنگ کی صورت میں مسلمانوں کی نصرت کرتا ہے، وہ مومن شمار ہوگا، اور اس کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں اور اسی طرح مسلمانوں پر جو ذمہ داریاں عائد ہیں اس پر بھی عائد ہوں گی اور اس عہد کے ایفاء کے لئے میں خدا اور اس کے رسول کی ضمانت دیتا ہوں جو یہودی یا عیسائی اسلام لائے، اس کے ساتھ بھی، اس میثاق کے مطابق معاملہ ہوگا، اور جو شخص یہودیت اور عیسائیت پر قائم رہنا چاہے، اس پر ترک مذہب کے سلسلہ میں بالکل جبر نہ کیا جائے گا، البتہ اس سے جزیہ وصول کیا جائے گا۔ جزیہ کی مقدار ہر بالغ مرد و زن پر چاہے وہ غلام یا آزاد، ایک کامل دینار ہوگی، یا اتنی ہی قیمت کا کپڑا لیا جائے گا۔ جو شخص یہ رقم پیغمبر خدا کو ادا کر دے گا اس کی حفاظت خدا

اور رسول کے ذمہ ہوگی، اور جو شخص جزیہ ادا نہیں کرے گا۔ وہ خدا اور اس کے رسول کا دشمن متصور ہوگا، اس کے بعد رسول خدا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) زرعہ ذی یزن کو مخاطب کرکے لکھتے ہیں۔
کہ جب تمہارے پاس میرے قاصدین، معاذ بن جبل، عبداللہ بن زید، مالک بن عبادہ، عقبہ بن نمر، مالک بن مرہ، اور ان کے ساتھی پہونچیں تو تم ان کا خوش دلی سے استقبال کرنا، اور اپنی رعیت سے زکوٰۃ و جزیہ وصول کرکے ان کے سپرد کردینا، یہ تمہارے پاس سے خوش واپس آئیں ہیں اس بات کا اظہار کرتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، اور میں اس کا بندہ اور رسول ہوں۔
مالک بن مرہ الرہادی سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ حمیری قوم میں تم نے سب سے پہلے اسلام کی دعوت پر لبیک کہا ہے اور مشرکوں سے قتال کیا ہے، اس عمل پر میں تم کو خیر کی خوش خبری سناتا ہوں اور اپنی قوم کے ساتھ بھلائی سے پیش آنے کی ہدایت کرتا ہوں، ان کے حق میں تم خیانت نہ کرنا اور نہ ان کی حمایت کو چھوڑ دینا، رسول خدا تم میں سے فقیر و غنی سب کے آقا ہیں اور صدقہ ان کے لئے اور ان کی اولاد کے لئے ناجائز ہے۔ اور یہ جو زکوٰۃ ہے تطہیر مال کے لئے مومن فقراء اور مسافرین کے مد میں صرف کے لئے لی جاتی ہے۔ مالک نے تمہارا پیام بہتر طریقہ پر مجھ کو پہونچا دیا ہے۔ میں تم کو مالک کے ساتھ خیر آمیز سلوک کی ہدایت کرتا ہوں۔ میں نے جن افراد کو تمہارے پاس بھیجا ہے وہ اپنے علم و عمل کے لحاظ سے میرے بہتر پیرو ہیں، لہٰذا تم ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا، اس وجہ سے کہ وہ اسی لائق ہیں۔ السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ،

(طبری جلد اول حصہ سوم)

۸ ۔ بنام حضرت وائل بن حجرؓ

سنہ ۱۰ھ میں آنحضورؐ نے یمن کے مختلف سرداروں کے نام پیغام اسلام روانہ فرمایا تھا اسی سلسلہ میں حضر موت کے آخری حکمران وائل بن حجر کے نام بھی آپ نے دعوت نامہ بھیجا تھا۔ حضر موت پر اقبال کی حکومت تھی۔ یہ انہی کی یادگار تھے۔ حضرت وائل نے اسلام قبول کر لیا اور خدمت اقدس میں حاضری دی، اس معروضہ پر کہ آنجناب میری قوم کے لئے کچھ نصائح فرمادیں، آپؐ نے حسب ذیل نامہ مبارک لکھوا دیا:۔

" یہ فرمان رسول خدا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے اقبال عباہلہ کے نام لکھا جاتا ہے

(باقی اگلے صفحے پر دیکھیے)

۹ - بنام نہشل بن مالک وائلی

بنی وائل کا سردار تھا۔ ان کے نام حسب ذیل نامہ مبارک تحریر کیا گیا :-

"یہ فرمان رسول خدا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے نہشل بن مالک اور بنی وائل کے ان لوگوں کے نام لکھا جاتا ہے، جو ایمان لے آئے ہیں، نماز پڑھتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور مال غنیمت سے خدا اور اس کے رسول کا حصہ خمس نکالتے ہیں، اور اپنے اسلام کو علی الاعلان ظاہر کرتے ہیں، اور مشرکوں سے علیحدگی اختیار کر چکے ہیں، پس وہ خداوند تعالیٰ کی امان میں محفوظ ہیں۔ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان پر کسی قسم کے ظلم سے بھی بیزار ہیں، نہ ان کو جلا وطن کیا جائیگا اور نہ ہی ان سے عشر لیا جائے گا۔ ان کا عامل ان ہی کی قوم کا فرد ہوگا "

(طبقات ابن سعد)

ان سرداران قبائل اور والیان ریاست کے علاوہ آپ نے مختلف قبائل کے نام وثائق بھی لکھوائے، جن کی حیثیت زیادہ تر شروط امان ناموں کی ہے۔ ان میں سے چند درج کئے جاتے ہیں :-

---

کہ وہ نماز کو قائم رکھیں، زکوٰۃ ادا کیا کریں۔ اور ہر ایسے صاحب نصاب پر، جو ایسے جانور رکھتا ہے جو سال کے بیشتر حصہ میں چراگاہ میں چرتے ہیں، مویشیوں کی زکوٰۃ واجب ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے سلسلہ میں خلاط (دو ریوڑوں کو جمع کرکے ایک بکری دے کر جان چھڑا لینا) اور وراط (مویشیوں کو محصل سے چھپا دینا) ناجائز ہے، اور نہ ہی تمہارے لئے شناق و شغار (زکوٰۃ کے خوف سے اپنے جانوروں کو دوسرے کے جانوروں میں ملا دینا) جائز ہے۔ جلب (عامل کا اہل نصاب کو یکجا جمع کرنا) اور جنب (محصل سے چھپ جانا) کا طریقہ بھی ختم سمجھا جائے اور ان پر اسلامی عساکر کی مدد واجب ہے۔ ہر دس آدمیوں کی جماعت پر ایک اونٹ کی مقدار غلہ واجب ہے، جس شخص نے اپنی حیثیت کو چھپایا وہ سود خوری کا مرتکب ہوا۔" (طبقات ابن سعد)

ایک اور وثیقہ بھی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے وائل بن حجر کو متنازعہ علاقہ کے سلسلہ میں لکھ کر مرحمت فرمایا تھا۔

۱۰۔ فرمان مبارک بنام بنی غفار

یہ قبیلہ شام وعرب شاہراہ پر آباد تھا۔ حضرت ابوذرؓ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، یہ قبیلہ جب اسلام لے آیا تو آنحضورؐ نے ذیل کا فرمان ان کے لئے لکھوا دیا :۔

"یہ لوگ مسلمان ہیں، جو حقوق مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ وہ ان کو حاصل ہوں گے اور جو احکام عامۃ المومنین پر واجب ہوں گے وہ ان پر بھی واجب ہوں گے، اور نبی نے ان کے مالوں اور جانوں کی ضمانت لی ہے۔ ظالموں کے مقابلہ میں ان کی مدد کی جائے گی اور نبی کریمؐ جب بھی ان کو اپنی مدد کے لئے بلائیں گے، یہ مدد کریں گے، اور ان پر رسول خدا کی نصرت ہوگی لیکن باہمی امداد کا یہ معاہدہ اس وقت تک رہے گا۔ جب تک یہ دین میں محاربہ نہ کریں۔ معاہدہ ھذا اس وقت تک مسلم رہے گا، جب تک کہ سمندر میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ اون کے ایک تار کو بھی تر کر سکے، اور یہ معاہدہ سوائے نافرمانی کے تبدیل نہیں کیا جائے گا۔"

(طبقات ابن سعد۔)

۱۱۔ بنام قبیلہ اسلم خزاعی

"ان میں سے جو لوگ ایمان لے آئیں، اور نماز کو قائم رکھیں، زکوٰۃ ادا کرتے رہیں، اور دین خداوندی کے خیرخواہ رہیں، حملہ آوروں کے مقابلہ میں ان کی مدد کی جائے گی، اور جب بھی وہ مدد کے لئے آواز دیں گے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی مدد کریں گے۔ اہل بادیہ اور اہل شہر دونوں کو یہ رعایتیں حاصل ہوں گی، جو چاہے منتقل ہو سکتا ہے۔" (طبقات ابن سعد)

(۱۲) بنام بنی معاویہ

"ان میں سے جو مسلمان ہو گئے ہیں، اور نماز پڑھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، مال غنیمت سے خدا کا پانچواں حصہ اور نبی کریم کا حصہ نکالتے ہیں اور مشرکین سے جدا ہو گئے ہیں، اور اپنے اسلام کی علانیہ شہادت دیتے ہیں، وہ لوگ اللہ

اور اس کے رسول کی امان میں ہیں۔ اور حقوق مذکورہ ان کو اس وقت تک حاصل رہیں گے جب تک یہ اسلام پر قائم رہیں گے۔ اور باقی سب کچھ انہی کا ہے۔"

۱۳۔ بنام بنی جوین طائی

"ان میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، اور مشرکین سے جدا ہو گئے ہیں۔ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، اور مال غنیمت سے خدا اور اس کے رسول کا حصہ (خمس) نکالتے ہیں، اور اپنے اسلام کا اعلان کرتے ہیں، پس ان کے لئے خدا اور محمد بن عبداللہ کی ضمانت ہے، ان کی زمین اور چشمے ان ہی کے قبضہ میں رہیں گے، اور جب تک بھی یہ اسلام پر قائم رہیں گے سب کچھ انہی کا رہے گا۔" (طبقات ابن سعد)

۱۴۔ بنام بنی اسد

بسم اللہ الرحمن الرحیم - یہ خط رسول خدا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے بنی اسد کے نام لکھا جاتا ہے۔ السلام علیکم - میں تم کو اس خدا کی حمد سناتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے بعد (واضح ہو کہ) تم میں سے کوئی شخص بھی بنی طے کے چشموں اور ان کے علاقہ میں نہ بھٹکے، تمہارے لئے ان کے چشمے حلال نہیں ہیں، اور نہ ہی تم میں سے کوئی ان کی سرزمین میں داخل ہو۔ لیکن اس صورت میں کہ اسے داخل کر لیا جائے اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اس شخص سے بری الذمہ ہیں۔ جو اس فرمان کی خلاف ورزی کرے، اور قضاعی بن عمرو کو چاہیئے کہ ان باتوں پر قائم رہے۔" (طبقات)

قضاعی بن عمرو اس قبیلہ کا عامل تھا۔

۱۵۔ بنام بنی مرحب حضرمی

"حضرموت میں تمام اموال، باغات، غلام، کنویں، درخت، چشمے، بازار، کھیتیاں اور اونٹ سب ان ہی کی ملکیت میں رہیں گے، اور تمام نال آل ذی مرحب کا ہوگا اور ان کی زمین

سے جتنا حصہ رہن کا ہے اس کے پھلوں، بیروں اور کمان سازی میں کام آنے والی لکڑی کا حساب کیا جائے گا، اور ان کے پھلوں میں جو کچھ نفع ہوگا، اس کے بارے میں ان سے کوئی سوال نہ کر سکے گا۔ خدا اور اس کا رسول ایسے شخص سے بری ہے۔" (مختصر از طبقات)

۱۶ - بنام یہود مقنا

مقنا، ایلہ (عقبہ) کے علاقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ یہاں یہودیوں کی ایک بڑی آبادی تھی کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ قرآن کریم میں جن اہل سبت کا تذکرہ ہوا ہے، انہی کی نسل سے تھے۔ یوحنا جس کے پاس آنحضور نے اسلام کا پیغام بھی بھیجا تھا، اسی علاقہ پر حکمراں تھا اس نے آپ سے ان یہودیوں کے بارے میں سوال بھی کیا تھا۔ آپ نے اس سلسلہ میں یہ حکم فرمایا تھا کہ ان کو اپنے مقام پر رہنے دو۔ ان یہودیوں کو تاریخ میں بنی جنبہ کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ آنحضور نے براہ راست ان کے نام جو فرمان لکھوایا تھا، وہ حسب ذیل ہے :-

"اما بعد، تمہاری بستی کی جانب لوٹتے ہوئے، میرے پاس تمہارے قاصد ٹھہرے، پس جب تمہارا یہ خط میرے پاس پہونچ گیا تو تم خدا اور اس کے رسول کی ضمانت میں ہو۔ اور رسول خدا نے تمہارے تمام قصور اور غلطیاں معاف کر دیں۔ اب تم خدا اور اس کے رسول کی حفاظت میں ہو، تم پر کوئی ظلم و جور نہ ہوگا۔ اور رسول اللہ تم کو ان باتوں سے روکتے ہیں جن سے وہ خود رکتے ہیں، حسب مصالحت تمہارے کل غلام، ہتھیار، جانور اور اسلحہ رسول خدا کی ملکیت ہیں ان سے صرف وہ اشیاء مستثنیٰ ہوں گی، جن اشیاء کو خود رسول اللہ یا ان کے قاصد معاف کردیں۔ اس کے بعد معلوم ہو کہ تم پر، باغوں، مچھلیوں اور اس سوت کا جن کو تمہاری عورتیں کاتتی ہیں چوتھائی حصہ واجب ہے۔ اس کے بعد تم ہر قسم کے جزیہ اور بیگار سے آزاد ہو۔ لہٰذا اگر تم نے ان باتوں کو ذہن نشین کر لیا اور مان لیا تو رسول اللہ اس بات کی ذمہ داری لیتے ہیں کہ وہ تمہارے معزز شخص کی عزت کریں گے، اور تم سے جو شخص قصور وار ہوگا، اس کو معاف کر دینگے

اما بعد! وہاں کے مومن اور مسلم افراد کو معلوم ہو کہ جو شخص اہل مقنا سے بھلائی کرے گا وہ اسی کے لئے بہتر کا باعث ہوگا۔ اور جو شخص ان سے برائی سے پیش آئے گا تو وہ اسی کے حق میں برا ہوگا اور تم پر جو امیر مقرر ہوگا، وہ تم ہی سے کوئی فرد ہوگا، یا رسول اللہ کا فرستادہ ہوگا۔ والسلام۔ (طبقات ابن سعد)

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش

جن دیگر مختلف قبائل اور افراد کو وثائق یا دستاویزیں لکھ کر دی گئیں، یا ان کے نام عہد ناموں کی ترسیل کی گئی، ان کی ایک مختصر سی فہرست حسب ذیل ہے :۔

افراد	قبائل یا قومیں	افراد	قبائل یا قومیں
اکیدر رومی دوالی دومۃ الجندل	بنی جہینہ	ابو ظبیان ازدی	بنی غادیا
خالد بن ضماد ازدی	بنی قنان	مطرف بن الکاہن	بنی عریض
عبد یغوث بن وعلہ حارثی	بنی زیاد	سعید بن سفیان رعلی	بنی ضمرہ
قیس بن حصین	بنی بارق	خثعم	بنی جرمز جہینی
ہوذہ بن قبیشہ سلمی	اہل اذرح	ولید بن جابر	بنی حرقہ جہینی
راشد بن عبد السلمی	عبد القیس	جمیل بن رزام	بنی جعیل
رجب بن سلیمی	بنی ثقیف	حضرت زبیر بن العوامؓ	بنی زرعہ جہنی
سلمہ بن مالک سلمی	اہل طائف	نعیم بن مسعود	بنی جوین طائی
حرام بن عبد عوف سلیمی	بنی لخم وحدس	عباس بن مرداس سلمی	بنی خباب حارثی
عوسجہ ابن حرملہ	قبیلہ بارق ازدی	بُدیل اور بُسر	بنی نمرہ
معدیکرب بن ابرہہ	بنی الحارث وبنی نہد	عدا ابن خالد	بنی عقیل
یزید بن طفیل حارثی	بنی معن طائی	بلال بن الحارث المزنی	یہود خیبر
ابن یزید حارثی	اہل نجران	جنادہ ازدی	بنی البکاء
عامر بن اسود طائی	بنی جناب کلبی	حضرت معاذ بن جبل	

بقیہ نبوی عبادت ص۱۶۱ حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات کی نماز میں برابر سورہ مائدہ کے آخری رکوع کی یہی ایک آیت پڑھتے رہے۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ (جمع الفوائد) بعض صحابہ کرام کا بیان ہے کہ ہم نے دیکھا کہ نماز کی حالت میں گریہ وبکا کے غلبہ سے آپ کے سینۂ مبارک سے چکی چلنے کی سی ایک آواز نکلتی تھی۔ سنن ابی داؤد میں عبداللہ بن الشخیرؓ کی روایت کے الفاظ ہیں :۔ رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی وفی صدرہ ازیز کازیز الرحی من البکاء۔ (میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا اور اس وقت آپؐ کے سینۂ مبارک سے گریہ کے اثر سے چکی کی سی آواز نکلتی تھی۔) (ابوداؤد باب البکاء فی الصلوٰۃ)

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیش کش

مولانا منظور نعمانی

نبوی عبادت

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اوقات میں آپؐ کی روح پاک کے لئے سب سے زیادہ لذت و سرور کا قلب مبارک کے لئے انتہائی راحت و فرحت کا وقت وہی ہوتا تھا جب آپؐ نماز میں مشغول ہوتے تھے۔ اس لئے قدرتی طور پر آپؐ کے قلب و روح کی خواہش یہی ہوگی کہ ہمہ وقت یا زیادہ سے زیادہ اوقات آپ نماز ہی میں مصروف رہیں۔ لیکن منصب رسالت کے فرائض و وظائف، دعوت و تبلیغ، تعلیم و تربیت اور ارشاد و ہدایت وغیرہ کی انجام دہی کے لئے آپؐ کے اوقات کا خاص کر دن کے وقت کا بڑا حصہ درکار تھا۔ نیز آپؐ کی زندگی کو امت کے لئے نمونہ بھی بننا تھا۔ اس لئے آپ کے لئے ضروری ہوگیا کہ نماز میں صرف اتنے وقت مشغول رہیں کہ فرائض رسالت بھی پوری طرح ادا ہوتے رہیں اور امت کے لئے آپ کی تقلید و پیروی بھی بہت مشکل نہ ہو۔

نیز اس سے ملتا جلتا ایک اور سبب نماز جیسی عبادات میں آپؐ کے زیادہ مشغول نہ رہ سکنے کا یہ بھی تھا کہ اگر آپؐ ایسا کرتے یعنی اپنے اوقات کے بڑے حصے میں نماز میں مشغول رہتے تو آپؐ کی محبت اور تقلید میں یقیناً صحابہ کرام بھی ایسا ہی کرتے اور حکمت تشریع کا یہ اصول ہے کہ اگر پیغمبر اور اس کے متبعین کوئی عبادت اہتمام اور پابندی سے کرنے لگیں تو وہ اس امت پر فرض کر دی جاتی ہے، پس امت پر فرض ہوجانے کے اندیشہ کی وجہ سے بھی آپ نے نفل نمازوں کی کثرت اور پابندی میں احتیاط فرمائی۔

بہرحال ان وجوہ سے دل کی چاہت کے باوجود آپ نفل نمازیں خاص کر دن کے اوقات میں بہت زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ گویا یہ آپ کا نرالا مجاہدہ تھا کہ دل کی طلب اور خواہش تو زیادہ سے زیادہ وقت نماز میں مشغول رہنے کی تھی لیکن مذکورہ بالا اسباب و مصالح کی وجہ سے اپنے اس شوق کو آپ پورا نہیں کر سکتے تھے اور اس طرح آپ نے اپنے دل کی چاہت کو اللہ تعالیٰ کی مرضی اور امت کی عام مصلحت پر قربان کر دیا تھا۔ ع

میل من سوئے وصال و میل او سوئے فراق ترک کار خود گرفتم تا برآید کار او

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز چاشت کی مختلف موقعوں پر بڑی بڑی فضیلتیں بیان فرمائیں۔ لیکن خود پابندی سے آپ نے یہ نماز نہیں پڑھی۔ اس کا سبب بیان کرتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک اصولی بات فرمائی ہے۔ صحیح بخاری میں ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

ان کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیدع العمل وھو یحب ان یعمل بہ ان یعمل بہ الناس فیفرض علیھم۔ (باب تحریض النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی قیام اللیل والنوافل)

اسی کو حافظ ابن القیمؒ زاد المعاد میں لکھتے ہیں :۔

وقد کان یترک کثیراً من العمل وھو یحب ان یعمل بہ خشیۃ المشقۃ علیھم۔

(زاد المعاد ص ۱۹۲ ۔ برہامش زرقانی جلد دوم)

اور آپ ترک فرما دیا کرتے تھے بہت سے اعمال حالانکہ وہ اعمال آپ کو بہت محبوب ہوتے تھے، صرف امت کی دقت کے خیال سے ۔"

بہرحال یہ اسباب تھے جن کی وجہ سے آپ دل کی چاہت کے باوجود نفل نمازیں بہت زیادہ نہیں پڑھ سکتے تھے۔ محققین نے تمام روایات کی چھان بین کے بعد لکھا ہے کہ اہتمام اور پابندی سے آپ شب و روز میں صرف چالیس رکعت نماز پڑھتے تھے۔ سترہ رکعت فرائض پنجگانہ، اور دس یا بارہ رکعت، رواتب (یعنی مؤکدہ سنتیں) جن کی تفصیل یہ ہے کہ فجر سے پہلے دو رکعت، ظہر سے پہلے دو رکعت یا چار رکعت (دونوں ثابت ہیں) ظہر کے بعد دو رکعت، مغرب کے بعد دو رکعت، عشاء کے بعد دو رکعت۔ یہ کل دس یا بارہ ہوئیں اور تہجد مع تین رکعت وتر کی گیارہ رکعت یا تیرہ رکعت (دونوں ثابت ہیں) ان کی میزان چالیس ہوئی ۔

الغرض دن رات میں یہ چالیس رکعتیں تو آپ عموماً اہتمام اور پابندی سے ادا فرماتے تھے۔ ان کے سوا نوافل میں نماز چاشت اور زوال آفتاب کے وقت کی چار رکعتیں پڑھنا بھی متعدد صحابہ نے روایت کیا ہے۔ ان کے علاوہ خاص کر دن میں زیادہ نوافل جیسا کہ عرض کیا گیا۔ آپ اسی لئے نہیں پڑھتے تھے کہ امت پر زیادہ بوجھ نہ پڑ جائے۔ نیز ذاتی اور خانگی ضروریات اور منصب رسالت کے دوسرے کاموں سے دن میں آپ کو زیادہ مہلت بھی نہیں ملتی تھی۔ اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۝

رات چونکہ عام طور سے خلوت میں یعنی گھر کے اندر گزرتی تھی اور دوسرے کاموں سے رات میں فراغت و فرصت بھی ہوتی تھی، اس لئے رات کی نماز یعنی تہجد آپ اکثر بہت طویل پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے پاؤں پر ورم آجاتا تھا۔ صحیحین میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے مروی ہے :۔

قام النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی تورمت قدماہ فقیل لہ لم تصنع ھذا وقد غفر لک ما تقدم من ذنبک وما تاخر قال افلا اکون عبداً شکوراً ۔ (جمع الفوائد و مشکوٰۃ)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا، یہاں تک کہ آپ کے دونوں پاؤں ورم کر آئے۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ اتنا قیام کیوں فرماتے ہیں درانحالیکہ آپ کی تو اگلی پچھلی سب چیزوں کی معافی دے دی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا کیا میں عبد شکور نہ بنوں ؟

حضرت حذیفہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو رات کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ تو آپ نے چار رکعتوں میں سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران، سورۂ النساء اور سورۂ مائدہ (یا بجائے مائدہ کے سورہ انعام) پڑھیں۔ گویا قریبًا سوا چھ سیپارے پڑھے۔ (ابوداؤد)

اور حضرت حذیفہؓ ہی کی ایک روایت میں جو صحیح مسلم میں بھی ہے، یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ رات کی نماز میں آپؐ نے یہ لمبی لمبی سورتیں اس طرح پڑھیں کہ جہاں کوئی ایسی آیت آئی جس میں اللہ کی تسبیح کا ذکر ہوتا تو وہاں آپ اللہ کی تسبیح کرتے اور جہاں سوال اور دعا کا ذکر آتا تو وہاں آپ دعا کرتے اور جہاں دنیا یا آخرت کی کسی بلا سے پناہ مانگنے کا ذکر آتا تو وہاں آپ اللہ پناہ مانگتے، نیز اس روایت میں یہ بھی ہے کہ اس نماز میں جس قدر طویل آپ نے قیام کیا اس کے قریب قریب آپ نے رکوع و سجود بھی کئے، جب غور کر کے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ نماز کتنی طویل ہوئی ہوگی۔

اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ ایک رات کو میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے لگا۔ آپ نے اتنی طویل نماز پڑھی کہ میرے لئے آپ کے ساتھ کھڑا رہنا سخت مشکل ہو گیا۔ اور میرے دل میں ایک برا خیال آنے لگا، کسی نے پوچھا کیا برا خیال آنے لگا تھا آپ نے فرمایا۔ خیال یہ کہ میں بیٹھ جاؤں اور آپ کو کھڑا چھوڑ دوں۔

صحابہ کی ان روایات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپؐ کی رات کی نماز کس قدر طویل ہوتی تھی لیکن یہ آپ کا ایسا دوامی معمول نہ تھا جس کے خلاف کبھی نہ ہوتا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو امت کے لئے آپ کی تقلید و پیروی سخت مشکل ہو جاتی۔ اس لئے کبھی کبھی آپ ایسا بھی کرتے تھے کہ رات کو کافی آرام بھی فرماتے اور باقی وقت میں تہجد پڑھتے۔ کبھی صرف آخری تہائی رات ہی میں تہجد پڑھتے۔ کبھی پہلے سوتے اور آخر میں اٹھ کر تہجد پڑھتے اور کبھی اس کے برعکس بھی کر لیتے، کبھی کبھی ایسا بھی کرتے کہ اٹھے دو رکعتیں پڑھیں پھر کچھ دیر کے لئے سو گئے پھر اٹھ کر دو رکعتیں پڑھیں۔ اسی طرح بار بار سوئے اور بار بار اٹھ کر نماز پڑھی۔ ایسا آپ نے اسی لئے کیا کہ امت کے ضعفاء بھی آپ کی پیروی کر سکیں ورنہ جیسا کہ عرض کیا گیا آپ کا اصل ذوق اور آپؐ کے دل کی چاہت یقینًا یہی ہوگی کہ ساری رات نماز ہی میں کھڑے رہیں۔ اسی میں آپ کے دل کا چین تھا۔ اور اسی میں روح کی راحت اور آنکھوں کی ٹھنڈک تھی ؎

ہمارا شغل ہے راتوں کو رونا یادِ دلبر میں ہماری نیند ہے محوِ خیالِ یار ہو جانا

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ رات کی نماز میں کسی آیت پر پہنچکر آپ پر کوئی خاص کیفیت طاری ہو گئی اور پھر ساری رات اللہ کے حضور میں کھڑے آپ وہی ایک آیت پڑھتے رہے چنانچہ مسند احمد اور مسند بزار میں

(باقی ۱۶۳ پر)

عبدالباری، ایم اے

عہدِ رسالت کا ایک اہم تاریخی باب

(صحیفہ جس نے حضرت عمرؓ کی زندگی کا رُخ پھیر دیا)

ہجرت سے پہلے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں اسلامی تحریک کئی مراحل سے ہوکر گزری۔ نبوت کا اعلان ہوتے ہی مخالفت شروع ہوگئی۔ جیسے جیسے تحریک اسلامی زور پکڑتی گئی ویسے ویسے مخالفت کی شدت بڑھتی گئی، یہاں تک کہ ظلم وستم کا دور شروع ہوگیا جس کے روح فرسا واقعات تاریخ کی کتابوں میں بیان ہوئے ہیں۔ مخالف کیمپ میں دو شخص عمرو بن ہشام (ابوجہل) اور عمر ابن الخطاب بہت سخت اور پیش پیش تھے۔ عمر پر تو حمیت جاہلیت کا ایسا بھوت سوار ہوا کہ انھوں نے داعی اسلام کو قتل کر کے تحریک اسلامی کی جڑ ہی ختم کرنے کی ٹھان لی۔ لیکن آنحضرتؐ کے دل میں ایسے کٹر لوگوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے بھی مخلصانہ جذبات موجود تھے! جب دعوت و تبلیغ کی کوششیں ان پر کارگر نہ ہوسکیں تو ایک بار آپؐ نے بارگاہ الٰہی میں دعا فرمائی کہ "خداوندا! عمرو بن ہشام اور عمر بن الخطاب میں جو تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہو اس سے اسلام کو معزز فرما۔" اللہ نے آپؐ کی دعا قبول فرمائی۔ جو زیادہ محبوب تھے چن لئے گئے۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے تحریک اسلامی کو جو تقویت پہونچی تاریخ کے صفحات اس کی شہادت ضرور دیتے ہیں۔ لیکن آنحضرتؐ کا یہ اعتراف کہ "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ابن الخطاب ہوتے"! ساری شہادتوں سے افضل ہے۔
دوسری طرف یہ حال تھا کہ وہی عمر جو داعی اسلام کا کام تمام کرنے کا مصمم ارادہ کر چکے تھے۔ قبول اسلام کے بعد رسول اللہ صلعم کے انتقال پر جدائی کے صدمہ سے ایسے بیقرار و حواس باختہ ہوئے کہ موت کی خبر دینے والوں کی گردن اڑا دینے پر تل گئے۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ کے مشہور خطبہ نے انھیں ٹھنڈا کیا! کہ:-
"یَا اَیُّهَا النَّاسُ مَنْ کَانَ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَقَدْ مَاتَ مُحَمَّدٌ وَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ فَھُوَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ" (اے لوگو! جو محمدؐ کی عبادت کرتا ہو تو محمد انتقال فرما گئے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو تو اللہ تعالےٰ زندہ ہے اسے موت کبھی نہ آئے گی۔) پھر وہی حضرت عمرؓ جس وقت خود شہید ہوئے تو اسی داعی اسلام رسول اللہ صلعم کے پہلو میں دفن کئے جانے کی اجازت انھوں نے حضرت عائشہؓ سے

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیش کش

طلب کی اور منظوری بیان کے منہ سے یہ الفاظ نکلے "وہی سب سے بڑی آرزو تھی!"

یہ ہستی جس کے جوہر سے دنیا متاثر ہوئی وہ خود اسلام سے کس طرح متاثر ہوئی جاننے کے لائق ہے
زیر نظر مقالہ ایک علمی بحث کے ذریعہ اسی حقیقت پر روشنی ڈالنے کی ایک کوشش ہے۔

خود حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ ایک شب میں آنحضرتؐ کو پریشان کرنے کے خیال
واقعہ:— سے گھر سے نکلا۔ آپؐ مسجد حرام کو جا رہے تھے۔ آپ بڑھ کر مسجد میں داخل ہو گئے اور
نماز شروع کر دی۔ میں سننے کھڑا ہو گیا۔ آپؐ نے سورہ الحاقہ کی قرأت فرمائی۔ میں اس کلام کو سن کر حیرت
میں تھا۔ کلام کا نظم اور انداز نہایت دلکش معلوم ہوتا تھا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ خدا کی قسم یہ شاعر ہے۔ ابھی
یہ خیال آیا ہی تھا کہ آپؐ نے یہ آیت پڑھی وَإِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ
قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ (یہ ایک بزرگ قاصد کا کلام ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں۔ لیکن تم ایمان نہیں لاتے)
میں نے جو یہ سنا تو فوراً دل میں خیال آیا کہ اوہو یہ تو میرے دل کی بات جان گیا۔ یہ کاہن ہے۔ اسی کے بعد ہی
آپ نے یہ آیت پڑھی:— وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ۝ تَنْزِيلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ
(یہ کاہن کا کلام بھی نہیں ہے، تم نصیحت نہیں حاصل کرتے۔ یہ تو جہانوں کے رب کی طرف سے اترا ہے)
آپؐ نے یہ سورہ آخر تک پڑھی اور میں نے محسوس کیا کہ اسلام میرے دل میں گھر کر رہا ہے۔" اس موقع پر ان
میں پورا تغیر نہیں آیا اور وہ اپنی پہلی روش پر چلتے رہے یہاں تک کہ وہ واقعہ ظہور پذیر ہوا جس سے لوگ زیادہ
آشنا ہیں۔ یعنی ایک دن دشمنی کے پورے جوش میں تلوار لے کر اس ارادے سے نکلے کہ آج (نعوذ باللہ) آنحضرتؐ
کا کام ہی تمام کر دیں۔ راستہ میں ان ہی کے خاندان کے ایک معزز شخص نعیم بن عبداللہ سے ملاقات ہوئی،
انھوں نے کہا، "آج محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔" انھوں نے کہا "کہاں جاتے ہو؟
تم تو اپنے مذہب میں بہت پکے تھے لیکن یہ جدید مذہب تمہارے گھر میں کس طرح داخل ہو گیا؟ پہلے
اپنے گھر کی تو خبر لو۔ خود تمہارے بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔" یہ سننا تھا کہ غصہ سے آگ بگولا ہو کر بہن
کے مکان پر پہونچے، وہ قرآن پڑھ رہی تھیں ان کو آتا دیکھ کر خاموش ہو گئیں۔ دروازہ کھول کر اندر گئے اور
بہن فاطمہ سے کہا "مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ تو بے دین ہو گئی ہے۔" اور یہ کہتے ہوئے زور سے طمانچہ مارا اور ان
کے شوہر سعید بن زیدؓ کی ڈاڑھی پکڑ لی اور زمین پر پٹک دیا۔ بہن نے روتے ہوئے جواب دیا "اللہ کے دشمن!
تو مجھ کو اسلام لانے پر مارتا ہے، تجھ کو جو کچھ کرنا ہو کر۔" جب دونوں کے سخت ارادوں کو دیکھ لیا تو حضرت عمرؓ
خود فرماتے ہیں کہ انھیں بہت شرم معلوم ہوئی، اور وہ غصہ میں تخت پر بیٹھ گئے پھر بولے "اچھا لاؤ تم کیا پڑھ
رہی تھیں۔" بہن فاطمہ نے جب لا کر سامنے رکھ دیا تو کلام پاک پڑھتے ہی آنسو جاری ہو گئے۔ خدائے واحد و

قادر کی ہیبت طاری ہو رہی تھی۔ ان کا آہنی دل شعاع نور سے موم ہو رہا تھا، ایک ایک لفظ پر مرعوب ہو رہے تھے یہاں تک کہ متاثر ہو کر پکار اٹھے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔ (میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ رسول خدا ہیں) اور سیدھے آستانۂ نبوت کی طرف دوڑے۔ کوہ صفا کے دامن میں ارقم کے مکان میں آنحضرتؐ ٹھہرے ہوئے تھے۔ دروازے پر پہنچے توان کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر صحابہ کو تردد ہوا لیکن حضرت حمزہؓ نے (جو اسلام میں داخل ہو چکے تھے) فرمایا کہ "آنے دو، اگر اچھی نیت سے آیا ہے تو بہتر ہے، ورنہ اسی تلوار سے اس کا سر اڑا دوں گا"؛ حضرت عمرؓ کے داخل ہوتے ہی آنحضرتؐ نے دریافت کیا "کیوں عمر کس ارادے سے آئے ہو؟" یہ سنتے ہی عمرؓ کے جسم میں کپکپی سی طاری ہو گئی۔ اور وہ عاجزی سے بولے "سر جھکانے کو حاضر ہوا ہوں": آنحضرتؐ بے ساختہ پکار اٹھے اور آپؐ کے ساتھ سارے صحابہ "اللہ اکبر"

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے مذکورہ بالا واقعہ کو تو سب جانتے ہیں۔

مختلف آراء: لیکن اس امر پر کہ قرآن کی وہ کون سی سورۃ تھی جس نے ان کی کایا پلٹ دی مختلف بیانات ملتے ہیں۔

۱۔ ایک گروہ کا یہ کہنا ہے کہ جب اس معاملہ میں ایک کے علاوہ دو روایتیں بھی نہیں تو دوسری سورۃ کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ اس گروہ کے نزدیک یہ منفرد سورۃ طٰہٰ تھی جس نے متاثر کیا تھا۔

۲۔ دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ یہ سورہ "الحدید" تھی جس نے حضرت عمرؓ کے اندر تبدیلی پیدا کر دی۔ اسی گروہ میں مولانا شبلیؒ بھی آتے ہیں۔

۳۔ تیسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ سورہ "طٰہٰ" کی روایت ہی صحیح ہے اور اس صحت کے لئے وہ یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ سورہ طٰہٰ مکی ہے اور حضرت عمرؓ ہجرت سے پیشتر اسلام لائے۔ لہٰذا اسی مکی سورہ کو پڑھ کر متاثر ہوئے۔ سورہ "الحدید" مدنی ہے اس لئے اس کا ذکر ہی خارج از بحث ہے۔ دوسری دلیل یہ کہ مدنی سورتوں میں عموماً انفاق فی سبیل اللہ اور جہاد وغیرہ جیسے مضامین پر بحث کی گئی ہے وہی بات سورہ "الحدید" میں بھی پائی جاتی ہے۔ برخلاف اس کے مکی سورتوں کا نفس مضمون جداگانہ ہے۔

حقیقت حال: بظاہر تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ ہجرت سے پیشتر مکہ میں ایمان لائے تو ضرور کوئی مکی سورہ رہی ہو گی جس نے انھیں متاثر کیا، اور اگر سورہ

طہ بھی تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ایمان لانے کے بعد انھوں نے بھی ہجرت کی اور جب مدنی سورتوں میں
سورہ الحدید کا شمار ہے تو پھر اس کا ذکر کیسے؟ لیکن دراصل اس سنجیدہ مسئلہ کو محض سطحی نظر سے
دیکھنے ہی کا نتیجہ ہے کہ غلط فہمی پیدا ہوئی۔ غلط فہمی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آج جب ہم یہ سنتے ہیں
کہ حضرت عمرؓ کی بہن قرآن پڑھ رہی تھیں اور دریافت کرنے پر کہ کیا پڑھ رہی تھیں کوئی سورہ پیش کردی
تو ہمارے ذہن میں فوراً قرآن کی موجودہ شکل سامنے آجاتی ہے اور ہم اس بات کو بالکل فراموش کر جاتے
ہیں کہ اس وقت قرآن کے جس نسخہ کو پڑھ کر حضرت عمرؓ ایمان لائے اس کی ہیئت و حیثیت کیا تھی؟ یہ
غلط فہمی اس وقت دور ہو سکتی ہے جب ہم پورے دلائل کے ساتھ حقیقت حال سے آشنا ہو جائیں۔

۱ - قرآنی آیات کا نزول وقفہ وقفہ سے بتدریج ہوتا رہا اور یہ سلسلہ ۲۳ سال تک جاری رہا۔
معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلی مکمل سورۃ جو حضورؐ پر نازل ہوئی وہ سورہ الفاتحہ تھی
اس سے پہلے صرف متفرق آیات نازل ہوئی تھیں جو سورہ "العلق" سورہ "المزمل" اور سورہ "المدثر"
وغیرہ میں شامل ہیں۔ ایک ہی زمانہ میں مختلف سورتوں کے نزول کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ ان سورتوں
میں کوئی سورہ اختتام تک پہلے پہونچی اور کوئی بعد میں۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ متعدد سورتیں جو تدریجی
طور پر نازل ہو رہی تھیں ان کے لکھوانے اور قلمبند کرانے کا طریقہ یہ تھا "فکان اذا انزل علیہ الشیٔ
دعا بعض من کان یکتب فیقول ضعوا هذا فی التی یذکر فیها کذا وکذا (مختصر
کنز العمال ج ۲ ص۴۳ - بحوالہ تدوین قرآن، از افادات مولانا مناظر احسن گیلانیؒ) (جب رسول اللہ ﷺ پر کوئی چیز
نازل ہوتی تو جو لکھنا جانتے تھے ان میں سے کسی کو طلب فرماتے اور کہتے کہ اس آیت کو اس سورۃ میں لکھو
جس میں فلاں باتیں یا آیتیں ہیں) اور مسند احمد میں یہ روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: اتانی
جبریل فامرنی ان اضع هذہ الآیة بهذا الموضع من هذہ السورة (جبریل
آئے اور مجھے حکم دیا کہ میں اس آیت کو اس سورت کی فلاں جگہ پر رکھوں) جس کا مطلب یہ ہوا کہ
خود رسول اللہ نے نہیں بلکہ ہر آیت جس سورۃ میں جس مقام پر ہے یہ کام بھی جبریلؑ ہی کے حکم سے ہوا
ہے۔

(۲) بعض اوقات ایسا ہوا ہے کہ کچھ آیات مکہ میں نازل ہوئیں اور اس حیثیت سے وہ تھیں
تو مکی مگر ترتیب میں انھیں مدنی سورۃ کے ساتھ شامل کر دیا گیا۔ کیا سورہ البقرہ کی آخری آیات ایسی
نہیں ہیں؟ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی البقرہ کے متعلق فرماتے ہیں "سورہ کا خاتمہ جن آیات پر ہوا ہے
وہ ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہو چکی تھیں مگر مضمون کی مناسبت سے ان کو بھی اسی سورہ میں ضم کر دیا

گیا ہے" (تفہیم اول)، حالانکہ یہ سورہ مدنی کہلاتی ہے !

وہ آیات جن پر سورۃ البقرہ کا خاتمہ ہوا ہے، یہ ہیں: لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۗ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڭ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ .... فَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ یہ ہے خاتمہ کلام جو مکہ میں نازل ہوا۔ جس طرح اس سورہ کا آغاز (حالانکہ سورہ مدنی ہے) دین کی بنیادی تعلیمات سے کیا گیا تھا۔ کیا اسی طرح سورہ کو ختم کرتے ہوئے بھی ان تمام اصولی امور کو نہیں بیان کر دیا گیا ہے جن پر دین اسلام کی اساس قائم ہے؟ آخر میں دعا ہے جس کی پوری روح کو سمجھنے کے لئے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں "یہ بات پیش نظر رہنی چاہیئے کہ یہ آیات ہجرت سے تقریباً ایک سال قبل معراج کے موقع پر نازل ہوئی تھیں جبکہ مکہ میں کفر و اسلام کی کشمکش اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ ان حالات میں مسلمانوں کو تلقین کی گئی کہ اپنے مالک سے اس طرح دعا مانگا کرو"

۳ ۔ سورۃ الکوثر کے متعلق معلوم ہے کہ حدیبیہ کے دن نازل ہوئی۔ چونکہ حدیبیہ مکہ سے بالکل قریب ہے اور حدودِ حرم میں داخل ہے اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ اس کو مکی سورہ کہنے میں کوئی تردد نہیں مگر جس وقت یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ حدیبیہ کا واقعہ ہجرت کے ۵ سال ۸ مہینے بعد پیش آیا تو عقدہ کھلتا ہے کہ شانِ نزول کا مطلب کوئی متعین و مخصوص وقت نہیں ہوتا بلکہ ایک حالت کے ساتھ آیت کی مطابقت ظاہر کرنی مقصود ہوتی ہے۔ مولانا حمید الدین فراہی فرماتے ہیں کہ "شانِ نزول سے مراد لوگوں کی وہ حالت، وکیفیت ہوتی ہے جس پر وہ کلام برسرِ موقع حاوی ہوتا ہے" پروفیسر اجمل کے لکھنے کے مطابق ترتیبِ نزول کا معلوم کرنا ناممکن ہے۔" نولڈیکے (Nöldeke)

(بحوالہ تدوینِ قرآن، از جناب غلام ربانی)

۴ ۔ سورۃ الحدید جسے مدنی سورۃ بتا کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے اس کے الفاظ بھی غور کے مستحق ہیں:۔ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُـحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ...... اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مِنكُمْ وَأَنفَقُوا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ ۝ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَإِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ ـــــــ" کیا یہ الفاظ مذکورہ بالا سورۃ البقرہ" کی مکی آیات کے الفاظ سے ملتے جلتے نہیں ہیں؟ اور کیا دونوں کے مفہوم اور نفسِ مضمون میں بھی مطابقت نہیں پائی جاتی؟ اس پوزیشن اور اس اندرونی شہادت سے نشاندہی ہوتی ہے کہ البقرہ کی طرح کیا عجب ہے کہ "الحدید" کی یہ آیات بھی مکہ ہی میں نازل ہوئی ہوں اور بعد میں مدینہ میں نازل شدہ آیات کے ساتھ مل کر پوری سورۃ مدنی بن گئی

۵ - محمد علی (لاہوری) نے اپنی انگریزی تفسیر میں سورہ الحدید کے تحت ابو حیان کا حوالہ دیتے ہوئے "تاریخ نزول کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ "سب سے زیادہ با اثر مسلم طبقہ کا خیال ہے کہ یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اختلاف رائے رکھنے والے ناقابل لحاظ و توجہ ہیں "

(The dissenting voice are, in fact, quite unworthy of serious consideration.)

اس نوٹ سے کم از کم اتنا تو ضرور پتہ چلتا ہے کہ ایسے لوگ بھی تھے جو اسے مکی سمجھتے رہے ہوں۔ یہ دوسری بات ہے کہ محمد علی صاحب کے نزدیک ایسے اختلاف رائے رکھنے والے ناقابل لحاظ و توجہ ہیں۔

۶ - جب قرآن کے نزول کا سلسلہ ۲۳ سال تک جاری رہا (یعنی ۶۱۰ء سے ۶۳۲ء تک) اور حضرت عمرؓ ہجرت (۶۲۲ء) سے قبل قرآن پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہوئے تو آخر اس نسخہ کی کیا صحیح حیثیت و پوزیشن تھی جسے ان کی بہن تلاوت کر رہی تھیں؟ اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور پر سمجھنے کی ہے کہ نزول کے وقت قرآن کس چیز پر لکھا جا رہا تھا اور اس کے تحفظ کا کیا طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔

کم از کم اتنی بات تو عام طور پر مشہور ہے کہ ایام جاہلیت کے سات قصیدے "سبع معلقات" کے نام سے مشہور تھے۔ وجہ تسمیہ خود اس حقیقت کو عیاں کرتی ہے کہ یہ چیدہ قصیدے قدر دانی کے خیال سے خانہ کعبہ کے کسی نمایاں مقام پر جھلیوں یا باریک کھالوں پر لکھ کر حج کے مواقع پر لٹکائے گئے تھے۔ قرآن کے نزول کی ابتداء کے وقت جھلی منجملہ ان دیگر اشیاء کے تھی جن پر نوشت کا کام ہوتا تھا۔ فرامین رسالت خود ہی جھلیوں پر لکھوا کر مختلف مقامات پر بھیجے گئے تھے (جن میں سے چند دستیاب ہو چکے ہیں) یہ جھلی اور کمائے ہوئے صاف چمڑے زیادہ تر جنوبی عرب کے کارخانوں سے حاصل ہوتے تھے (الفہرست ص۲۱ بحوالہ "مسلمانوں کی صنعت، حرفت، زراعت و تجارت")

اس موضوع پر مولانا مناظر احسن گیلانی رح کی مبسوط بحث کا خلاصہ جناب غلام ربانی صاحب نے تدوین قرآن میں پیش کیا ہے۔ قرآن میں "رق"، قرطاس، صحیفہ اور صحف کے الفاظ اکثر آئے ہیں اور حدیثوں میں رقاع، آدیم، لخاف، کتف، عسیب، اقتاب کے الفاظ آئے ہیں جن کا مفہوم مختصراً ذہن نشین کر لینا سود مند ہوگا۔

رق :۔ لکھنے کے لئے پتلی کھال (جس کا استعمال زمانہ جاہلیت میں ہو رہا تھا)

قرطاس :۔ ورق۔ اس کی جمع قراطیس (جس کے متعلق مولانا مناظر احسن گیلانی رح فرماتے ہیں "امام مالک شہاب زہری سے اور شہاب زہری عبداللہ بن عمر کے صاحبزادے سالم کے حوالہ سے یہ روایت نقل کرتے تھے کہ زید بن ثابت نے "القراطیس" پر ابوبکر رض کے حکم سے قرآن کی کل سورتوں کو لکھا تھا۔ غالباً ایک ہی تقطیع کے اوراق جب بنائے جاتے تھے تو ان کو قراطیس کہتے تھے (دیکھو اتقان ج۱) ایک سائز کے اوراق پر لکھنے کی وجہ سے ابوبکر رض صدیق کی حکومت کے مرتب کردہ اس نسخہ کو ربعہ بھی کہتے تھے (دیکھو اتقان ج۱) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ طول و عرض ان اوراق کا متساوی تھا ربعہ کا ترجمہ "چوکھونٹا" کیا جا سکتا ہے (بحوالہ تدوین قرآن، از جناب غلام ربانی)

صحیفہ :۔ باریک جھلی یا چمڑے کا وہ ورق جس پر ایام جاہلیت میں لکھا جاتا تھا۔ اس کی جمع صُحف ہے۔

رقاع :۔ رقعہ کی جمع ہے۔ یہ چمڑے کے خاص قسم کے ٹکڑے ہوتے تھے جو لکھنے ہی کے لئے تیار کئے جاتے تھے۔ یہ بھی "رق" کی ایک تعبیر ہے۔ انگریزی میں (PARCHMENT) کہتے ہیں۔ لغت کی کتاب "مجمع البحار" میں رقاع کی تحقیق کرتے ہوئے ایک حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن لوگ آئیں گے وعلی رقبتہ رقاع تخفق، پھر اس کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے "اراد بالرقاع ما علیہ من الحقوق المکتوبۃ فی الرقاع" جس کا مطلب یہی ہوا کہ دَین اور قرض وغیرہ جیسے مطالبات ادا کئے بغیر جو مر جائیں گے قیامت کے دن ان مطالبات کے وثائق (وثیقہ کی جمع) کو اپنی اپنی گردنوں میں باندھے نمودار ہوں گے۔ اور مطالبات کے یہ وثائق رقاع میں لکھے ہوں گے۔ اس کے متعلق یہ بات کہ وثائق رقاع پر لکھے جاتے تھے، عرب کا عام دستور تھا۔ گویا کاغذ کے لفظ کا جو حال اس وقت اردو میں ہے بلکہ رقعہ کا لفظ اردو میں بھی تو آج تک لکھی ہوئی تحریروں کے لئے بولا جاتا ہے۔ دیکھو مجمع البحار ج۲ (بحوالہ تدوین قرآن، از جناب غلام ربانی)

ادیم :۔ باریک کھال سے دباغت کے عمل سے تیار ہوتا تھا۔ عرب جو ایک گوشت خور ملک تھا کافی ذخیرہ ادیم کا ان کے ہاں ملتا تھا حتی کہ خیمہ تک صرف ادیم کے چمڑوں سے تیار کیا جاتا تھا۔ ادیم

پر بھی لکھا جاتا تھا۔

لخاف :۔ سفید رنگ کے پتھر سے پتلی پتلی چوڑی تختیاں (الواح) بنائی جاتی تھیں جن پر لکھا جاتا تھا۔

کتف :۔ اونٹ کے مونڈھے کے پاس کی گول ہڈی طشتری کی طرح بن جاتی ہے اس کو خاص طریقہ سے تراش کر نکالا جاتا تھا، اس پر بھی لکھا جاتا تھا۔

عسیب :۔ کھجور کی شاخوں کا وہ حصہ جو تنے سے متصل ہوتا ہے جس میں کافی کشادگی ہوتی ہے اس حصہ کو شاخ سے جدا کر لیا جاتا تھا اور ان ہی ٹکڑوں کو خشک کر کے ان پر لکھتے تھے۔

اقتاب :۔ قتب کی جمع۔ اونٹ کے کجاوہ میں چھوٹی پھٹیاں جو استعمال ہوتی ہیں ان کو کہتے ہیں یہ چوڑے پتلے پتلے تختوں کے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ پرانے کجاووں میں امتداد زمانہ سے ان کا کھردراپن مٹ جاتا تھا اور با آسانی چیرنے سے وہ لکھنے کا کام دیتے تھے۔

غرضکہ یہ سارے سامان تھے جن پر زمانہ جاہلیت میں نوشت کا کام ہوتا تھا۔ اور نوشت مختلف ضروریات کے تحت ہوا کرتی تھی جس طرح آج ہوتی ہے۔ تاریخاً نزول قرآن کے وقت قرآنی آیات کی لکھائی بھی انھیں مختلف اشیاء پر ہونی شروع ہوئی۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابیوں میں سے چالیس سے زائد حضرات کو لکھنے پر مقرر کر رکھا تھا کہ جس وقت قرآن کی جس سورۃ کی جن آیتوں کی وحی ہو فوراً پہونچ کر ان کو قلمبند کر لیا کریں۔ کاتب جب لکھ لیتے تو آپ پڑھوا کر سنتے۔ اگر کوئی حرف یا نقطہ لکھنے سے چھوٹ جاتا تو اسے درست کرتے۔ جب یہ سب کام پورا ہو جاتا تب اشاعت عام کا حکم دے دیا جاتا تھا۔

ابتداءً ان آیتوں کی حیثیت اس قسم کی یادداشتوں کی تھی جنھیں مصنفین اپنی پیش نظر تصانیف کے لئے پہلے جمع کرتے رہتے ہیں اور آہستہ آہستہ ان یادداشتوں کو متعلقہ کتابوں میں ترتیب کے ساتھ درج کرتے چلے جاتے ہیں۔ یا شعراء پرزوں پر نوٹ کرتے چلے جاتے ہیں پھر بعد میں ان ہی یادداشتوں سے اپنی غزلوں کو مرتب کرتے ہیں۔ ابتداءً قرآن کی آیتیں صحابہ کرام کے سینوں میں محفوظ رہنے کے علاوہ رقاع، ادیم، لخاف، کتف، عسیب اور اسی قسم کی چیزوں پر لکھی جاتی تھیں مذکورہ بالا اشیاء برائے نوشت پر اگر غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وحی کی ان ابتدائی یادداشتوں کے لکھوانے میں کس قدر احتیاط برتی اور ایسی چیزوں کا انتخاب فرمایا تھا جو عام حوادث و آفات کا نسبتاً زیادہ مقابلہ کر سکتی تھیں۔ آپ کی لکھائی ہوئی تمام ابتدائی

یادداشتیں حضرت ابوبکر رض کے زمانہ میں جوں کی توں اپنی اصلی حالت میں مل گئی تھیں جب زید بن ثابت رض نے بڑی جانفشانی کے ساتھ حضرت عمر رض کی ایما پر حکومت کی طرف سے تمام سورتوں کو ایک ہی تقطیع اور سائز کے اوراق پر لکھوا کر ایک جلد میں مجلد کرا دیا۔ اس تیاری کی رپورٹ میں زید بن ثابت رض نے یہ بھی بتایا ہے کہ آنحضرت ؐ کی لکھوائی ہوئی ابتدائی یادداشتوں کو بھی جو مختلف اشیاء پر مکتوب تھیں انھوں نے اپنے سامنے لکھتے وقت رکھ لیا تھا۔

علامہ قسطلانی شارح بخاری کے حوالہ سے الکتانی نے نقل کیا ہے کہ "قد کان القرآن کلہ مکتوبا فی عهده صلی اللہ علیہ وسلم ولکن غیر مجموع فی موضع واحد (ج ۲ ص۳۸۴ الکتانی ـ بحوالہ تدوین قرآن) (قرآن کل کا کل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں لکھا جا چکا تھا البتہ ایک جگہ ساری سورتوں کو جمع نہیں کیا گیا تھا۔ یعنی ایک جلد میں جلد سازی اور شیرازہ بندی ان سورتوں کی نہیں ہوئی تھی) حارث محاسبی نے جو امام احمد بن حنبل رح کے معاصر ہیں اپنی کتاب فہم السنن میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ص کے گھر میں قرآن کی یادداشتوں کا جو مجموعہ تھا، وکان القرآن فیها منتشرا فجمعها جامع وربطها بخیط (اتقان ج ۱ ص۸۳ ـ بحوالہ تدوین قرآن) (اس میں قرآنی سورتیں الگ الگ لکھی ہوئی تھیں (ابوبکر رض کے حکم سے) جامع (زید بن ثابت رض) نے ایک جگہ سب سورتوں کو جمع کیا اور ایک دھاگے سے سب کی شیرازہ بندی کی)

قرآنی آیات کی کتابت کے پہلے مرحلہ کے بعد بعض صحابہ فرماتے تھے "کنا جلوسا عند النبی صلے اللہ علیہ وسلم نؤلف القرآن فی الرقاع (مستدرک) (ہم لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد بیٹھ کر رقاع میں قرآن کی تالیف کرتے تھے۔) اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ صرف نقل ہی نہیں کرتے تھے بلکہ جن جن سورتوں کی متعلقہ آیتیں اس وقت تک نازل ہو چکی ہوتیں ان کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان کی سورتوں کے ان مقامات پر ترتیب دے کر لکھا کرتے تھے جہاں پر ان کو ہونا چاہیئے تھا اور ان کی نقل بھی لیتے چلے جاتے تھے۔ کنز العمال میں ابن داؤد کی کتاب المصاحف کے حوالہ سے صحابہ کے متعلق یہ الفاظ صراحۃً منقول ہیں "کتبوا ذلک فی الصحف والالواح (ج ۲ ص۳۵ مسند احمد بحوالہ تدوین قرآن) (صحابہ نے قرآن کو صحیفوں اور تختیوں میں لکھ لیا تھا)

اس کثرت سے صحابیوں نے براہ راست قرآن کو رسول اللہ ص کے سامنے لکھا تھا کہ عہد نبوت ہی میں مکتوبہ شکل میں نسخے گھر گھر پھیل چکے تھے اور عہد عثمانی میں جب حکومت کی طرف سے

یہ مطالبہ کیا گیا کہ جس جس پاس پورا قرآن یا اس کی سورتیں ہوں ان کو لے کر حاضر ہوں تو بیان کیا جاتا ہے کہ لوگوں نے لا لا کر جمع کرنا شروع کیا۔ فکان الرجل یجیئ بالورقة والادیم فیه القرآن (لوگ ورق اور چمڑے لے کر حاضر ہوئے جن میں قرآن لکھا ہوا تھا) حتی جمع من ذلك کثرة۔ یہاں تک کہ بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا)

پھر جب ہر ایک اپنی قرارت کو دوسروں کی قرآت سے بہتر قرار دینے لگا اور اس میں تکفیر بازی ہونے لگی تو حضرت عثمانؓ نے کہا "ادی ان نجمع الناس علی مصحف واحد" (مختصر کنز العمال برحاشیہ مسند احمد ج ۲ ص ۳ ۔ بحوالہ تدوین قرآن) (میں خیال کرتا ہوں کہ لوگوں کو ایک ہی مصحف پر جمع کر دیا جائے) یہی "جمع الناس علی مصحف واحد" عہد عثمانی کی قرآنی خدمت کی صحیح تعبیر ہے۔ یعنی کتابت اور لکھاوٹ کی حد تک تلفظ اور لب لہجہ کے جھگڑوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا گیا۔ حکومت کی طرف سے ایک سررشتہ قائم کیا گیا جس کے صدر زید بن ثابت ہی مقرر کئے گئے اور ان کی مدد کے لئے گیارہ ارکان دیئے گئے۔ اور یہ حکم دیا گیا کہ کتابت کی حد تک قرآن کو اسی لہجہ اور تلفظ میں لکھا جائے جو رسول اللہ ص کا تلفظ اور لہجہ تھا۔ اس سررشتہ نے صدیقی نسخہ کی چند نقلیں تیار کیں۔ پڑھوا کر جب اطمینان ہو گیا کہ سارے نسخے صحیح اور مکمل ہیں تو ان کو مختلف صوبوں کے دار الخلافوں میں بھیج دیا گیا تاکہ آئندہ نقل و تدریس انھیں کے مطابق ہو۔ ساتھ ہی ساتھ یہ فرمان بھی جاری کیا گیا کہ اگر کسی کے پاس انفرادی لہجہ یا تلفظ کے لحاظ سے لکھا ہوا قرآنی نسخہ موجود ہو تو اسے حکومت کے حوالہ کر دیا جائے تاکہ اسے جلا (حرق) یا پھاڑ (خرق) دیا جائے۔

جس سال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس سے پہلے رمضان میں جبرئیلؑ کو آپؐ نے دو دفعہ قرآن سنایا تھا۔ یہ روایت بخاری وغیرہ تمام صحاح کی کتابوں میں پائی جاتی ہے اس وقت تک بجز چند آیتوں کے قرآن پورا نازل ہو چکا تھا۔ پس جس ترتیب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل کو سنایا تھا کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ عہد صدیقی میں سورتوں کی جلد بندی میں اس طرز عمل کی پیروی نہ کی جاتی۔ صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ سورتوں کی جلد بندی جس ترتیب سے کر دی گئی تھی اس کا پابند دوسروں کو نہیں بنایا گیا تھا۔ اس انفرادی آزادی کا نتیجہ یہ تھا کہ سورتوں کی ترتیب کے لحاظ سے بعض صحابیوں کے قرآن کی ترتیب دوسرے صحابی کے قرآنی نسخے سے کچھ مختلف بھی ہوتی تھی۔ لیکن عہد عثمانی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ کے مجلد کرائے ہوئے قرآن کی نقلیں حکومت نے مرکزی صوبوں میں تقسیم کر کے یہ حکم مسلمانوں کو جب دیا کہ سورتوں کی ترتیب

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش۔

میں بھی اس کی پابندی کی جائے اور اس حکم کے بعد دوسری ترتیب سورتوں میں کبھی قانوناً ممنوع قرار دے دی گئی تو اس وقت یہ اختلاف بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا (بحوالہ تدوین قرآن از مولانا غلام ربانی)

خلاصہ یہ کہ جس وقت حضرت عمرؓ مشرف بہ اسلام ہوئے اس وقت تک قرآن کی جتنی سورتیں یا مختلف سورتوں کی جتنی آیتیں نازل ہو چکی تھیں وہ سب "یادداشتوں" اور تالیف شدہ صورتوں میں باریک چمڑے اور جھلیوں کے ان ٹکڑوں پر نوشت ہو چکی تھیں جنہیں رق، رقعہ اور صحیفہ کہا جاتا تھا یہ بات بھی واضح ہو چکی کہ ایسے رق، رقعہ اور صحیفہ پر پہلے سے دوسری باتوں (مثلاً وثیقہ وغیرہ) کے لکھنے کا رواج تھا۔ مدینہ منورہ تشریف لانے پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود انصاری قبائل اور یہودیوں کے مابین جو معاہدہ فرمایا تھا وہ صحیفہ کے نام سے مشہور تھا۔ یہ صحیفہ مبارک ۵۲ دفعات پر مشتمل تھا۔ اس کے متن میں دفعہ نمبر ۲۴ میں جو الفاظ ہیں ان کا ترجمہ یہ ہے "کسی مسلمان کے لئے جس نے اس صحیفہ کو تسلیم کرکے اس کی پابندی کا اقرار کرلیا ہے اور وہ خدا اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے یہ ہرگز جائز نہیں ہوگا کہ وہ کوئی نئی بات پیدا کرے" دفعہ نمبر ۳۹ میں ہے کہ اور جو شخص اس صحیفہ کی زیادہ سے زیادہ وفادارانہ تعمیل کرے گا خدا اس کی مدد کریگا" اور دفعہ نمبر ۵۲ میں ہے کہ جو اس صحیفہ کا سچے دل سے احترام اور تعمیل کرے گا اس کے لئے اللہ اور اس کا رسول محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نگہبان ہیں، عہد صدیقی میں اوراق کو جو کھونٹا کاٹ کر ربعہ کے نام سے قرآنی نسخہ مجلد کئے جانے سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ اس سے قبل کلام ربانی کے نوشتے بے سائز چمڑے کے ٹکڑوں پر تھے اور ایسے نوشتے (جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے) سرور رسول اللہ کی زندگی تک منتشر اجزاء کی صورت میں تھے۔ ایک ایک ورق جس پر کچھ لکھا رہتا تھا صحیفہ کہلاتا تھا۔ اور اس وقت تک کلام ربانی والے جتنے پاک صحیفے موجود تھے ان کو رسول اللہ لوگوں کو سناتے تھے سورۃ الجمعہ میں فرمایا گیا ہے " هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ " دوسری جگہ فرمایا گیا ہے "رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ " ان صحیفوں میں مطہرۃ (پاک) کہا گیا ہے کیونکہ ان پر کلام ربانی تھا۔ ایک بات اور سامنے آتی ہے کہ کمائے ہوئے بے سائز چمڑوں اور کھالوں کے ایک ہی ٹکڑے (صحیفہ) پر یادداشتی اور تالیفی دونوں مرحلوں میں یہ عین ممکن تھا کہ بعض اوقات یا اکثر ایک سے زائد سورتوں کا اندراج بھی ہوتا رہا ہو۔ اور جیسے جیسے متعلقہ آیات کا نزول ہوتا رہا ویسے ویسے اپنی اپنی متعلقہ سورتوں میں یہ آیات ضم کردی جاتی رہی ہوں۔

علاوہ سیرت کی کتابوں کے دار قطنی کی سنن میں بھی ہے البتہ بجائے غسل کے اس میں وضو کرنے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

پاک اور ناپاک کے سلسلہ میں جو ذکر ان کی بہن نے کیا ظاہر ہے کہ اس کا اشارہ سورہ "الواقعہ" کی ان آیات کی طرف ہے۔ " اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۙ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۙ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ۙ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ۞ (یہ بڑی قدر و منزلت کا قرآن ہے اور کتاب مکنون میں ہے جس کو صرف پاک ہی پا سکتے ہیں۔ یہ رب العٰلمین کی طرف سے نازل ہوا ہے، تو کیا تم اس کلام سے منکر ہو؟ اور تم نے اپنا راتب باندھ لیا ہے کہ جھٹلاتے ہی رہو گے) ان آیات کے مفہوم کو اپنی بحث میں اپنے بھائی کے سامنے بطور دلیل کے پیش کرنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سورۃ الواقعہ کا نزول پہلے ہو چکا تھا اس کی یادداشتی یا تالیفی نقل کا مطالعہ بھی حضرت عمرؓ کی نومسلمہ بہن اچھی طرح کر چکی تھیں اور انھوں نے اس انداز سے قرآن کے اس حوالہ کو بطور دلیل پیش کیا کہ حضرت عمرؓ بے حد متاثر ہوئے اور غسل یا وضو کر کے پہلے اپنے آپ کو پاک صاف کیا تب پورے عزم کے ساتھ اس صحیفہ کے معانی و مطالب پر غور کرنے لگے۔

سورۃ الواقعہ جو مکی سورۃ ہے اس کے آخری الفاظ یہ ہیں " اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ۚ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۞ (بے شک یہ جو بیان کیا گیا بالکل سچ اور یقینی ہے۔ تو اپنے پروردگار عالی شان کے نام کی تسبیح و تقدیس کرتے رہو) قرآن کریم کی ترتیب پر غور کیجیے کہ سورہ الواقعہ مکی ہے مگر اس کے بعد ہی سورۃ الحدید جس کو مدنی بتایا جاتا ہے اس کا افتتاح بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد ہی ان الفاظ سے ہوتا ہے " سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞ (وہ سبھی تو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ اور وہ غالب حکمت والا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے وہی جلاتا اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے) سورۃ الواقعہ کے آخری الفاظ اور سورہ الحدید کے افتتاحی فقرے بالکل ایک ہی بحث کے اجزا معلوم ہوتے ہیں اور یہی افتتاحی آیات تھیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ بھی اسی صحیفہ میں تھیں۔ حضرت عمرؓ کی بہن سورہ الواقعہ کا مطالعہ

کر چکی تھیں۔ اسی لئے اس کا حوالہ فوراً دیا اور صحیفہ زیرِ بحث جس میں سورہ الحدید کی ابتدائی آیات تھیں اب ان کے مطالعہ میں تھا

جہاں تک نفسِ مضمون کا تعلق ہے تینوں سورتوں (حدید، طٰہٰ، تکویر) کے الفاظ اور معانی تقریباً یکساں نظر آتے ہیں اور سبھی اس قابل تھے کہ حضرت عمرؓ کے دل کو متاثر کر سکتے۔ چنانچہ صحیفہ کو غور سے پڑھتے ہی انھوں نے مذکورہ بالا ریمارک کیا کہ "مجھے بہت تعجب ہوا اور میں نے کہا کیا اسی سے قریش بھاگتے ہیں؟"۔

الحاصل اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں ایک سے زائد روایتیں ہیں اور قرینِ قیاس ہے کہ اس ایک ہی صحیفہ پر ایک سے زائد سورتوں کی آیات تھیں دلائل کی روشنی میں کم از کم "حدید" اور "طٰہٰ" کی آیات تو ضرور معلوم ہوتی ہیں چاہے تکویر کی نہ رہی ہوں۔ جہاں تک نفسِ مضمون کا تعلق ہے مذکورہ بالا بحث سے یہ بات بھی قرینِ قیاس ہو جاتی ہے کہ سورۃ الحدید کی ابتدائی آیات کا نزول مکہ میں ہو چکا تھا اسی لئے کم از کم اتنی آیات کے مضمون اور مکی سورہ "طٰہٰ" کے مضمون میں مطابقت ہے۔ خواہ "حدید" کو اکثر آیات کے نزول کی بنا پر مدنی ہی کیوں نہ شمار کیا جائے بلکہ دوسری طرف اس کے الفاظ مدنی سورۃ البقرہ کی ان آیات کے الفاظ سے بھی مطابقت رکھتے ہیں جو مکہ میں نازل ہو چکی تھیں۔

مصحفِ عثمانیؓ کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ زارِ روس کے زمانہ میں شہر پیٹرس برگ کے سرکاری کتب خانہ میں موجود تھا۔ ۱۹۰۵ء میں ایک روسی عالم نے اس مقدس نسخہ سے سورہ یٰسین فوٹو بلاک کے ذریعہ چھاپی تھی جس کا ایک نسخہ بمبئی کی انجمن خدام النبی کے ذاتی کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ اس کے آخر میں خاتمۃ الطبع کے طور پر ترکستانی زبان میں ایک تحریر ہے جس میں تفصیل کے ساتھ مصحفِ عثمانی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے اردو ترجمہ سے ذیل کا اقتباس پیش کیا جا رہا ہے "اس کلام پاک کا اصل نسخہ چمڑے پر خطِ کوفی میں لکھا ہوا ہے۔ پورے کلام اللہ میں ۷۰۰ صفحات ہیں۔ چمڑے کی دباغت عجیب و غریب طریقہ سے کی گئی ہے۔ آج بھی دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے یہ کلام پاک اسی زمانہ میں اسی قسم کے کاغذ پر چھاپا گیا ہے"! (بحوالہ معارف جنوری ۱۹۶۷ء از جناب مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوری)

نوشت کے سامان میں کمائے ہوئے چمڑے اور جھلی کا انتخاب کتنا موزوں تھا! اس کی شہادت دستیاب مصحفِ عثمانی کے اوراق زبانِ حال سے دے رہے ہیں۔ عہدِ صدیقی میں جب

وقت زید بن ثابتؓ نے تمام سورتوں کو ایک ہی تقطیع اور سائز کے اوراق پر لکھوا کر ایک ہی جلد میں مجلد کرایا تو آپ نے آنحضرتؐ کی لکھوائی ہوئی ابتدائی یادداشتوں کو بھی اپنے سامنے رکھ لیا تھا۔ یہاں تک کہ پھر عہد عثمانی میں جب حکومت کی طرف سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ جس کے پاس پورا قرآن یا اس کی سورتیں ہوں ان کو لے کر حاضر ہوں تو بیان کیا جاتا ہے" فکان الرجل یجئ بالورقۃ والادیم فیہ القران" (لوگ ورق اور چمڑے لے کر حاضر ہوئے جن میں قرآن لکھا ہوا تھا) انھیں ابتدائی یادداشتوں یا تالیفی ادکیوں میں زیر بحث صحیفہ بھی ضرور زید بن ثابتؓ کے سامنے رہا ہوگا۔ اور اگر پھر محفوظ رہا ہوگا تو عہد عثمانی میں دوبارہ پیش کیا گیا ہوگا۔ لیکن بصورت دیگر جلا پھاڑ کر معدوم نہ کر دیا گیا ہوگا تو عجب نہیں کہ زمانہ کی دست برد سے بچ کر کہیں کسی گوشہ میں پڑا ہو!

کاش جس طرح استنبول میں حضرت عمرؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک ورق دستیاب ہوا اور جس طرح مصحف عثمانی کے روانہ کردہ سرکاری نسخوں میں سے ایک کا سراغ تاشقند میں ملا ہے (جن کا ذکر جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے تجلی کے خلافت نمبر میں کیا ہے) اور فرامین رسالتؐ جھلیوں پر دستیاب ہو چکے ہیں ویسے ہی کہیں یہ صحیفہ بھی ہاتھ لگ جاتا تو ساری حقیقت سامنے آجاتی!

ہمارے سامنے مشیت عالمی بحران کا چیلنج لئے کھڑی ہے وقت کے راستے پر پیچھے بھاگنے کا امکان نہیں چیلنج کا جواب دینے کی صلاحیت موجودہ مادی تہذیب اور اس کے بنائے ہوئے انسان میں نہیں ہے۔ کوئی نیا فلسفہ نہیں ابھر رہا ہے جو کم از کم ایک چھلاوے کی طرح وقتی طور پر ہی سرمایۂ اطمینان بن سکے۔ کسی طرف کوئی راہ نجات کھلتی نظر نہیں آتی اضطراب کے اس لمحے اور تاریکی کے اس سمندر میں دور ـــ تیرہ صدی کی دوری پر ـــ ایک نقطۂ نور دکھائی دیتا ہے۔ وہی مشعل جس کی روشنی کو خود ہم نے ـــ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں نے ـــ اپنے افکار پریشان اور اپنے اعمال پراگندہ کے غبار میں گم کر رکھا ہے

حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰ (علیہم السلام) جیسے مقدس نبیوں، بودھ، کنفیوشس اور کرشن جی جیسے دینی پیشواؤں، ہومر اور رچاسر جیسے شاعروں، ہرش اور سکندر جیسے فاتحین اور فرمانرواؤں۔ مانی جیسے مصوّر، فیثاغورث جیسے فلسفی۔ سولن جیسے مقنّن، اور اجنتا، ایلورہ جیسے حیرت انگیز غاروں کے تراشنے والے فن کاروں کی زندگیوں کے حالات کس درجہ اختصار، ابہام اور انتشار کے ساتھ ملتے ہیں!

پوری انسانی تاریخ میں اگر کوئی زندگی پوری کی پوری سینوں میں اور سفینوں میں محفوظ ہے تو وہ حضرت خاتم النبیین رحمۃ للعالمین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی ہے۔ پھر حضورؐ کے سوانح حیات جس احتیاط ذمہ داری اور فرض شناسی کے ساتھ جمع کئے گئے ہیں، اس کی نظیر تو خیر کیا ملتی، اس کی پرچھائیں بھی اور کہیں نظر نہیں آتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کی صحت کو جانچنے کے لئے کہ واقعی حضورؐ نے ایسا کہا اور کیا تھا ایک پورا "فن" وجود میں آیا ہے جس میں روایت و درایت کی گہرائیاں اور نقل وعقل کی نزاکتیں پائی جاتی ہیں۔ پھر محدثین (اللہ تعالیٰ کی ان پر رحمت نازل ہو) کی دیانت کا یہ عالم ہے کہ جس راوی میں جو کمزوری انھیں معلوم ہوئی ہے۔ اس کا بھی انھوں نے اظہار کر دیا ہے۔ دنیا کی کوئی زبان اور کوئی قوم "فن حدیث" جیسا لٹریچر آج تک پیش نہیں کر سکی، اس سے پہلے دنیا "علم رجال" سے ناآشنا تھی اور اس انداز تحقیق کی بڑے بڑے اہل علم کو ہوا تک نہیں لگی تھی!

اور یہ بھی نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے صرف اہم واقعات کو محفوظ کیا گیا ہو اور جزئیات کو چھوڑ دیا گیا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ حضورؐ کی سیرت کے ایک ایک جزئیہ کو حرز جان بنایا گیا ہے۔ تاریخ وسیر کی کتابیں یہ تک بتاتی ہیں کہ آپؐ کی دودھ پلانے والی حلیمہ سعدیہؓ کس قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کے شوہر کا اور حضورؐ کے رضاعی بھائی بہنوں کے کیا نام تھے؟ حضورؐ کے طفیل بنی سعد (ہوازن) کو بھی تاریخ میں نقشِ دوام حاصل ہو گیا۔

بعض جلیل القدر انبیاء کرام علیہم السلام تک کے بارے میں یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ ان نفوس قدسیہ نے کن مقامات پر داعی اجل کو لبیک کہا۔ مگر تاریخ یہ بتاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کا کس مقام پر انتقال ہوا اور وہ مقام (ابواء) فلاں مشہور

مقام (جحفہ) سے کتنے میل کی مسافت پر واقع ہے۔ اور حضورؐ بچپن میں مدینہ کے کس تالاب میں تیرا کرتے تھے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سیرت کے صدقہ میں آپؐ کے اجداد قصیٰ اور ہاشم کا مفصل ذکر تاریخوں میں ملتا ہے اور قبیلہ اور عدنان کے نسب نامہ کو لوگوں نے محفوظ کیا ہے۔ صرف اس لئے کہ حضور قریش کے گھرانے میں پیدا ہوئے تھے اہلِ علم اور ارباب خیر نے "قریش" کی وجہ تسمیہ تک کا پتہ لگایا ہے!

سیرتِ نبوی میں حضورؐ کے سفر طائف، ہجرت، غزوات بدر و احد اور فتح مکہ جیسے مہتم بالشان واقعات ہی محفوظ نہیں ہیں۔ حدیث کی کتابوں میں یہ تک ملتا ہے کہ حضورؐ کی ریش مبارک میں کتنے بال سفید تھے۔ سرکارؐ کے نعلینِ مبارک میں کتنے تسمے ہوتے تھے۔ آپؐ پانی کتنے گھونٹوں میں پیتے تھے۔ اور کس کروٹ سوتے تھے۔ حضورؐ کی تلواروں، زرہوں اور سواریوں کے کیا نام تھے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، بات کرنے، کھانا کھانے کی ایک ایک ادا کو امت نے محفوظ رکھا ہے۔ صوم و صلوٰۃ سے لے کر میدانِ جنگ تک، حضورؐ کے ہر قول و فعل اور گفتار و کردار کو صحابۂ کرامؓ نے لوحِ قلب و دماغ پر منقوش کیا ہے اور دوسروں تک کمال احتیاط و دیانت کے ساتھ اس یادداشت کو پہنچایا ہے۔

احادیث و سیر کے مجموعے بتاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس نماز (جہری) میں کونسی سورت تلاوت فرماتے تھے، روزہ افطار کرنے کے وقت، نئے کپڑے پہن کر، آئینہ میں چہرہ دیکھ کر، سواری پر سوار ہوتے ہوئے، سونے سے پہلے، نیند سے جاگنے کے بعد، طعام کے آغاز و اختتام پر، کیا دعائیں پڑھتے تھے؟

کسی صحابی کے نام کو بدلا ہے، کوئی بات کہہ کر حضورؐ مسکرائے ہیں، کسی کو دعا دی ہے دین کے معاملہ میں کسی پر خفگی کا اظہار فرمایا ہے۔ غرض جلوت و خلوت کے ایک ایک جزئیہ کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا ہے۔

پھر سب سے زیادہ اہم اور قابلِ غور و توجہ بات یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ حضورؐ کے اقوال کے صرف ناقل ہی نہیں تھے۔ کہ گراموفون کی طرح انھیں دہرا دینے کے بعد معاملہ ختم ہوگیا۔ بلکہ انھوں نے حضورؐ کی ایک ایک سنت پر عمل کر کے دکھایا ہے۔ اور اپنی زندگیوں میں سیرتِ رسولؐ کو جذب کرنے کی امکان بھر کوشش کی ہے۔ انھوں نے جب کوئی رائے دی ہے اور جب کوئی عمل

میں فیصلہ کیا ہے اور اس کی مطابقت میں حضورؐ کا کوئی قول و فعل مل گیا ہے تو ان کو اس پر بے اندازہ مسرت ہوتی ہے۔ ان کی زندگیوں کا موضوع اور عنوان ہی "اطاعتِ رسولؐ" تھا۔ صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں اخلاقِ محمدیؐ چلتا پھرتا اور بولتا دکھائی دیتا تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ دنیا کے کسی بڑے آدمی اور عظیم شخصیت کو اتنے اطاعت گزار، عقیدت مند اور جاں نثار پیرو اور رفقاء میسر نہیں ہوئے۔

حقائق کی دنیا میں

یہ جو کچھ عرض کیا گیا ہے خدانخواستہ کوئی داستان یا افسانہ نہیں ہے نہ یہ کوئی خیالی باتیں اور شاعرانہ مبالغہ آرائیاں ہیں۔ یہ واقعات ہیں۔ حقائق ہیں۔ وقائع اور سوانح ہیں۔ اگر کوئی ان واقعات کو غلط سمجھتا ہے یا شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ دنیا کا کوئی تاریخی واقعہ بھی درست نہیں ہے بلکہ سرے سے تاریخ ہی من گھڑت، جعلی اور موضوع ہے ـــ یہاں تک کہ جمشید ایک درخت کا نام تھا، افلاطون ایک شراب تھی جو یونان میں پی جاتی تھی۔ سکندر و پورس کی معرکہ آرائی صرف گرمیٔ محفل کے لئے یار لوگوں نے گھڑ لی ہے، کنفیوشس ایک خیالی شخصیت ہے اور شیکسپیئر، گلیلیو اور کوپر نیکس یہ سب کے سب فرضی کردار ہیں۔ اور ان سے جو کارنامے منسوب ہیں، وہ بھی شوخیٔ فکر و خیال کے سوا اور کچھ نہیں ہیں۔

ایک تاریخ کے طالب علم کے لئے، ایک جویائے حق کے لئے ایک صاحبِ دانش و ہوش کے لئے یہ بات سمجھنے اور غور کرنے کی ہے کہ دنیا کی تمام عظیم، نامور اور مشہور شخصیتوں میں صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زندگی ایسی ہے جو پوری کی پوری محفوظ ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ اس کے اسباب و علل کیا ہیں؟

اس کا جواب قرآن دیتا ہے:۔

"لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ"

پوری انسانیت کے لئے اگر کسی کی زندگی معیار اور نمونہ ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہے اس لئے یہی اور صرف یہی مقدس زندگی اس کی مستحق تھی کہ اسے تمام و کمال محفوظ کیا جائے، اگر یہ زندگی خدانخواستہ گم ہو جاتی اور یہ نمونہ دنیا کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا تو انسان زندگی کے تمام شعبوں میں عملی طور پر رہنمائی کہاں سے حاصل کرتے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے احکام کو عملی طور پر متشکل کرنے

کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے کہ جو لوگوں کے سامنے اخلاق کے پھول پیش کرے مگر اس کے جواب میں اس پر پتھروں کی بارش کی جائے۔ وہ لوگوں کی زندگیوں کو سنوارنا چاہتا ہو مگر اس خیر خواہی کا صلہ شعب ابی طالب کی سختیوں اور طائف کی جراحتوں کی شکل میں اس کو دیا جائے۔

مکہ کی زمین کو حق کی تخم ریزی کے لئے ابھی تیار نہ پاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کا رخ فرماتے ہیں۔ مگر اس طرح کہ حضرت علی رضؓ کو لوگوں کی امانتیں سونپ دیتے ہیں کہ انھیں واپس کر دینا۔ یہ موقع تو خون کے پیاسے دشمنوں کو چکمہ دے کر مال و دولت اینٹھ لینے کا تھا۔ مگر یہاں اس کے برخلاف ان کی امانتیں لوٹائی جا رہی ہیں ۔ ہے تاریخ میں اس امانت اور ایفائے عہد کی کوئی مثال ؟ دنیا میں جہاں کہیں بھی امانت کا تصور پایا جاتا ہے وہ اسی "صادق الامین" کی سیرت و کردار کا صدقہ ہے !

ہجرت کے بعد مظلومیت کا دور ختم ہو جاتا ہے۔ مدینہ کی زندگی آزاد اور با اختیار زندگی ہے۔ مکہ کی زندگی کا ایک وہ دور مظلومیت کہ دار ارقم میں چھپ کر تحریک اسلامی کو آگے بڑھانے کے لئے مشورت ہوتی تھی۔ اور مدینہ میں قوت کا یہ عالم کہ بادشاہوں اور حاکموں کے نام حضورؐ فرمان بھیجتے ہیں۔ مگر عفت، عصمت، زہد و عبادت، شرافت، مروت، خدا ترسی، خشیت الٰہی اور بے نفسی کی جو روش مکہ میں تھی۔ مدینہ کی فضا میں اس میں ذرہ برابر تغیر پیدا نہیں ہوتا۔

قیصر و کسریٰ کے نام فرمان بھیجنے والا، مملکت اسلامی کا صدر کئی کئی وقت فاقے کرتا ہے اپنے ہاتھ سے اپنے جوتے گانٹھتا ہے۔ اور اس وقت جبکہ وہ دوسروں کو مال غنیمت تقسیم کرتا ہوتا ہے۔ خود اس کی چہیتی بیٹی فاطمہ رضؓ کے سر پہ ثابت چادر نہیں ہوتی۔ دوسروں کو غلام اور کنیزیں بانٹی جا رہی ہیں اور فاطمہ بنت محمدؐ چکی کی مشقت برداشت فرما رہی ہیں !

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آل پر صدقہ کو حرام فرما کر "پایائیت" کے لئے اسلام میں ذرہ برابر گنجائش نہیں رکھی۔ ایک بار ایسا ہوا کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے صدقہ کی کھجور میں سے ایک کھجور منہ میں رکھ لی۔ اس پر حضورؐ نے سختی کے انداز میں فرمایا "کیا تمھیں نہیں معلوم کہ ہمارا خاندان صدقہ نہیں کھاتا" پھر حسنؓ کے منہ سے کھجور اگلوا دی !

تاریخ کے سیاہ اوراق بتائیں گے کہ دنیا کے نامور فاتحین نے شہروں اور ملکوں کو فتح کرنے کے بعد وہاں کے رہنے والوں کے ساتھ کس قدر دردناک اور کتنا ذلت آمیز سلوک روا رکھا ہے

بیماروں کے پاس عیادت کے لئے تشریف لے جاتے اور تسکین آمیز جملے ارشاد فرماتے کسی کے گھر جاتے تو ممتاز مقام پر نہ بیٹھتے خود اپنی قبر مبارک کے بارے میں وصیت کی کہ اسے سجدہ گاہ نہ بنالینا اور وفات سے قبل حضرت عائشہ رضؓ نے یہ الفاظ سنے :۔

لعنۃ اللہ علی الیہود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائھم مساجد

یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو۔ انھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا

ایک شخص نے کہا "جو آپ چاہیں اور خدا چاہے"، اس کو ناپسند فرمایا اور کہا یوں کہو کہ "جو تنہا، خدا چاہے"۔ یہ نبی وہ ہیں جو کل (غیب) کی باتیں جانتے ہیں"۔ اس کے کہنے سے کمسن لڑکیوں کو روک دیا۔ "بدعت" کو حضورؐ نے "ضلالت" فرما کر دین میں ایجاد و اختراع کی راہ بند کردی کہ اللہ کا دین نئی نئی باتوں کے سبب کھیل بن کر نہ رہ جائے کبھی ایسی بات زبانِ مبارک سے نہیں فرمائی جو اللہ اور بندے کے فرق کو مشتبہ کرنے والی ہو!

انسان کامل کا نقشہ

آدمی اپنے ساتھیوں سے پہچانا جاتا ہے"، جس نے بھی یہ کہا سچ کہا۔ برے آدمی کے بھلے ساتھی ہو ہی نہیں سکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی زندگیاں آپ کی راست بازی اور داعیٔ حق و صداقت ہونے کی سب سے بڑی دلیل نہیں دلیلیں ہیں ان میں کا ہر فرد اپنی جگہ آسمانِ ہدایت کا روشن ستارہ اور انسانی معاشرے کا گوہر شب چراغ تھا۔ انبیاء کے بعد اس بلند سیرت و کردار کے انسان دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوئے۔ سیاست و معاشرت کے چہرے کو انھوں نے دھویا تہذیب و تمدن کی زلفوں کو انھوں نے سنوارا۔ خدا ترسی اور انسان دوستی کی مثالیں ان نیک انسانوں نے قائم کیں اور نیکی کی بنیاد اور کتاب و سنت کی اساس پر اپنے دور کی سب سے بڑی حکومت کو چلا کر انھوں نے دکھا دیا۔ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم)

سیرت و کردار کا، سیاست و معاشرت کا اور دنیا کے جغرافیہ کا یہ بے نظیر انقلاب صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم کو دلیلِ راہ بنانے کے سبب ظہور میں آیا اور آج بھی دنیا میں تعمیری انقلاب اسی وقت آئے گا جب "انسانِ کامل" کا پیش کیا ہوا نقشہ عنوانِ عمل اور موضوعِ فکر و نظر ہوگا!

جو کوئی حیوان رہنا چاہتا ہے تو وہ شوق سے اس گندگی میں مبتلا رہے مگر جسے انسان بننا مطلوب ہے تو اس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہیں ہے کہ رسول اللہ

عقیدت کے پھول

بہ مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

(اقبال)

اصغر گونڈوی

ہر موج ہوا زلفِ پریشانِ محمد
ہے نورِ سحر صورتِ خندانِ محمد

کچھ صبحِ ازل کی نہ شبِ شامِ ابد کی
بیٹھے ہوں تہِ سایۂ دامانِ محمد

اصغر ترے نغموں میں بھی ہے جوشِ درود اب
اے بلبلِ شوریدۂ بستانِ محمد

بڑی مشکل یہ ہے جب لب پہ تیرا ذکر آتا ہے
دماغ و دل میں اک خوابیدہ محشر جاگ جاتا ہے
کبھی جی چاہتا ہے تیری معصومی کے گن گاؤں
کبھی جی چاہتا ہے سادگی کا ذکر کر ڈالوں
کبھی قصہ سنانا چاہتا ہوں تیرے بچپن کا
بہت سادہ بہت معصوم سنجیدہ لڑکپن کا
کبھی تیرے کمالِ صبر پہ دل وجد کرتا ہے
تخیل میں ترے اوصاف کا پرچم ابھرتا ہے
کبھی جلوے ابھرتے ہیں تری مہماں نوازی کے
یتیموں، بے سہاروں، بیکسوں کی چارہ سازی کے

(عامر عثمانی)

وجد میں لائے گا یہ مضمون اہلِ ذوق کو،
حسن کے آثارِ فطرت کہہ کے حرفِ لا الٰہ

دھوم تھی روزِ ازل اس سیّدِ ذی جاہ کی
نورِ احمد سے اٹھی آوازِ الا اللہ کی

اکبر الہ آبادی

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش

ڈاکٹر آصف قدوائی

انسانی اخلاق کا معیار

انسان معاشرہ میں پیدا ہوتا ہے اور اسی میں جیتا اور مرتا ہے۔ ارسطو نے اُسے "معاشرتی جانور" کہا ہے۔ ماں کے آغوش سے لے کر لحد کے آغوش تک اس کی زندگی معاشرہ کے علاقوں اور رابطوں میں جکڑی ہوئی ہے۔ ان علاقوں اور رابطوں کی اُسے ہر وقت ضرورت ہے، یہ اس کی بشریت کے اجزا ہیں۔ ان کو توڑ کر وہ ایک انسان کی طرح زندگی نہیں بسر کر سکتا ہے۔ ارسطو ہی کا قول ہے کہ "جسے معاشرہ کی حاجت نہ ہو وہ یا خدا ہے یا درندہ" انسان نہیں۔

ہماری اس خصوصیت نے ہمارے حقوق کے گرد حقوق اور فرائض کا ایک وسیع جال بُن دیا ہے ہم پر ہمارے گھر کے حقوق ہیں، ہمارے محلّہ کے حقوق ہیں، ہمارے شہر، ہمارے ملک اور کل دنیا کے حقوق ہیں اور ان سب پر ہمارا حق ہے۔ جو شخص ان حقوق اور ذمّہ داریوں کو برتنے میں جتنا زیادہ کامیاب ہو اُسے اتنا ہی زیادہ شریف، شائستہ اور معیاری شہری سمجھا جاتا ہے۔

ایک فرد اور دوسرے فرد یا افراد اور معاشرہ کے رشتوں اور تعلقات کو عدل و انصاف اور ہمدردی اور سلامتی کی بُنیادوں پر رکھنے کے لئے دو چیزیں ہیں، قانون اور اخلاق، ہماری نجی اور اجتماعی زندگی کی عافیت اور اُس کے صاف ستھرے پن کا انحصار انہی پر ہے۔

دنیا کے سارے مذہبوں نے اپنی بنیاد اخلاق پر رکھی ہے۔ اسلام نے تو ایک طور پر اخلاق کی اہمیت کو عبادت سے بھی بڑھا دیا ہے، اور جبکہ کفر و شرک کے علاوہ ہر گناہ کو خُدا کے نزدیک معافی کے قابل قرار دیا، باہم انسانوں کے اخلاقی فرائض کی کوتاہی کی معافی ان بندوں کے ہاتھ میں رکھی ہے جن کے حق میں وہ ظلم ہوا ہو۔

اسلام اخلاقِ حسنہ کو ایمان کی پہچان اور اُس کے نتائج و ثمرات بتاتا ہے۔ جس مسلمان کے اخلاق جتنے اچھے ہوں اتنا ہی اُس کا ایمان مضبوط اور اُس کی عبادت مقبول ہوگی لیکن اگر کوئی شخص ایمان کا مدعی یا دعویدار ہو اور خدا کی عبادت کا بھی اہتمام رکھتا ہو مگر اخلاق کی دولت سے محروم

ہو، اور اہل و عیال، اعزہ و اقربا، دوست و احباب، پڑوسی، اہلِ وطن، اور ساری انسانی برادری حتیٰ کہ جانوروں تک سے جو اُس کا تعلق ہے اُسے بحسن و خوبی انجام نہ دیتا ہو تو یہ عملی ثبوت اس بات کا ہوگا کہ اس کا ایمان اس کی زبان سے اتر کر اُس کے نفس کی گہرائیوں تک نہیں پہنچا ہے۔ گویا کہ ہمارے اخلاق ہماری ایمانی حالت کی کسوٹی ہیں۔ ہم اپنے اخلاق کے آئینہ میں اپنی روح کا عکس دیکھ سکتے ہیں ــــ

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں اس طرح کے مضامین بکثرت آئے ہیں۔

"مسلمانوں میں کامل ایمان اس کا ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو۔"

"اللہ کے بندوں میں اللہ کا سب سے پیارا بندہ وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔"

"لوگوں کو قدرتِ الٰہی کی طرف سے جو چیزیں عطا ہوئی ہیں اُن میں سب سے بہتر اچھے اخلاق ہیں۔"

"تم میں میرے سب سے پیارے اور مجھ سے سب سے قریب وہ ہیں جو تم میں خوش خلق ہیں اور مجھے ناپسند اور قیامت میں مجھ سے دور وہ ہوں گے جو تم میں بد اخلاق ہوں۔"

"جس کی نماز اُس کو بُرائی اور بدی سے باز نہ رکھے اُس کی نماز نماز ہی نہیں۔"

"میں حُسنِ اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔"

"اچھے خُلق ہی کو اسلام کہتے ہیں۔"

حُسنِ اخلاق کے پایہ اور مرتبہ کا اندازہ اوپر کی ان احادیث سے ہو گیا ہوگا۔ اچھے اخلاق ایمان کے لوازم ہی نہیں بلکہ وہ انسان کو اُن بلندیوں تک بھی پہنچا دیتے ہیں جن تک وہ کثرتِ عبادت کے ذریعہ پہنچ سکتا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے۔

"انسان حُسنِ خُلق سے وہ درجہ پا سکتا ہے جو دن بھر روزہ رکھنے اور رات بھر نماز پڑھنے سے ملتا ہے۔"

"قیامت کی ترازو میں حسنِ خُلق سے زیادہ بھاری اور چیز نہ ہو گی۔"

"اچھے اخلاق والا دنیا اور آخرت کی بازی لے گیا۔"

"آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں دو بیویاں تھیں۔ ایک دن بھر روزہ

رکھتیں اور رات بھر عبادت کرتیں، صدقہ دیتیں، مگر زبان دراز ایسی تھیں کہ پڑوسیوں کے دل چھلنی کئے رہتیں، دوسری بیوی صرف فرض نماز پڑھتیں اور غریبوں کو کپڑے بانٹ دیا کرتیں۔ مگر ایذا اُن سے کسی کو نہ پہنچتی، حضورؐ سے ان دونوں کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے پہلی کی بابت فرمایا کہ اس میں کوئی نیکی نہیں، وہ اپنی بدخلقی کی سزا بھگتے گی۔ اور دوسری کی بابت فرمایا کہ وہ جنتی ہوگی"۔

اسلام کی دوسری تعلیمات کی طرح اُس کی اخلاقی تعلیم بھی حیرت انگیز طریقہ پر جامع اور مکمل ہے اور دوسری صفت اس کی یہ ہے کہ اسلام نے اخلاقِ حسنہ کی غرض و غایت تمام تر خدا کی خوشنودی ٹھہرائی ہے۔ اس طرح اچھے اور پاکیزہ اخلاق، خصائل و افعال کی نوعیت بھی عبادت کی ہو جاتی ہے اور وہ ہر قسم کی دنیوی، نفسانی اور ذاتی اغراض سے پاک اور بلند ہو جاتے ہیں۔ اسلامی نقطۂ نظر سے اچھے اور بُرے کاموں کا مدار نیت یعنی قلبی ارادہ یا کیفیت پر ہے۔ نتیجہ اتنی اہم چیز نہیں ہے، ذاتی نفع، ریاکاری، نمائش، فخر، لالچ، خوشامد اور اس قبیل کے دوسرے محرکات اگر کسی بظاہر اچھے سے اچھے کام کے پیچھے ہوں تو اس میں کوئی خوبی نہ رہے گی، نہ اللہ کی نظر میں اور نہ ہماری آپ کی نظروں میں۔ اور اللہ کی نظروں میں تو نیکی کے وہ کام بھی جو انسان اپنے ضمیر کی تسکین یا روحانی مسرت یا وجدان یا افادۂ عام کی غرض سے انجام دے اور اُس کے حکم کی حیثیت اور آخرت کے اجر و ثواب کی نیت اس میں ملحوظ نہ رکھے بے وقعت اور بے قیمت ہی رہیں گے۔

انسانی فطرت کی رنگارنگی، طبائع کا تنوّع اور ایک ہی واقعہ اور حالات سے مختلف لوگوں کے متاثر ہونے کی کیفیات میں جو اختلاف ملتا ہے اُس کا اقتضا یہ ہے کہ ہمارا نظامِ اخلاق ایسا متوازن اور معتدل ہو کہ اس میں نرم و گرم، جمالی و جلالی دونوں قسم کی قوتوں کا مناسب امتزاج پایا جاتا ہو۔ وہ ایک طرف اگر فولاد کی صلابت رکھتا ہو تو دوسری طرف ماں کے دل کا گداز بھی۔ وہ طاقت اور سختی کا بھی مظہر ہو اور مسکنت اور عاجزی کا بھی۔ کوہِ گراں بھی ہو اور آبِ رواں بھی، شعلہ بھی ہو اور شبنم بھی، نہ وہ شروع سے آخر تک مسیحیت کی انفعالیت اور عاجزی ہی کی تشریح ہو اور نہ شریعتِ موسویت کی قانونیت اور سختی ہی کی توضیح۔ بلکہ ان دونوں کو اپنے آغوش میں لے کر ایک ایسا توسط اور توازن پیدا کرے کہ امن و عدل، بلند ہمتی و استقلال، قوت و حرکت، آزادی و حق گوئی، عزم و وقار، عاجزی و فروتنی، رحم و عفو، حلم و بردباری، صبر و سکون، رفاقت و محبت استغنٰی، قناعت، توکل، سخاوت، عصمت، حیا، شجاعت، مردانگی، سیر چشمی، بلند نظری غرض

تمام انسانی اوصاف اس میں نمایاں ہوں۔ جو غضب و شہوت کی قوتوں کا استیصال نہ کرے، کیونکہ اس طرح یہ دنیا ایک وسیع قبرستان ہو کر رہ جائے گی۔ اور نہ ان کو ہوا ہی دے کہ ہم سب درندوں کی سطح پر اُتر آئیں بلکہ اُن کی صحیح تربیت کا انتظام کرے۔ وہ نہیں افراط و تفریط کا شکار نہ ہونے دے۔ پیروانِ مسیحیت نے غضبی اور شہوانی قوتوں کو بنفسہ بُرا قرار دے کر ایک بڑی غلطی کی ہے، نطشے نے اسی لئے مسیحی فلسفۂ اخلاق سے مُنہ پھیر لیا تھا۔ جب تک پروٹسٹنٹزم نے اس رہبانی اخلاقیت کے خلاف بغاوت کر کے نفس کے اُن اجزا کو تمدن اور اخلاق میں مناسب جگہ نہ دی، یورپ کے ذہن پر ایک طرح کا جمود چھایا رہا۔ اِن قوتوں میں بذاتِ خود کوئی بُرائی نہیں ہے۔ دراصل ان ہی سے شجاعت حوصلہ مندی، استقلال، پامردی، محبت اور بہت سی دوسری اچھائیاں اُبھرتی ہیں، جن کے بغیر ہماری زندگی پھیکی اور بدمزہ ہی نہیں۔ بلکہ دنیا کے قریب قریب سارے اونچے اصول بے جان کے قالب بن جائیں گے۔ بُرائی اُن کے غلط استعمال سے پیدا ہوتی ہے، چنانچہ ضرورت ان کے استعمال کا صحیح موقع اور محل مقرر کرنے کی ہے، اور ان راستوں کے تعین کی جن میں بہہ کر حیات و قوت کے یہ دھارے معاشرہ کی شادابی اور نکھار کا سبب بن سکتے ہیں۔ ان کو خشک کرنے کی نہیں، کیونکہ انکے خشک ہونے سے تہذیب مرجھا جائے گی اور ویران ہو جائے گی۔ اسلام کی اخلاقی تعلیم کا یہی منشاء ہے اور یہی اس کی سب سے بڑی خوبی ہے۔

دوسری خصوصیت اسلامی تعلیم کی اُس کی ہمہ گیری اور تمام اچھائیوں اور بُرائیوں کے سارے جزئیات کی احاطہ بندی ہے جبکہ دوسرے اخلاقی معلموں نے اپنی ہدایتیں صرف ایک قوم یا زمانہ کی اصلاح تک محدود رکھیں، اسلام کے پیغمبر اعظم نے کل قوموں اور زمانوں کے حالات ملحوظ رکھ کر اخلاقی اصلاحات کی فہرست مرتب کی، سارے محاسن اور مفاسد کھول کر بیان کئے، ایک کا حکم دیا۔ دوسرے سے منع کیا، یہاں تک کہ اخلاقی اور نفسیاتی کیفیتوں اور حالتوں کا کوئی گوشہ توجہ اور ہدایت کا محتاج نہیں رہا۔ جیسا کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے لکھا ہے۔

"اسلام نے اپنے اصول و احکام کی تفصیل اس وسعت اور جامعیت کے ساتھ کی ہے کہ بُرائیوں کا کُلّی استیصال ہو گیا ہے اور نیکیوں کے مظاہر عام ہو گئے ہیں، اسکے برخلاف دوسرے مذاہب نے ان کُلّیات کے جزئیات کی نہایت نامکمل اجمالی تشریح کی ہے" [1]

اسلامی اخلاقیات کی ایک اور خوبی جو اُسے دوسرے مکاتبِ اخلاق پر فوقیت دیتی ہے اس کے

[1] سیرۃ النبی، جلد ششم، ص۱۲

معلّم کا وہ عظیم الشان اسلوبِ تعلیم ہے جس کی مثال تاریخ کو لاکھ کھنگالئے، کہیں نہیں ملتی۔ آپ نے قول کے ساتھ عمل کو اتنے مکمل طریقہ پر ملا لیا تھا کہ آپ کی ذاتِ مبارک قرآن مجید کی جیتی جاگتی، زندہ و تابندہ تفسیر بن گئی تھی۔

جس کے سپرد نوعِ انسانی کی تعلیم اور تزکیہ ہو، وہ خود اگر زندگی کے تمام نشیب و فراز اور معاشرہ کے پیچ و خم سے ہو کر نہ گزرے تو اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ پھر اس کی تعلیم عملی حیثیت رکھنے کے بجائے علمی اور نظریاتی یعنی اصولوں کا گلدستہ بن جائے گی۔ پیغمبرِ اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں ہم کو ایک بے مثال جامعیت ملتی ہے۔ آپ کی سیرت سے زندگی کے تمام پہلو اُبھرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آپ کی زندگی میں ظلم کے پہاڑ بھی ٹوٹے، مصیبتوں اور آزمائشوں کی آندھیاں بھی آئیں، ناکامیوں کا اندھیرا بھی چھایا، اور فتح مندی اور کامرانی کے شادیانے بھی بجے۔ قوت و حکومت کے پرچم بھی لہرائے اور مسرتوں کے پھول بھی کھلے۔ آپ نے دوستی بھی برت کر دکھائی اور دشمنی بھی۔ جنگیں بھی لڑیں اور صلح و آشتی کے عہد نامے بھی کئے۔ دن دن بھر روزے رکھے اور رات رات بھر نمازیں بھی پڑھیں اور ملکی اور سیاسی گتھیاں بھی سلجھائیں۔ غارِ حرا میں خلوت نشین اور ماہِ رمضان میں معتکف بھی رہے۔ اور خانگی زندگی کا لطف بھی اٹھایا۔ دینِ پاک کے سب سے بڑے مبلّغ، ہادی اور رہبر کا فرض بھی انجام دیا۔ اور مسلمانوں کی آزاد ریاست کی داغ بیل بھی ڈالی۔

نرمی اور سختی کے موقع اور محل کو بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خوب پہچانتے تھے۔ جہاں حدودِ الٰہی کے ٹوٹنے کا سوال ہوتا ہے وہاں آپ سختی کرنے میں تامّل نہ فرماتے تھے اور جہاں مستحبات اور اخلاقی فضائل و رذائل ہی سے تعلق ہوتا تھا وہاں آپ نرمی ہی سے کام لیتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے روایت ہے کہ آپ نے کبھی اپنی ذات کے لئے کسی سے بدلہ نہیں لیا مگر جو کوئی شریعت کی حد توڑتا تھا اُسے سزا دیتے تھے۔

ایک بار قریش کی ایک خاتون چوری کے جرم میں پکڑی گئیں۔ بعض عزیز ترین صحابہ نے اُن کی سفارش کرنا چاہی تو آپ نے اُن کی ایک نہ سُنی اور فرمایا "تم سے پہلے کی قومیں اس لئے تباہ ہوئیں کہ جب ان میں معمولی لوگ گناہ کرتے تھے تو اُن کو سزا دی جاتی تھی اور جب بڑے لوگ گناہ کرتے تھے تو اُن کا جُرم نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔ اسی موقع پر یہ بھی فرمایا۔ کہ خُدا کی قسم اگر میری بیٹی بھی کبھی یہ جُرم کرے تو میں اللہ کے قانون کے مطابق اُس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں گا۔"

اسی طرح نرمی کی ایک یہ مثال ہے کہ ایک دفعہ مسجد نبوی میں ایک بدوی آیا۔ اتفاق سے اُسے پیشاب کی حاجت ہوئی تو وہ وہیں مسجد کے صحن میں پیشاب کرنے لگا۔ صحابہ نے یہ دیکھ کر چاروں طرف سے اُسے ڈانٹنا شروع کیا۔ آپ نے روکا اور فرمایا کہ تم سختی کے لئے نہیں بلکہ نرمی کے لئے بھیجے گئے ہو۔ اس کے بعد اس بدوی کو بلا کر سمجھایا کہ یہ مساجد عبادت کے گھر ہیں۔ یہاں نماز پڑھی جاتی ہے یہ پیشاب، پاخانہ کی جگہ نہیں ہے اور لوگوں سے فرمایا کہ اس پر پانی بہا دو۔

—— ۲ ——

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی بابت حضرت عائشہ صدیقہ سے دریافت کیا گیا تو اُنہوں نے ساری داستان ایک جملہ میں کہہ دی۔ اُنہوں نے کہا۔

"آپ کا اخلاق من وعن قرآن تھا۔"

ایک اور موقع پر آپ نے ذرا تفصیل سے بتایا کہ :۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کسی کو بُرا کہنے کی نہ تھی۔ آپ بُرائی کرنے والے کے ساتھ بُرائی نہیں کرتے تھے بلکہ اُسے معاف فرما دیتے تھے۔ جب آپ کو کسی دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تھا تو اُن میں جو آسان ہوتی اُسے اختیار کرتے تھے۔ بشرطیکہ اس میں کوئی گناہ کا شائبہ نہ ہو۔ کیونکہ گناہ سے آپ بہت دور رہتے تھے۔ کبھی اپنے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا۔ لیکن جو احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی کرتا اُس سے خُدا خود انتقام لیتا تھا (یعنی احکامِ ربّانی کے مطابق آپ اس کی سزا مقرر کرتے تھے) آپ نے نام لے کر کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی، اور کسی غلام یا لونڈی یا کسی عورت یا خادم یا جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ آپ کسی کی درخواست رد نہیں فرماتے تھے۔ بشرطیکہ وہ ناجائز نہ ہو۔ آپ جب گھر میں تشریف لاتے تو مسکراتے ہوئے آتے۔ دوستوں میں بھی پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔ باتیں اس طرح ٹھہر ٹھہر کر کرتے تھے کہ کوئی یاد رکھنا چاہے تو رکھ سکے۔"

حضرت علی مرتضیٰ رض آغازِ نبوّت سے لے کر وفات تک برابر آپ کے ساتھ رہتے تھے۔ ان سے حضرت امام حسین رض نے رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ :۔

"آپ خندہ جبین و نرم خو تھے، سخت مزاج اور سنگ دل نہ تھے، نہ شور و غل

کرتے تھے، نہ کوئی بُرا کلمہ مُنہ سے نکالتے تھے۔ نہ عیب جُو اور سخت گیر تھے۔ کوئی بات ناپسند ہوتی تو اغماض فرماتے تھے۔ آپ نے اپنے نفس سے یہ تین باتیں بالکل خارج کردی تھیں (۱) بحث و مباحثہ (۲) بے ضرورت باتیں کرنا (۳) بے مطلب کی بات میں پڑنا۔ دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے تھے۔ (۱) کسی کو بُرا نہیں کہتے تھے (۲) کسی کی عیب گیری نہیں کرتے تھے۔ کسی کی ٹوہ میں نہیں لگتے تھے۔ دوسروں کے مُنہ سے اپنی تعریف سُننا پسند نہیں کرتے تھے نہایت فیاض، نہایت راست گو، نہایت نرم طبع اور نہایت خوش صحبت تھے۔ اگر کوئی دفعتاً سامنے آجاتا تھا تو مرعوب ہو جاتا تھا۔ لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا جاتا آپ سے محبت کرنے لگتا۔[۱]

ہند بن ابی ہالہ گویا آپکے آغوش کے پروردہ تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ:-

"آپ نرم خو تھے، سخت مزاج نہ تھے، کسی کی توہین روا نہیں کرتے تھے چھوٹی چھوٹی باتوں پر اظہارِ شکر فرماتے تھے۔ کسی چیز کو بُرا نہیں کہتے تھے۔ کھانا جس قسم کا سامنے آتا تناول فرماتے تھے اور اُس کو بُرا نہ کہتے۔ اگر کوئی کسی امرِ حق کی مخالفت کرتا تو آپ کو غصہ آجاتا، مگر اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی آپ کو غصہ نہیں آیا نہ کسی سے انتقام لیا۔"[۲]

حضرت انس جو خادمِ خاص تھے کہتے تھے کہ:-

"میں نے دس برس تک آپ کی خدمت کی مگر آپ نے کبھی کسی معاملہ میں باز پرس نہیں فرمائی۔"[۳]

مالک بن حویرث چوبیس دن تک آپ کی صحبت میں رہے کہتے ہیں کہ:-

"آپ رحمدل اور رقیق القلب تھے۔"[۴]

حجۃ الاسلام امام غزالی کیمیائے سعادت میں فرماتے ہیں:-

"آپ مویشیوں کو خود چارہ ڈال دیتے، گھر میں جھاڑو دے لیتے۔ بکری دوھ لیتے۔ خادموں کو اُن کے کاموں میں مدد دیتے، اُن کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لیتے

---

[۱] شمائل ترمذی [۲] ایضاً [۳] صحیح مسلم [۴] صحیح بخاری۔

بازار سے سودا خرید لاتے، ادنیٰ و اعلیٰ کو پہلے خود سلام کرتے، کوئی ساتھ ہو لیتا تو اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چلتے، غلام و آقا، حبشی و ترک میں فرق نہ کرتے رات دن کا لباس ایک ہی رکھتے، کیسا ہی حقیر شخص دعوت دیتا فوراً قبول فرمالیتے جو کھانا سامنے رکھ دیا جاتا رغبت سے کھا لیتے۔ رات کے کھانے سے صبح کے لئے اور صبح کے کھانے سے رات کے لئے اٹھا نہ رکھتے، نیک مزاج، نرم خو، کشادہ دل اور خندہ جبیں تھے مگر زور سے نہیں ہنستے تھے۔ اندوہ گیں تھے مگر ترش رو نہ تھے۔ سخی تھے مگر فضول خرچ نہ تھے۔

اور حکیم الامت شاہ ولی اللہ رح نے لکھا ہے کہ :-

"کنبہ والوں اور خادموں پر بہت زیادہ مہربان تھے۔ زبانِ مبارک پر کبھی کوئی گندی بات یا گالی نہیں آئی، کسی پر لعنت نہیں کرتے تھے۔ دوسروں کی ایذا رسانی پر صبر فرماتے تھے۔ کنبہ کی اصلاح اور قوم کی درستی پر بہت توجہ فرماتے تھے ہر شخص اور ہر چیز کی قدر و منزلت سے آگاہ تھے۔ آسمانی بادشاہت پر ہمیشہ نظر جمائے رہتے تھے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ :-

"آپ اطاعت شعاروں کو بشارت سُنانے والے، گناہ گاروں کو ڈرانے والے اور بے خبروں کو ہوشیار کرنے والے خدا کے بندے اور رسول تھے، تمام معاملات اللہ پر چھوڑنے والے تھے۔ نہ درشت خو تھے نہ سخت گو، بدی کے بدلے میں بدی نہ کرتے تھے۔ معافی مانگنے والے کو معاف فرما دیتے تھے اور گناہ گاروں کو بخش دیتے تھے۔ اُن کا کام مذاہب کی کجیوں کو مٹانا تھا۔ ان کی تعلیم اندھوں کو آنکھیں اور بہروں کو کان عطا کرتی تھی۔ آپ تمام خوبیوں سے آراستہ، جامع اوصافِ حمیدہ تھے۔ سکینت اُن کا لباس، نیکی ان کا شعار، تقویٰ ان کا ضمیر، حکمت ان کا کلام — عدل اُن کی سیرت، راستی اُن کی شریعت اور ہدایت ان کی رہنما تھی — آپ ذلت دور کرنے والے، گُم ناموں کو رفعت بخشنے والے، مجہولوں کو طاقت دینے والے، قلت کو کثرت اور تنگدستی کو غنا سے بدلنے والے تھے۔"

مشہور انگریز ادیب ٹامس کارلائل نے لکھا ہے کہ :-

"آپ کا گھر بار معمولی اور کمتر لوگوں کے طرز کا تھا، اور آپ کی عام غذا جَو کی روٹی اور پانی تھی۔ اکثر آپ کے چولھے میں مہینوں آگ نہیں روشن ہوتی تھی۔ (آپ کے سیرت نگار فخریہ بیان کرتے ہیں کہ آپ اپنے ہاتھ سے جوتے گانٹھ لیتے اور کپڑوں میں پیوند لگا لیا کرتے تھے.... کسی طرح دارشہنشاہ کی اتنی اطاعت نہیں کی گئی جتنی کہ اس شخص کی اس کے اپنے ہاتھ سے سی ہوئی عبائیں ہوتی تھی"

اور رومیوں کے انحطاط وزوال کا شہرۂ آفاق مؤرخ ایڈورڈ گبن لکھتا ہے کہ :-

"اپنی دنیوی طاقت کے عروج پر بھی محمد ﷺ کی شرافتِ نفس نے شاہانہ تزک و احتشام روا نہ رکھا۔ خدا کا پیغمبر گھر کے ادنیٰ کام اپنے ہاتھ سے کرتا تھا۔ آگ روشن کرتا تھا، جھاڑو دیتا تھا، بھیڑوں کا دودھ دوہتا تھا، اور اپنے کمبل اور جوتوں کی خود مرمت کر لیا کرتا تھا۔ تارک الدنیا راہبوں کے مجاہدوں سے نفرت کرتے ہوئے آپ بلا تصنع اور تکلف ایک عرب اور سپاہی کی طرح سادہ غذا استعمال کرتے تھے۔ خاص خاص مواقع پر آپ صحابہ کی دل کھول کر ضیافت کرتے تھے مگر اپنی نجی زندگی میں آپ کے گھر میں ہفتوں چولہا نہیں جلتا تھا"

فرانسیسی مؤرخ پروفیسر سیڈیو نے اخلاق و عادات نبوی کا ذکر کرتے ہوئے یہ رائے ظاہر کی ہے :-

"آپ خندہ رو، ملنسار، اکثر خاموش رہنے والے، بکثرت ذکرِ خدا کرنے والے لغو اور بیہودہ باتوں سے نفرت کرنے والے، بہترین رائے رکھنے والے تھے۔

"آپ نہایت منصف مزاج تھے۔ مسکینوں سے محبت کرتے تھے۔ غریبوں میں رہ کر خوش ہوتے تھے۔ تنگ دست کو اس کی تنگ دستی کی وجہ سے نہ تو حقیر اور نہ بادشاہوں کو ان کی بادشاہت کی بنا پر برتر سمجھتے تھے"

قرآن مجید کے انگریز مترجم اور مفسر مارماڈیوک پکتھال نے یہ الفاظ لکھے ہیں۔

"عرب پر حکمراں ہو جانے کے بعد بھی آپ اپنے پیروؤں سے برادرانہ انداز سے ملتے رہے۔ آپ کو نقیبوں اور پہرہ داروں کی ضرورت نہ تھی۔ اپنے

لوگوں میں سادگی اور آزادی سے گھومتے پھرتے تھے، ایک رہنما کی حیثیت سے، ایک مصلح کی حیثیت سے اور ایک آزمائے ہوئے دوست کی حیثیت سے "

جرمن مصنف ڈاکٹر گستاف وائل نے لکھا ہے کہ :-

" محمد ﷺ اپنی قوم میں ایک روشن مثال تھے، آپ کا کردار پاک، اور بے داغ تھا۔ لباس اور غذا میں ایک انوکھی سادگی تھی۔ مزاج میں اتنی سادگی اور بے تکلفی تھی کہ اپنے ساتھیوں سے کوئی خاص تعظیم و تکریم قبول نہیں فرماتے تھے اور اپنے غلام سے کوئی ایسی خدمت نہ لیتے تھے جو خود انجام دے سکتے، آئے دن آپ بازاروں میں سودا خریدتے، اور گھر میں کپڑوں میں پیوند لگاتے، اور بکری دودھتے تھے۔ ہر وقت ہر شخص کی آپ تک رسائی ہو سکتی تھی۔ بیماروں کی عیادت کرتے تھے۔ اور ہر ایک سے ہمدردی رکھتے تھے۔ آپ کی سخاوت اور خیر و خیرات کی کوئی حد نہ تھی۔ باوجود ان بے اندازہ تحائف کے جن کی آپ پر ہر وقت بارش ہوا کرتی تھی۔ آپ نے نہایت مختصر ترکہ چھوڑا اور وہ بھی بیت المال کو ہبہ فرما گئے تھے "

اور واشنگٹن ارونگ کا یہ بیان ہے :-

" اپنے انتہائی قوت و اقتدار کے دور میں بھی آپ نے وضع قطع، اور اخلاق و عادات میں وہی سادگی قائم رکھی جو پریشانی اور بے طاقتی کے زمانہ میں آپ کا وصف رہی تھی۔ شاہانہ کرّ و فر تو بڑی بات ہے۔ اگر کسی مجلس میں آپ کے ساتھ کچھ خصوصیت کا برتاؤ کیا جاتا تو وہ بھی آپ کو بہت ناگوار ہوتا تھا "

اس طرح کی شہادتیں اور بیانات کہاں تک نقل کئے جائیں، در اصل ان کا سلسلہ لامتناہی ہے ؎

اتباعِ سنّت کی اہمیت

حضرت مجدّد الف ثانیؒ کا مکتوب خواجہ عبد الرحمٰن کابلیؒ کے نام

یہ بندۂ ناچیز حضرت حق سبحانہٗ سے کامل تضرع وزاری، کمال ذلّت وانکساری کے ساتھ آپ سے ایک مسئلہ بیان کرنا چاہتا ہے۔ یہ کہ ہر وہ بات جو دین میں نئی داخل ہو چکی ہے۔ جس کا وجود جناب خیر البشر (صلعم) اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں نہیں رہا ہے۔ اگرچہ وہ دیکھنے میں سپیدۂ صبح کے مانند روشن وخوشگوار ہو، اس بندۂ ناچیز کو اس مجموعہ کے پیش نظر جو اس کے نزدیک مستند ہے اس بات پر مجبور نہیں کر سکتی یہ اُسے عمل کے لئے اختیار کرے۔ یعنی کسی بدعت کا حُسن ظاہری اسے عامل بدعت نہیں بنا سکتا۔

لوگ کہتے ہیں کہ بدعات دو قسم کی ہیں "حسنہ" اور "سیئہ" بدعت حسنہ اُس بدعت کو کہتے ہیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ کے بعد وجود میں آئی ہو لیکن اس سے کسی سنّت کا رفع (اٹھالیا جانا) ظاہر نہ ہوتا ہو، اور بدعت سیئہ وہ ہے جس کے وجود میں آنے سے کوئی سنّت اٹھالی گئی ہو۔ یہ بندۂ ناچیز ان دونوں قسم کی بدعات میں سے کسی میں کوئی حُسن ونورانیت نہیں دیکھتا، اور بجز ظلمت وکدورت کچھ محسوس نہیں کرتا۔

بالغرض کسی عاملِ بدعت کا عمل آج ضعفِ بصارت کی وجہ سے لوگوں کو اچھا دکھائی دیتا ہے تو کل جب ان کی آنکھوں میں روشنی ہوگی وہ دیکھ لیں گے کہ نتیجہ میں سوائے خسارہ وندامت اسکے پلے کچھ نہیں پڑا۔

> بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت، کہ باکہ باختہ عشق در شب دیجور

سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

من احدث فی امرنا ھٰذا مالیس منہ فھو رد۔ جس کسی نے ہمارے امر دین)

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش

میں کوئی ایسی بات نکالی جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے ۔

پس وہ چیز جو مردود ہو، اُس میں حسن و رعنائی کہاں ۔ اور فرمایا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے :۔

فان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدی ھدی محمد و شر الامور محدثاتہا وکل بدعۃ ضلالۃ بہترین حدیث کتاب اللہ ہے ۔ اور بہترین ہدایت، ہدایتِ محمدی ہے ۔ اور بدترین امور بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے ۔

اور فرمایا رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے :۔

اوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعۃ وان کان عبداً حبشیا فانہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا۔ فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین۔ تمسکوا بہا وعضوا علیہا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور۔ فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ :۔

میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں اللہ سے تقویٰ اختیار کرنے کی اور سمع وطاعت (سننے اور مان لینے) کی ۔ اگرچہ تمہارا صاحب امر حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ عنقریب اختلافِ عظیم دیکھے گا ۔ پس تم پر میری اور میرے خلفاء راشدین مہدیین کی سنّت کو لازم پکڑنا (واجب) ہے ۔ تم اس سے چمٹے رہو اور اُسے دانتوں سے مضبوط پکڑے رہو اور محدثات سے خبردار رہو۔ اس لئے کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی (میں ڈالنے والی ہے)

معلوم ہوا کہ جب ہر مُحدَث بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی، تو پھر بدعت میں حسن کے کیا معنی ؟ ان احادیث سے یہ بات بھی مفہوم ہوتی ہے کہ ہر بدعت رافع سنّت ہے اور سیّئہ ہے ۔ کوئی بدعت خصوصی طور پر مستثنیٰ نہیں ہے ۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

ما احدث قوم بدعۃ الا رفع مثلہا من السنۃ فتمسک بسنۃ خیر من احداث بدعۃ :۔

جب کوئی قوم بدعت ایجاد کرتی ہے تو اس میں سے اسی بدعت کے مثل ایک سنّت اٹھالی جاتی ہے ۔ پس سنّت کو پکڑے رہنا اچھا ہے بدعت کی ایجاد سے ۔

حضرت حسان رض فرماتے ہیں :۔

ما ابتدع قوم بدعۃ فی دینہم الا نزع اللہ من سنتہم مثلہا ثم لا

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش

یعیدھا الیھم الی یوم القیامۃ ۔

جب کوئی قوم اپنے ہاں بدعت پیدا کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں سے اسی بدعت کے مثل ایک سنّت کو سلب کر لیتا ہے اور اسے پھر قیامت تک نہیں لوٹاتا ۔

۔ پس جاننا چاہیئے کہ بعض بدعتیں جنہیں علما و مشائخ سنت سمجھتے ہیں جب ان میں غور و فکر کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بجائے سنّت ہونے کے رافع سنت ہیں ۔ مثلاً تکفین میت میں عمامہ کو بدعت حسنہ کہا جاتا ہے حالانکہ یہی رافع سنّت ہے ۔ اسلئے کہ کفنِ میت میں تین کپڑے دینا سنّت ہے اور یہ سنت عمامہ کی زیادتی سے گویا منسوخ ہو گئی ۔ یہ منسوخ ہونا ہی اٹھا لیا جانا ہے ۔ اسی طرح بعض مشائخ کی جانب راست سے ارسال فش کو مسنون کہتے ہیں ، حالانکہ ارسال فش کا مقام مونڈھوں کے درمیان ہے ۔ ظاہر ہے کہ یہ بدعت بھی رافع سنّت ہوئی ۔ اسی طرح نیت نماز میں علماء اس بات کو مستحسن سمجھتے ہیں کہ ارادۂ قلب کے ساتھ زبان سے بھی نیت کے الفاظ دہرائے جائیں ۔ حالانکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی بھی صحیح یا ضعیف روایت سے یہ بات ثابت نہیں اور نہ صحابہ کرام و تابعینِ عظام سے ہی ثابت ہے کہ نیتِ نماز زبان سے کرتے رہے ہوں بلکہ جب اقامت کہہ چکتے تو تکبیر تحریمہ کہا کرتے تھے ۔ معلوم ہوا کہ زبان سے نیتِ نماز کا اعادہ بھی بدعت ہے ، اور اس بدعت کو علماء بدعت حسنہ کہتے ہیں ۔ اس فقیر کی رائے میں تو یہ بدعتِ رافع کیا معنے رافع فرض ہے اس لئے کہ اکثر لوگ نیت زبانی پر اکتفا کر کے نیتِ قلبی سے غافل رہتے ہیں ۔ اور فرائض نماز میں سے ایک فرض "نیت قلبی" متروک ہو جاتا ہے اور بات فساد نماز تک پہنچتی ہے ۔ علیٰ ہٰذا القیاس ساری بدعات و محدثات سنت پر زیادتی ہیں ۔ خواہ کسی صورت ہوں ۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ زیادتی نسخ سنت کا سبب ہے اور نسخ رفع سنّت کا باعث ۔ پس تم پر لازم ہے کہ متابعت سُنّتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں اقتصار کرو ، اور آپؐ کے اصحاب کی اقتدا پر اکتفا ، اس لئے کہ وہ حضرات ستاروں کی مانند ہیں ، ان میں سے جس کسی کی اقتدا کرو گے ہدایت پر رہو گے ۔

البتہ قیاس و اجتہاد بدعات میں داخل نہیں کیونکہ قیاس و اجتہاد کا مقصد نصوص کے معنی کا اظہار کرنا ہے ۔ کسی امر زائد کا اختراع نہیں ۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ۔

سلامتی ہو ان پر جو ہدایت کی پیروی کرتے ہیں اور متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا التزام بھی ۔

اخلاص عمل مانگ نیاگانِ کہن سے
شاہان چہ عجب گر بنوازند گدا را

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش

ہندوستانی دواخانہ کی منفرد حیثیت

(۱) یہ ایشیا کا واحد عظیم الشان دواخانہ ہے جسے مسیح الملک حکیم حافظ اجمل خاں صاحب مرحوم کے خاندانی اور ذاتی تجربات حاصل ہیں (۲) اس کا منافع آیورویدک اینڈ یونانی طبیہ کالج پر صرف ہوتا ہے۔ جہاں طلبا کی تعلیم کے علاوہ متعلقہ ہسپتالوں سے ہزاروں مریضوں کا مفت علاج کیا جاتا ہے (۳) یہاں جدید آلات دواسازی و مشینری کے ذریعہ سائنٹفک اصولوں پر ماہر نگراں کی سرپرستی میں ادویات تیار کی جاتی ہیں۔ (۴) یہ آپ کی ملکیت ہے۔ قوم و ملک کی ملکیت ہے۔ اسکا اعلیٰ انتظام گورنمنٹ کے مقرر کردہ بورڈ کی زیر نگرانی ہے لیکن تجارتی تعلقات و معاملات صیغہ راز میں رہتے ہیں۔ (۵) کیونکہ اس کا مقصد وجود عوام کی بھلائی ہے۔ اس کے کاروبار میں منافع خوری یا کسی بھی غیر دیانتدارانہ طریق کار کو دخل نہیں یہی وجہ ہے کہ اسکی تیار کردہ ادویات اعلیٰ و معیاری اور قابل اعتماد و بھروسہ ہیں۔ (۶) اسے عوام اور اطبا دونوں کا اعتماد حاصل ہے۔

ہندوستانی دواخانہ پبلیکیشنز

یوں تو ہندوستانی دواخانہ اپنی جملہ تصنیف و تالیف سے طبی دنیا کو مستفیض کرتا رہا ہے مگر ہمیں اپنی مندرجہ ذیل کتب پر خاص طور پر ناز ہے۔

(۱) حاذق طب یونانی کی معتبر اور مستند کتاب ہے یہ کتاب بلا مبالغہ طب یونانی کا نچوڑ ہے اور خاندانِ شریفی کا مکمل دستور العلاج ہے۔ یہ ہندوستان کے اطبا اعظم کے اسرار صدریہ کا خزینہ ہے اور رموز مخفیہ کا گنجینہ ہے یعنی اس کتاب میں حکیم محمود خاں صاحب اعظم جیسے کامل و حاذق الملک حکیم حاجی عبدالمجید خاں صاحب مرحوم جیسے طبیب اعظم اور مسیح الملک حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب جیسے مسیحائے زماں کا طریق علاج اور خاص الخاص صدری نسخے بیدریغ لکھ دیئے گئے ہیں جو معلومات برسوں کی تعلیم اور بڑی بڑی طبی کتابوں کا مطالعہ اور رسالہا سال استادانِ فن کی خدمت میں رہنے سے بھی حاصل نہ ہو سکیں۔ وہ اس بے نظیر کتاب کے ذریعہ حاصل ہو جاتی ہیں جہاں اس کتاب کے ذریعہ صاحب فن نئی معلومات اور رموز و نکات سے بصیرت اور مہارت حاصل کر سکتے ہیں وہاں وہ حضرات بھی جنہیں صرف معالجات سے دلچسپی ہے۔ استفادہ کر سکتے ہیں۔ اس کتاب میں ہر مرض کے عربی فارسی اور انگریزی مترادفات لکھے گئے ہیں۔ اس کے بعد مرض کی ماہیت اسباب علاج اور غذا و پرہیز امور بالتفصیل بیان کئے گئے ہیں ہر عضو کے امراض بیان کرنے سے قبل اس کی مختصر تشریح بھی تحریر کی گئی ہے۔ قیمت فی جلد پانچ روپئے۔

(۲) مطب عملی اس کتاب میں ہر مرض کی حقیقت ماہیت مخصوص علامتیں، اصول علاج اور خاص خاص رموز و نکات لکھنے کے بعد مسیح الملک حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب مرحوم و مسیح الملک ثانی حکیم محمد احمد خاں صاحب مرحوم افسر الاطبا حکیم محمد ظفر خاں صاحب مرحوم کے زیر علاج مریضوں کے حالات بطور حکایت لکھے گئے ہیں۔ اور تشخیص مرض اور تجویز کردہ دوائیں تحریر کی گئی ہیں۔ اور ساتھ ہی غذا اور پرہیز بھی بتایا گیا ہے الغرض یہ کتاب مذکورہ بالا حضرات کا قانون اور دستور المطلب ہے جس میں تمام ضروریات مطب موجود ہیں۔ قیمت فی جلد دو روپئے۔

منیجر ہندوستانی دواخانہ پوسٹ بکس ۲۲، بلیماران دہلی ۶ ٹیلیفون ۲۲۳۵۶۶

ایک قدم اور

طبِّ یونانی کی ترقی و بقا صحیح تشخیص

وزود اثر ادویات میں پوشیدہ ہے

اور

اسی جذبہ کے تحت ہمدرم دواخانہ دہلی

اپنے مقامی مریضوں اور بیرونجات کے

مریضوں کو مفت طبّی مشوروں و صحیح تشخیص

سے آگاہ کرتا ہے

آپ

براہ راست ملئے یا خط کے ذریعہ اپنے مرض سے

متعلق مفت مشورہ حاصل کیجیے۔

فہرست ادویات و دیگر لٹریچر مفت طلب کریں

منیجر:- ہمدرم دواخانہ پوسٹ بکس ۱۱ بازار لال کنواں دہلی ۶

THE GREAT
BLOOD
PURIFIER
چمچہ بھر
صافی
موسم کی تبدیلی کے دنوں میں صافی کا
ایک چمچہ آپ کو خون کی خرابی سے پیدا ہونے والی
تمام تکلیفوں سے محفوظ رکھے گا۔ بھوک کو
بڑھائے گا۔ اور جسم میں تازہ خون پیدا کر کے
چہرہ پر سرخی اور شادابی لائے گا۔
ہمدرد
ہمدرد دواخانہ (وقف)
دہلی • کانپور • پٹنہ

ضیاء الدین اصلاحی

حدیث رسول کا دین میں مقام

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری نبی اور پیغمبر بنا کر بھیجا تھا، آپ کے بعد چونکہ اور کوئی نبی آنے والا نہیں تھا اس لئے آپ کو مکمل دین اور جامع شریعت عطا کی گئی جو قیامت تک کے لئے دلیل راہ ہے، اس شریعت میں اتنی عمومیت اور وسعت ہے کہ ہر زمانہ کے مسائل اور ہر دور کے انسانوں کی ضرورتیں اس سے پوری ہو سکتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دو عظیم الشان سرمایے کتاب اللہ اور اپنی سنت دئے جو اسلام کی اصل و اساس اور بنیاد ہیں۔ اور ان کا اتباع ہر مسلمان کے لئے لازمی اور ضروری اور مخالفت ممنوع اور حرام ہے۔ متعدد آیات قرآنی اور احادیث نبوی جن کی تفصیل آگے آرہی ہے اس دعویٰ پر شاہد ہیں۔ صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ کرام علماء حق اور عام امت کا بھی اس پر اتفاق ہے۔ جو لوگ اس کے برعکس کسی اور نقطۂ نظر کے حامل ہیں وہ قرآن و سنت کی صریح تصریحات اور واضح دلائل کے منکر اور مسلمانوں کے مسلک و طریقہ سے منحرف ہیں۔

اس زمانہ کے "تجدد پسند" حضرات جو دین و شریعت کی قید و بند سے بالکل آزاد ہونا چاہتے ہیں۔ اپنی راہ کا سب سے بڑا روڑا "حدیث رسول" ہی کو سمجھتے ہیں اس لئے پوری ڈھٹائی کے ساتھ اس کا اور اس کی اہمیت و ضرورت کا انکار کر رہے ہیں۔ اور اسے مستند ماننا تو درکنار تاریخی حیثیت اور درجہ دینے میں بھی انھیں تامل اور پس و پیش ہوتا ہے۔ ان میں سے اکثر تو دین کے اصل ماخذ اور عربی زبان تک سے ناآشنا ہیں لیکن پھر بھی بزعم خود وہ "مجتہد" اور قرآن کے ماہر اور رازشناس بنتے ہیں، ان کے دلائل و اصول بڑے مضحکہ خیز اور افسوسناک حد تک ان کی کجروی، گمراہی اور ذہنی و دماغی انتشار کی نشاندہی کرتے ہیں۔

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش

حدیث کا انکار دین وملت کے خلاف ایک زبردست سازش اور دین کو تباہ اور ختم کرنے کی ایک مذموم اور ناپاک جسارت ہے لیکن اس دامِ فریب میں کچھ سادہ لوح اور جدت پسند طبیعتیں تو ضرور گرفتار ہو سکتی ہیں لیکن جو لوگ دین کا صحیح شعور اور کتاب وسنت سے براہ راست واقفیت رکھتے ہیں وہ کبھی اس فریبی کاروبار کی طرف نگاہ بھی نہیں اٹھا سکتے ؎

برو ایں دام بر مرغ دگر نہ
کہ عنقا را بلند است آشیانہ

دعوت کے "سیرت نمبر" میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وکردار کے مختلف گوشے اور کارنامے بیان ہوں گے مناسب ہوگا کہ اس کی وساطت سے حدیث رسول کی شرعی حیثیت اور دین میں اس کا مرتبہ ومقام بھی واضح کر دیا جائے۔ منکرین حدیث کے اعتراضات اور شکوک وشبہات سے اس میں مستقلاً تعرض کرنے کی گنجائش نہیں البتہ حدیث کی اہمیت اور حیثیت بیان کی جا رہی ہے تاکہ یہ نمبر اس پہلو سے بھی مکمل رہے۔

اس سلسلہ کی سب سے اہم اور بنیادی بحث خود رسول کی حیثیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صرف پیغامبر کا منصب دیکر نہیں بھیجا ہے اور نہ آپ کی حیثیت کسی "پوسٹ مین" کی سی ہے اس لئے آپ کی ذمہ داری محض نامہ وپیام پہنچا دینے تک خاص اور محدود نہیں بلکہ آپ خدا کے پیغام کے شارح اور ترجمان بھی تھے اور قوم کے معلم، مربی اور طبیب بھی، اور انسان کی تمام ضروریات میں اس کے راہنما اور راہبر بھی۔ قرآن نے آپ کی یہ حیثیت خود بیان کی ہے، اور اگر آپ کی یہ حیثیت تسلیم کر لی جائے اور نہ تسلیم کرنے کے کوئی معنی نہیں، اس لئے کہ نہ تسلیم کرنے کے معنی نبوت ورسالت کا انکار ہے تو ضروری ہوگا کہ حدیث کو بھی دین میں حجت اور ضروری خیال کیا جائے اور اس کی اہمیت وضروریات کے متعلق ایک لحظہ کے لئے بھی کوئی شبہ نہ کیا جائے قرآن مجید تو ایک اصولی کتاب ہے اس میں عقائد، عبادات، اخلاق اور معاملات کے صرف بنیادی اور کلی اصول وقاعدے بیان کئے گئے ہیں، جزئیات کا استقصار نہیں کیا گیا ہے۔ جزئیات کی تفصیل ووضاحت کے لئے نبی کی تشریح وتبیین کی طرف ہی رجوع کرنا ہوگا اور اسی تبیین وتشریح کا نام حدیث ہے۔ خدا نے فرمایا:-

وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ وھدی ورحمۃ لقوم یومنون (نحل رکوع ٨) ہم نے تم پر اس لئے کتاب اتاری ہے تاکہ تم ان کے لئے وہ چیز واضح کر دو جس میں یہ اختلاف کریں اور یہ کتاب ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت ورحمت ہے۔

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش

تقلید کرو، اس کا فرمان بے دریغ قبول کرو اور اسے اپنے تمام مسائل اور معاملات میں اپنا رہنما بناؤ۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم (آل عمران ۴ رکوع)

اے پیغمبر کہدو کہ اگر خدا سے محبت ہے تو میری پیروی کرو اللہ تمھیں محبوب رکھیگا اور تمھارے گناہوں کو بخش دیگا

رسول کی پیروی اور اطاعت کے معنی ہی خدا کی اطاعت اور پیروی ہے۔

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (نساء ۱۱۔ رکوع)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے گویا خدا کی اطاعت کی۔

رسولوں کو دنیا میں بھیجنے کی غرض وغایت ہی یہ ہے کہ ان کا ایک ایک فرمان واجب اور قابل اتباع سمجھا جائے۔

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ (نساء رکوع ۹)

ہم نے رسول اس لئے بھیجے ہیں تاکہ اللہ کی اجازت سے ان کی پیروی کی جائے۔

ایسی صورت میں کب کسی کے لئے یہ گنجائش ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال اور اجازت و تقریر کو جن کے مجموعے کا نام حدیث وسنت ہے رد کر دے اور اپنے ذوق و طبیعت سے جس حدیث کو چاہے مانے اور جسے چاہے نہ مانے، اگر کوئی شخص رسول کی حدیثوں کا انکار کرتا ہے تو دراصل وہ دین کا، قرآن اور خود اللہ تعالیٰ کا انکار کرتا ہے۔ اسی لئے اہل ایمان کی اصل شان یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اللہ اور رسول کے فرمان اور حکم کے سامنے کوئی چون وچرا نہیں کرتے۔

وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا۔ (احزاب رکوع ۵)

کسی مومن مرد و عورت کے لئے زیبا نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول فیصلہ کریں تو وہ اپنا اس میں کوئی اختیار چلائیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہے

دیکھو اس آیت میں اللہ کی طرح رسول کی نافرمانی کو بھی کھلی ہوئی گمراہی قرار دیا گیا ہے کیا منکرین حدیث کی ضلالت و گمراہی میں اس کے بعد بھی شبہ کیا جا سکتا ہے کہ ایمان و ہدایت کا راز تو اس میں پوشیدہ ہے کہ رسول کے حکم سے سرتابی نہ کی جائے، مشکلات میں اس سے ہدایت و رہنمائی حاصل کی جائے اور اس کی مرضی اور فیصلہ سے دل میں انقباض اور تکدر

نہ محسوس کیا جائے۔

فلا وربک لا یومنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما۔ (نساء رکوع ۹)

قسم ہے تیرے پروردگار کی کہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تمھیں ان چیزوں میں جو ان کے مابین مختلف ہیں حکم نہ بنائیں پھر اپنے دلوں میں تیرے فیصلہ سے کوئی بضاعۃ اور تنگی نہ محسوس کریں اور مکمل طور سے تیرے فرمانبردار نہ بن جائیں

کلام الٰہی کے بعد کلام رسول کا درجہ ہے اس لئے اپنے تنازعات اور مسائل کے حل کے لئے حکم الٰہی کے بعد حکم نبوی ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر (نساء رکوع ۸)

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور اہل امر کا بھی پس اگر کسی چیز کے بارہ میں نزاع ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول کی جانب رجوع کرو۔ اگر تم اللہ اور روز جزا پر (واقعی) ایمان رکھتے ہو (تو یہی تمھارا طرز عمل ہونا چاہیئے)

یہی نہیں بلکہ صاف صاف کہہ دیا گیا ہے کہ رسول تمھیں جو کچھ بتائے اور جو کچھ تم سے کہے سب کو تسلیم کرو اور جن چیزوں سے روکے ان سے باز آؤ، اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے کوئی مفر نہیں۔

وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب (حشر رکوع ۱)

اور رسول نے جو کچھ تمھیں بخشا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز آجاؤ اور اللہ سے ڈرو، بیشک وہ رسول کا حکم نہ ماننے والوں کو سخت سزا دینے والا ہے

اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ قرآن کے علاوہ رسول نے امت کے لئے جو ترکہ چھوڑا ہے وہ قابل اتباع اور واجب العمل ہے۔ اور اس کی مخالفت اور انکار کرنے والا خدا کے غضب اور عقاب کا مستحق ہو جائے گا۔

فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم۔ (نور رکوع ۹)

رسول کے فیصلہ کی مخالفت کرنے والوں کو اس سے ڈرنا چاہیئے کہ کہیں ان کو کوئی آزمائش یا دردناک عذاب نہ لاحق ہو جائے۔

کیا ان صریح آیات کے بعد بھی حدیث رسول کی حجیت و اہمیت میں کوئی کلام کیا جا سکتا

ہے۔ ان میں رسول کا منصب و مقام بھی بیان کیا گیا ہے اور اس کے حکم و فرمان، قول و عمل، نقل و حرکت اور شان و ادا کی تقلید و اتباع کو بھی ضروری قرار دیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص حدیث کا انکار کرتا ہے اور آپ کی تعلیم و ہدایت، تشریح و وضاحت اور طرز عمل سے بے نیاز ہو کر صرف یہی راگ الاپے جا رہا ہے کہ قرآن مجید ہی صرف ہدایت کے لئے کافی ہے تو وہ شدید گمراہی میں مبتلا ہے اور نہ تو قرآن مجید کو مانتا ہے اور نہ اس کے منشا و مراد کو سمجھتا ہے۔ بلکہ صرف اپنی من مانی خواہشات اور آرزوؤں کا بندہ ہے ومن اضل ممن اتبع ھواہ بغیر ھدی من اللہ۔

یہ تو قرآنی تصریحات تھیں اب ذرا احادیث نبوی پر بھی ایک نگاہ ڈال لیجئے خود منکرین حدیث بھی اپنے لاطائل اعتراضات اور دعوؤں کی تائید کے لئے ان کی آڑ لیتے ہیں۔ ان سے بھی رسول کی یہی حیثیت اور حدیث نبوی کی پوری طرح اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت زیاد بن لبید سے روایت ہے۔

ذکر النبی صلعم شیئاً فقال ذاک عند اوان ذھاب العلم قلت یا رسول اللہ وکیف یذھب العلم ونحن نقرأ القرآن ونقرئہ ابناءنا ویقرئہ ابناؤنا ابناءھم الی یوم القیامۃ قال ثکلتک امک یا زیاد ان کنت لاراک من افقہ رجل بالمدینۃ اولیس ھذہ الیھود والنصاری یقرؤن التوراۃ والانجیل ولا یعلمون بشیء مما فیھا۔ (ابن ماجہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں کسی بات کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا ایسا علم کے ختم ہو جانے کے وقت ہو گا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ علم کس طرح ختم ہو جائے گا جب کہ ہم قرآن کو پڑھیں گے اور اپنے بیٹوں کو پڑھائیں گے اور اسی طرح یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ آپ نے فرمایا زیاد تیری ماں تجھے روئے میں تو تمہیں مدینہ کے زیادہ سمجھدار لوگوں میں سمجھتا تھا، کیا یہود و نصاریٰ توراۃ اور انجیل نہیں پڑھتے لیکن اس کے باوجود ان دونوں کے اندر جو کچھ ہے اس سے بے خبر رہتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجرد کتاب اللہ کا علم کافی نہیں ہے بلکہ اس کو سمجھنے کیلئے نبی کی وضاحت و تشریح بھی ضروری ہے اور رسول نے جو کچھ حرام و حلال قرار دیا ہے اس حیثیت بھی خدا کے حرام و حلال قرار دئے ہوئے کی سی ہے۔

عن المقدام بن معدیکرب الکندی

مقدام بن معدیکرب کندی سے روایت ہے۔ کہ

ان رسول اللہ صلعم قال یوشک الرجل متکئا علی اریکتہ یحدث بحدیث منی حدیثی فیقول بیننا وبینکم کتاب اللہ عز وجل فما وجدنا فیہ من حلال استحللناہ وما وجدنا فیہ من حرام حرمناہ الا وان ما حرم رسول اللہ مثل ما حرم اللہ (ابن ماجہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جلدی وہ زمانہ آئے گا جب آدمی تکیہ لگائے بیٹھا ہوگا اور اس کے سامنے میری کوئی حدیث بیان کی جائے گی تو کہیگا کہ ہمارے اور تمہارے لئے خدا کی کتاب بس ہے۔ ہم اس میں جو کچھ حلال پائیں گے اسے حلال قرار دیں گے اور اس میں جسے حرام دیکھیں گے اسے حرام قرار دیں گے حالانکہ یاد رکھو رسول اللہ نے جس چیز کو حرام قرار دیا ہے وہ بھی اللہ ہی کے حرام قرار دیئے ہوئے کیطرح حرام ہے

مسند دارمی کی ایک طویل روایت کا ٹکڑا ہے:-

فانہ من یعش بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین عضوا علیہا بالنواجذ وایاکم والمحدثات فان کل محدثۃ بدعۃ۔

بیشک جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بیشمار اختلافات دیکھیں گے پس تم لوگوں کو مضبوطی سے میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء کے طرز عمل کو اختیار کر لینا چاہیئے اور نئی نئی باتوں کو ایجاد کرنے سے پرہیز کرنا چاہیئے کیونکہ ہر حدت بدعت ہے۔

ان روایتوں میں کیا آج کے زمانہ کی تصویر نہیں کھینچ دی گئی ہے، اس آئینہ میں منکرین حدیث کے چہرے کس طرح صاف وشفاف نظر آرہے ہیں۔

اس سلسلہ میں آنحضرت صلعم کے ایک بڑے صحابی حضرت معاذ کا وہ ارشاد بھی سننے کے لائق ہے جو انھوں نے اس وقت فرمایا تھا جب رسول اللہ نے یمن کا انھیں عامل مقرر کیا اور پوچھا تھا کہ کس طرح فیصلہ کروگے تو انھوں نے جواب دیا تھا کہ قرآن سے، فرمایا اگر اس میں تصریح نہ ملی تو کیا کروگے جواب دیا۔ رسول اللہ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا، فرمایا اگر اس میں بھی حکم نہ ملا تو کیا کروگے جواب دیا اجتہاد کروں گا،، رسول اللہ صلعم یہ جواب سن کر بہت خوش ہوئے اور اس پر اپنا اطمینان بھی ظاہر کیا، غور فرمایئے اگر سنت نبوی کی دین میں کوئی حیثیت نہ ہوتی تو کیا آپ حضرت معاذ کی رائے سے مطمئن ہوجاتے اور اس کی تردید نہ فرماتے۔

آپؐ نے مختلف مواقع پر لوگوں کو اس کی اجازت اور تلقین بھی کی ہے کہ وہ حدیثیں

کے متعلق کوئی اور کسی طرح کی بھی ممانعت نہیں ہے۔ آپ نے حدیثیں دوسروں سے بیان کرنے والوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔

نضر اللہ عبدا سمع مقالتی فوعاھا ثم اداھا الی من لم یسمعھا فرب حامل فقہ لا فقہ لہ ورب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ (جمہرۃ خطب العرب ج ۱ ص ۵۴)

اللہ تعالیٰ اس بندہ کو ترو تازہ رکھے جس نے میری بات سن کر اسے خوب محفوظ کر لیا پھر ایسے شخص کی طرف پہنچایا جس نے اسے نہیں سنا تھا بعض لوگ جو فقہ و بصیرت کی بات کے حامل ہوتے ہیں لیکن خود فقہ و بصیرت سے تہی ہوتے ہیں اور بعض لوگ اسے ان لوگوں تک پہنچاتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ ہوتے ہیں۔

حجۃ الوداع کے موقعہ پر آپ نے جو مشہور اور طویل خطبہ دیا تھا۔ اس میں بیشمار احکام اور ہدایات مسلمانوں کو دی تھیں۔ اس میں اکثر احکام کے بعد فرماتے جاتے تھے۔

الا ھل بلغت اللھم اشھد، قالوا نعم فلیبلغ الشاھد الغائب۔ (جمہرۃ خطب العرب ج ۱ ص ۵۶)

کیا میں نے خدا کا پیغام پہنچا دیا (ہاں پہنچا دیا) اے اللہ تو اس پر شاہد ہے لوگوں نے کہا ہاں آپ نے پہنچا دیا تو آپ نے فرمایا موجودہ لوگوں کو چاہیئے کہ وہ غائب لوگوں تک اسے پہنچا دیں۔

ایک اور موقع پر فرمایا:۔

حدثوا عنی ولا حرج (مسلم)

مجھ سے حدیث بیان کرو۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

کیا یہ ساری باتیں اس بات کا ثبوت نہیں ہیں کہ حدیث بھی دین کی اصل و اساس ہے اور وہ اس میں معتبر و مستند اور حجت ہیں اسی لئے اس کی روایت و اشاعت کی امت کو ترغیب و تلقین کی گئی ہے تاکہ خدا اور اس کے رسول کا پیغام دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ جائے اور پورے طور سے اتمام حجت ہو جائے۔

یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی دو نوعیتیں تھیں ایک تو "بعثت خاص" جسے آپ نے خود بنفس نفیس اپنے زمانہ میں انجام دیا لیکن آپ کی بعثت کی ایک حیثیت عام بھی ہے یعنی آپ پوری دنیا کی طرف قیامت تک کے لئے آخری نبی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :۔

قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا الذی لہ ملک السمٰوٰت والارض (اعراف ۲۰ رکوع)

اے نبی کہہ دو کہ میں تم سب لوگوں کی طرف اس خدا کا رسول ہوں جس کے قبضہ قدرت میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے

آپ نے خود بھی فرمایا کہ میں عرب و عجم سب کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، ظاہر ہے رسالت کا یہ مقصد اور نوعیت اسی وقت پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتی ہے جب پوری امت تبلیغ و دعوت دین اور اشاعت حدیث کا وہ فریضہ انجام دے جیسے آپ نے اپنے زمانے میں انجام دیا تھا اور بلاشبہ مسلمانوں کا یہ نہایت شاندار اور قابل فخر کارنامہ ہے کہ انھوں نے اپنے رسول کے پیغام کو، اس کے قول و فعل، نقل و حرکت اور ایک ایک ادا کو محفوظ اور جمع کیا تاکہ ہمیشہ اس کے ذریعہ دین کی صحیح تعبیر و ترجمانی کی جا سکے، دنیا کی کوئی قوم بھی اس قسم کی نظیر نہیں پیش کر سکتی۔ اس قاعدہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حدیث و سنت کو جمع کرنا اور اس کی نشر و اشاعت کرنا امت کا فرض ہے اگر امت ایسا نہ کرتی تو رسول کی بعثت کی عام حیثیت کی تکمیل نہ ہوتی۔ اور ان مجتہدین جدید سے کوئی پوچھے کہ اگر حدیث کی روایت و اشاعت نہ کی گئی ہوتی تو کیا ساری دنیا میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور دین سے صحیح طور پر لوگوں کی واقفیت ممکن ہو سکتی تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام کا عہد مبارک شروع ہوتا ہے وہ بھی قرآن کے بعد حدیث کو سب سے زیادہ اہم اور بنیادی چیز خیال کرتے تھے کہا جاتا ہے کہ بعض کبار صحابہ روایت حدیث سے منع کرتے تھے لیکن اس سلسلہ میں جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں ان میں سے کچھ تو بے بنیاد اور غلط ہیں اور جو صحیح ہیں ان سے روایت حدیث کے معاملہ میں صحابہ کی انتہائی احتیاط ثابت ہوتی ہے نہ کہ روایت و اشاعت حدیث کی ممانعت۔

تمام خلفائے راشدین کا طرز عمل یہ تھا کہ وہ احکام و مسائل کی تلاش میں کتاب الٰہی کے بعد سنت نبوی ہی کی طرف رجوع کرتے تھے اور جب کسی معاملہ میں انھیں حدیث کا علم نہ ہوتا تو دوسرے صحابہ کو اکٹھا کر کے دریافت کرتے کہ کیا اس بارہ میں آپ کا رسول اللہ کا فیصلہ معلوم ہے؟ منکرین حدیث سب سے زیادہ وثوق کے ساتھ اس معاملہ میں شیخین کی مثالیں دیتے ہیں اس لئے ان کا طرز عمل پیش کیا جاتا ہے۔

حافظ ابن قیم رح نے اپنی مشہور کتاب اعلام الموقعین میں لکھا ہے :۔

کان ابوبکر الصدیق اذا ورد علیہ حکم نظر فی کتاب اللہ فان وجد فیہ ما یقضی بہ قضی وان لم یجد فی کتاب اللہ نظر فی سنۃ رسول اللہ فان وجد فیہا

حضرت ابوبکر کے سامنے جب کوئی معاملہ پیش ہوتا تو کتاب الٰہی میں غور کر کے اس کا فیصلہ کرتے اور کتاب الٰہی میں اس کا حل موجود نہ ہوتا تو سنت نبوی کی طرف رجوع کر کے فیصلہ کر دیتے اور اگر حدیث کا پتہ ممکن نہ ہوتا تو لوگوں

ما یقضی بہ فاذا اعیاہ ذلک
سأل الناس ھل علمتم ان رسول اللّٰہ
صلعم قضی فیہ بقضاء فربما قام الیہ
القوم فیقولون قضی بہ بکذا وکذا

سے دریافت فرماتے کہ آپ کو اس کے متعلق رسول اللہ کا فیصلہ معلوم ہے؟
بعض اوقات کچھ لوگ آپ کو رسول اللہ کے فیصلے سے مطلع کرتے۔

یاد ہوگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؓ نے میراث کا مطالبہ کیا تھا تو حضرت ابوبکرؓ نے حدیث نبوی کی بنا پر ان کا مطالبہ مسترد کر دیا تھا۔
لا نورث ما ترکنا صدقۃ (بخاری) ہم پیغمبروں کی میراث تقسیم نہیں کی جاتی ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے

اسی متعدد مسائل میں حضرت ابوبکر کا حدیث نبوی کی جانب رجوع کرنا اور صحابہ کو جمع کر کے ان سے حدیث معلوم کرنا ثابت ہے۔

حضرت عمرؓ کا بھی یہی حال تھا بلکہ وہ تو رسول اللہ کا حکم نہ معلوم ہونے کی صورت میں حضرت ابوبکر کا فیصلہ بھی معلوم کرتے تھے اور عاملین و قضاۃ کو تاکید کرتے کہ کتاب اللہ کے بعد سنت رسول کو ماخذ و سند بنائیں، چنانچہ علامہ ابن قیم رح بیان کرتے ہیں کہ قاضی شریح کو جب کوفہ کا قاضی مقرر کیا تو ہدایت کی کہ:۔

انظر ما تبین لک فی کتاب اللّٰہ فلا
تسئل احدا وما لم یتبین لک فی
کتاب اللّٰہ فاتبع فیہ سنۃ رسول اللّٰہ

جو مسئلہ پیش آئے اس میں پہلے کتاب اللہ کو دیکھو اور کسی سے نہ پوچھو اگر کتاب اللہ میں اس کا حل نہ ملے تو سنت نبوی کا اتباع کرو۔

حضرت عمرؓ کو اتباعِ حدیث کا اس قدر خیال تھا کہ اگر انھیں اپنے کسی فیصلہ کے بعد کوئی حدیث اس کے خلاف معلوم ہو جاتی تو اس کی فوراً تردید کر دیتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ اختیار کر لیتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ انگلیوں کی دیت کے متعلق کوئی فیصلہ کیا اس کے بعد اس بارہ میں آنحضرت صلعم کا ایک فرمان جو آپ نے ابن حزم کو لکھا تھا معلوم ہوا تو اپنا فیصلہ منسوخ کر لیا۔

اس قسم کی مثالیں بے شمار ہیں اور ان کا نقل کرنا موجب طوالت ہے، ان سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ کبار صحابہ کے نزدیک حدیث کی کس قدر اہمیت تھی۔ اور یہ اعتراض کس قدر مہمل ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ مطلقاً روایت حدیث سے منع کرتے تھے دوسرے صحابہ کا بھی اتباع سنت و حدیث کے سلسلہ میں یہی طرز عمل تھا اور وہ بھی

حدیث کو پوری اہمیت دیتے تھے اور انھیں لائق اتباع سمجھتے تھے۔

تابعین، تبع تابعین، ائمہ عظام، علمار حق اور پوری امت کا بھی یہی طریقہ کار اور طرز عمل تھا، ائمہ نے تو خاص طور پر پیروان مذاہب کو تلقین کی ہے کہ انھیں اصل اہمیت کتاب وسنت ہی کو دینی چاہیئے اور رسول اللہ کے قول وعمل کے معلوم ہو جانے کے بعد ان کے قول وعمل کو ترک کر دیں۔ سب سے متفقہ طور پر اس قسم کی روایت ملتی ہے کہ۔

"صحیح حدیث ہی ان کا مسلک و مذہب ہے"

امام مالک رح کا ارشاد ہے کہ "رسول اللہ کے سوا اور کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کا قول رد نہ کیا جا سکتا ہو"، امام شافعی رح کا مشہور مقولہ ہے :۔

اذا صح الحدیث بخلاف قولی فاضربوا	اگر میرے قول کے خلاف کوئی صحیح حدیث ثابت ہو جائے
بقولی عرض الحائط (بحوالہ الحدیث المحدثون)	تو میرے قول کو دیوار پر پھینک دو۔

حافظ ابن قیم رح اپنے امام مذہب رئیس المحدثین والفقہار امام احمد کے اصول مذہب بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

کان الامام احمد اذا وجد النص افتی	امام احمد کو جب نص معلوم ہوتا تو اسی کے مطابق فتویٰ
بموجبه ولم یلتفت الی ما خالفه ولا من	دیتے اور اس کے مخالف کسی بات کی طرف دھیان نہ دیتے
خالفه کائنا من کان۔ (اعلام الموقعین ج)	چاہے وہ مخالفت کتنے ہی بڑے آدمی کی طرف کیوں نہ منسوب ہوتی

امام ابو یوسف رح اور امام مالک رح میں کئی مسائل کے بارہ میں مناظرے ہوئے ہیں بعض میں انھوں نے اپنے شیخ امام ابو حنیفہ رح کا مسلک ترک کر کے امام مالک کا مسلک اسلئے اختیار کر لیا ہے کہ وہ حدیث کے مطابق تھا۔ چنانچہ "صاع" کے معاملہ میں جب مناظرہ ہوا تو مالکی مذہب کر لیا اور فرمایا

رجعت الی قولک یا ابا عبد اللہ ولو رأی	ابو عبد اللہ میں نے آپ کا مسلک اختیار کر لیا اور اگر امام ابو حنیفہ
صاحبی ما رأیت لرجع کما رجعت۔ (بحوالہ الحدیث المحدثون)	کو بھی میری طرح معلوم ہو جاتا تو وہ بھی اسیطرح اپنے مسلک سے رجوع کر لیتے

ان سب اقوال سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ حدیث رسول کا اگر دین میں کوئی درجہ اور مقام نہ ہوتا تو کیوں لوگ قرآن کے بعد اسے دوسرا اصول مانتے اور کیوں اسکی حفاظت و اشاعت کا اس قدر اہتمام کرتے ـــ ان تصریحات اور امت کے اجماع و تعامل کے بعد بھی اگر کسی کو حجیت حدیث اور قول رسول کے واجب العمل اور واجب الطاعۃ ہونے میں کلام ہو تو اس کی گمراہی اور ضلالت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے اور اس کا طرز عمل کس طرح مسلمانوں کے طرز عمل کے موافق قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ "انکار حدیث" کے فتنے کے اندر کتنے اور سارے فتنے پوشیدہ ہیں۔ اگر دین کی حفاظت اور اسلام کی بقا اور قرآن کی صحیح تعبیر و ترجمانی مقصود ہے تو حدیث رسول کی اہمیت

پروفیسر خلیق احمد نظامی

حضور کا آخری خطبہ

منشور حقوق انسانی

یورپ کے ایک مشہور مورخ لارڈ ایکٹن نے فرانس کے "منشور حقوق انسانی" کے متعلق کہا تھا کہ کاغذ کا یہ ایک پرزہ دنیا کے کتب خانوں سے زیادہ وزنی اور نپولین کی فوجوں سے زیادہ پرشکوہ ہے۔ ایکٹن کی یہ رائے مبالغہ سے خالی نہیں۔ لیکن اگر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبۃ الوداع کے متعلق یہ کہا جائے کہ آسمان نے روز و شب کی ہزاروں کروٹیں بدلی ہیں لیکن احترام انسانیت کے لئے اس سے زیادہ پُر درد اور پرخلوص آواز نہیں سنی تو یقیناً اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔

آج دنیا میں ہر طرف انسانی حقوق کے تحفظ کا چرچا ہے لیکن کون نہیں جانتا کہ یہ سب باتیں نقاب کی مانند ہیں، جن کے نیچے دنیا کے گوشے گوشے میں قدر حریت اور شرف انسانیت کی مٹی پلید ہو رہی ہے۔ تہذیب حاضر نے انسانیت پر ظلم و ستم کے نئے نئے طریقے ایجاد کئے ہیں اور یہ طریقے ایسے ہولناک ہیں جن کی مثال تاریخ عالم کا کوئی تاریک سے تاریک صفحہ پیش نہیں کر سکتا، جو قومیں حقوق انسانی کی پاسبانی کے سب سے زیادہ بلند بانگ دعاوی کر رہی ہیں وہی انسانیت کا خون چوسنے میں سب سے پیش پیش ہیں۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ نہ کسی مصلحت کا نتیجہ تھا۔ نہ کسی وقتی جذبہ کی پیداوار، یہ اللہ کے آخری رسول کا انسان کے نام آخری پیغام تھا جس میں یہ بتایا گیا

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش

تھا کہ انسان کی بقا کا راز انسانیت کے احترام میں مضمر ہے۔

ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ (مطابق فروری ۶۳۲ء) کو رسول اللہ نے اپنی زندگی کے آخری حج کے ادا کرنے کا ارادہ فرمایا اور تمام ازواج مطہرات کو ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ عرب کے گوشہ گوشہ سے لوگ شرفِ ہمرکابی کے لئے امنڈ پڑے جہاں تک نظر کام کرتی تھی انسانوں کا ایک سمندر موجیں مارتا ہوا نظر آتا تھا۔ کم و بیش ایک لاکھ مسلمان دینی جذبہ سے سرشار سرورِ کائنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے۔

لبیک اللھم لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لک لا شریک لک۔

اے خدا ہم تیرے سامنے حاضر ہیں۔ اے خدا تیرا کوئی شریک نہیں، ہم حاضر ہیں، تعریف اور نعمت سب تیری ہی ہے۔ اور سلطنت میں کوئی تیرا شریک نہیں۔

کی صدائیں بلند کرتے اللہ کے گھر کی جانب بڑھ رہے تھے۔ آسمان نے انسانوں کے اس سے کہیں بڑے ہجوم دیکھے تھے لیکن آج کا ہجوم اپنی نوعیت میں عدیم المثال تھا۔ اللہ کے مقدس ترین بندوں کا یہ قافلہ کامل ترین انسان کی قیادت میں اس طرح چل رہا تھا کہ زمین سے آسمان تک قبول و اعترافِ حق کا نور برستا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ عرفات میں عمرہ کے مقام پر حضور نے ایک تنے ہوئے کمبل کے نیچے قیام فرمایا۔ اور دوپہر کے بعد اپنے ناقہ قصوٰی پر سوار ہو کر پکارا :۔

یاایھا الناس اسمعوا قولی

اے لوگو! میری بات سنو!

پھر اس بات کو کہ "یہ میری عمر کا آخری سال ہے" اس طرح ادا کرنے کے بعد :۔

یاایھا الناس اسمعوا فانی لا ادری لعلی لا القاکم بعد عامی ھذا فی موقفی ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا۔

لوگو! سنو۔ کیونکہ شاید اس سال کے بعد اس جگہ اس مہینہ میں اس شہر میں تم سے نہ مل سکوں ایسا فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا کہ عرفات کے دشت و جبل تک گونج اٹھے۔ اس وقت اور اس مقام کی اہمیت کا احساس دلانے کے لئے پکارا۔

اتدرون ای یوم ھذا قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال فان ھذا

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش

یوم حرام افتدرون ای بلد ھذا، قالوا اللّٰہ ورسولہ اعلم
قال بلد حرام قال اتدرون ای شہر ھذا قالوا اللّٰہ ورسولہ
اعلم قال شہر حرام۔

کیا جانتے ہو کہ یہ کونسا دن ہے، لوگوں نے کہا۔ خدا اور رسول کو اس کا علم ہے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ یوم الحرام ہے۔ کیا جانتے ہو کہ یہ کونسا شہر ہے، لوگوں نے کہا۔ خدا اور رسول کو اس کا علم ہے آپؐ نے فرمایا۔ بلد الحرام ہے۔ کیا جانتے ہو یہ کونسا مہینہ ہے؟ لوگوں نے کہا۔ خدا اور رسول کو اس کا علم ہے۔ آپ نے فرمایا۔ شہر حرام ہے)

فرائض نبوت کی بجا آوری میں ۲۳ سال کی مسلسل جد وجہد کا اعتراف ایک طرف انسانی زبانوں نے اس طرح کیا؟

"ہم گواہ ہیں کہ تم نے اپنا فرض ادا کر دیا"

دوسری طرف اعلانِ خداوندی ہوا:۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی

آج کے دن میں نے تمھارے لئے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں پوری کر دیں

وحی الٰہی کا جو سلسلہ غار حرا کی تنہائیوں میں شروع ہوا تھا۔ میدان عرفات کے بھرے مجمع میں اس کی تکمیل کر دی گئی۔ رسول اللہؐ نے ہدایت فرمائی:۔

فلیبلغ الشاھد الغائب

جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ ان کو سنا دیں جو موجود نہیں

اس خطبہ کی تاریخی اہمیت کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے ضروری ہے کہ چودہ سو سال پہلے کی متمدن دنیا کے حالات پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ اختصار کے پیش نظر ہم صرف روما، ہندوستان اور ایران کے حالات پر اکتفا کرتے ہیں۔

طبقاتی تقسیم | قرون وسطیٰ میں اخوت ومساوات بے معنی الفاظ تھے۔ کوئی انسانی ذہن ان کا مفہوم نہیں سمجھ سکتا تھا۔ ہر جگہ سماج مختلف طبقوں میں تقسیم تھا اور اس تقسیم کو قائم رکھنے کے لئے نئے نئے طریقے اور قانونی سہارے وضع کر لئے گئے تھے سلطنت روما میں سماج کی تقسیم اس طرح پر تھی کہ سب سے اوپر آزاد شہری تھے اور سب سے نیچے غلام۔ اور دونوں کے درمیان متعدد طبقات تھے جن کے حقوق کا تعین رنگ ونسل

مذہب اور وطن، صحت و دولت وغیرہ کے لحاظ سے کیا جاتا تھا جسٹینین جس نے روما کے قانون کی تدوین کی تھی اور دنیا کو چیلنج دیا تھا کہ اس سے بہتر قانون کوئی تیار کر کے دکھائے۔ قانونی نقطۂ نگاہ سے سماج کو اس طرح تقسیم کرتا ہے۔

ملک کا اعلیٰ ترین طبقہ۔ جو امراء پر مشتمل تھا۔ بغاوت کے علاوہ اس طبقہ کے کسی فرد کو کسی بھی جرم میں سزائے موت نہیں دی جاسکتی تھی۔

اس طبقہ کو بعض غیر معمولی حالات میں موت کی سزا دی جاسکتی تھی۔ ورنہ عموماً قید کی سزا دی جاتی تھی۔

سب سے نیچا طبقہ تھا جس کے افراد کو معمولی معمولی جرائم کی سزا میں قتل کیا جاتا تھا آگ میں ڈالا جاتا تھا۔ اور وحشی جانوروں سے ہڈیاں چبوائی جاتی تھیں۔

تقریباً اسی طرح کی طبقاتی تقسیم ایران میں تھی۔ وہاں کی سوسائٹی چار حصوں میں منقسم تھی۔

(۱) آذرواں ۔ مذہبی طبقہ
(۲) آرتشتیاران فوجی طبقہ
(۳) دبیران عمال حکومت
(۴) استریوشان و ہتخشان ـــ یعنی عوام پیشہ ور لوگ اور کاشتکار۔

ایرانی سماج کی یہ تقسیم مستقل تھی۔ کوئی شخص ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ میں منتقل نہیں ہو سکتا تھا۔ آتش پرست حکومت میں با اثر تھے۔ ان کو پیشہ ور قوموں سے (بالخصوص کمہاروں وغیرہ سے) خاص عداوت اور نفرت تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے عقیدے کے مطابق آگ اور پانی کو ملانے والا گناہ عظیم کا مرتکب ہوتا تھا۔ ایران کا قانون اس طبقاتی تقسیم کو قائم رکھنے کی نظر سے بنایا گیا تھا۔ عوام کو حکومت کے معاملات میں مداخلت کی اجازت نہیں تھی۔ نیچی ذات کا کوئی شخص نہ سرکاری دفاتر میں ملازم ہو سکتا تھا۔ نہ اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کی جائداد خرید سکتا تھا۔

ہندوستان کی حالت ایران سے زیادہ خراب تھی۔ سماج کی سب سے اونچی منزل پر علی الترتیب مندرجہ ذیل چار ذاتوں کا شمار ہوتا تھا۔

(۱) برہمن (۲) چھتری (۳) ویش (۴) شودر

ان چار ذاتوں کے بعد عوام کا شمار تھا۔ جن کو انتیجا۔ بادی۔ ڈومہ۔ چنڈالہ۔ بدھاتو وغیرہ نام دیئے گئے تھے۔ ان کو اونچی ذات کے لوگوں سے دور شہر کے باہر رہنا پڑتا تھا مقدس

کتابوں کا اگر ایک لفظ ان لوگوں کے کان میں اتفاقاً پڑ جاتا تو سیسہ پگھلا کر کان میں بھر دیا جاتا تھا سارا ملک چھوت چھات کی لعنت میں گرفتار تھا۔ اگر ایک شودر کے گھر میں آگ لگ جاتی اور اس کے شعلے برہمن کے گھر تک پہنچ جاتے تو وہ اپنے گھر کو ناپاک سمجھ کر چھوڑ دیتا تھا۔ انسانیت کی جو بے حرمتی ہندوستان میں روا رکھی گئی تھی۔ اس کی مثال دنیا کے کسی حصہ میں نہیں ملتی تھی۔ تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ منو اور ریچھ نیکیہ کے قانون اس عہد کی سماجی حالت کا آئینہ دار ہیں

بادشاہوں کی حیثیت

ایران، روما اور ہندوستان تینوں جگہ بادشاہوں کو عام انسانی سطح سے اٹھا کر خدا کے قریب پہنچا دیا گیا تھا حد یہ ہے کہ کہا جاتا تھا کہ مختلف طبقوں کی پیدائش مختلف طریقوں اور مختلف مادّوں سے ہوتی ہے۔ ہندوستان کے راجہ چاند اور سورج سے اپنا رشتہ جوڑتے تھے۔ ایران اور روما کے شہنشاہ خالق کائنات سے اپنا سلسلۂ نسب ملاتے تھے۔ ان کے سامنے سجدے کئے جاتے تھے۔ اور انکو صفات خداوندی کا حامل سمجھا جاتا تھا۔ بغاوت گناہ تھی۔ اور تابعداری مذہبی فریضہ۔ فرمانروائی خاص خاندانوں کا پیدائشی حق سمجھی جاتی تھی۔

عورتوں کی حالت

قرونِ وسطیٰ میں عورتوں کی سماجی حالت بے حد زبوں تھی۔ ایران میں دو طرح کی بیویاں ہوتی تھیں۔

(۱) زنِ پادشائی ها۔

(۲) زن چگاری ها۔

پہلی قسم کی بیویوں اور ان کی اولاد کو جائداد میں حصہ ملتا تھا۔ زن چگاری اور ان کی اولاد جائداد سے بالکل محروم رہتی تھی۔ قانون کی نظر میں عورتوں کا کوئی حق یا مرتبہ نہیں تھا۔ بیویاں آپس میں بدلی جا سکتی تھیں۔ قانون نے غلام اور بیوی کو ایک درجہ پر رکھا تھا عرب میں عورتوں کو مورث کے متروکہ میں سے کچھ نہیں ملتا تھا۔ عورت کو بدترین مخلوق سمجھا جاتا تھا۔ حد یہ ہے کہ:۔

"جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خوشخبری سنائی جاتی ہے تو اس کا منہ کالا پڑ جاتا ہے اور غصے کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ اس خوشخبری کے رنج سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور سوچتا ہے) کہ ذلت کے ساتھ اس کو قبول کرلے یا زمین میں دفن کردے

(سورۂ نحل ۷)

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش

عربوں میں "وأد" (یعنی دختر کشی) کی رسم عام تھی۔ ایک شخص نے آنحضرتؐ کی خدمت میں ظاہر کیا تھا کہ اس نے اپنے ہاتھ سے آٹھ لڑکیاں دفن کیں۔

ہندوستان میں عورت کو تمام برائیوں کا مجموعہ سمجھا جاتا تھا۔ قانون یہ تھا کہ جس عورت کے صرف لڑکیاں پیدا ہوں۔ اس سے ہم بستری نہ کی جائے۔ اونچی ذات کے لوگ عام لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ عورتیں گھر میں رکھ سکتے تھے۔

غلاموں کی حالت

قرون وسطیٰ میں غلام کی حیثیت پالتو جانور کی تھی۔ آقا کو اختیار تھا کہ اس کو زندہ رکھے یا مار ڈالے۔ اگر کوئی ملازم، یا غلام اپنے آقا کے خلاف عدالت میں شکایت لے جاتا تو اس کو جسٹی نین کے قانون کے مطابق اس جرأت پر سزائے موت دے دی جاتی تھی۔ غلامی ایسی لعنت تھی جس سے پوری طرح آزاد ہونا ممکن نہ تھا۔ قانوناً غلاموں کو آزاد کرنے میں بڑی دشواریاں تھیں۔ اگر ان دشواریوں کے باوجود کوئی غلام آزادی حاصل کر بھی لیتا تو اس کا قانونی اور سماجی مرتبہ تسلیم نہیں ہوتا تھا۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد اگر آقا کی تعظیم میں کبھی کمی کا شائبہ بھی ہو جاتا تو غلامی کا طوق پھر گردن میں ڈال دیا جاتا تھا۔

قانونی سختیاں

اس سے قبل بتایا جا چکا ہے کہ قانون طبقاتی تقسیم کو مستحکم کرنے کیلئے وضع کئے گئے تھے۔ ہر طبقہ کے لئے قانون علیحدہ تھا اور سزا علیحدہ مختلف طبقات کے افراد ایک ہی جرم کے مرتکب ہوتے تو ان کو مختلف سزائیں ان کے مرتبہ کے مطابق دی جاتی تھیں۔ ایران میں یہ دستور تھا کہ جس خاندان کا فرد ارتکاب جرم کرتا اس کے پورے خاندان کو قتل کر دیا جاتا۔

جبریہ محنت اور سود خواری

قرون وسطیٰ کے اقتصادی نظام پر نظر ڈالئے تو دو برائیاں خاص طور پر نظر آئیں گی۔ مزدوروں سے بغیر مزدوری ادا کئے جبراً کام لینا۔ اور سود خواری۔ مجبور اور بے بس لوگوں پر اس سلسلہ میں جو ظلم ڈھائے جاتے تھے ان کے تصور سے بھی لرزہ چڑھتا ہے۔ تفصیل کے لئے سلطنت روما کی تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

قرون وسطیٰ کے سیاسی اور سماجی حالات کے اس سرسری سے خاکے کو ذہن میں رکھئے اور پھر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبۃ الوداع پر غور فرمایئے کہ کس طرح اس جابرانہ نظام

اگر کوئی حبشی بینی بریدہ غلام بھی تمھارا امیر ہو اور تم کو خدا کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔" (صحیح مسلم)

صحیح مسلم میں ہے کہ خطبہ بہت طویل تھا۔ قال قولاً کثیراً (آپ نے بہت سی باتیں فرمائیں) جس صحابی کو جو فقرہ یاد رہ گیا۔ وہ نقل کر دیا۔ لیکن پھر بھی یہ حقیقت ہے کہ اس کا ایک ایک فقرہ قرون وسطیٰ کے سماجی اور سیاسی نظام پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں رنگ و نسل کے سارے امتیازات کو باطل کر دینے کے بعد صرف "اتقاء" کو معیار فضیلت بنا دینے کا اعلان ہے۔ سماج کی طبقاتی تقسیم کا تصور جڑ سے اکھاڑ دینے کی خوشخبری ہے۔ عورتوں اور مردوں کے باہمی حقوق و فرائض کی وضاحت ہے۔ غلاموں کے لئے نوید آزادی ہے۔

"خاندانی وراثت" کی عمارت کو متزلزل کرنے کے بعد یہ انقلابی اعلان ہے کہ "اگر کوئی حبشی بینی بریدہ غلام بھی تمھارا امیر ہو اور خدا کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت کرو"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ذرا تصور کو پھیلایئے اور دیکھئے کہ ان چند فقروں میں انسان کو کتنی لعنتوں سے نجات دلائی ہے۔ اور ان اعلانات کے ساتھ کتنی ظالمانہ رسوم کی عمارتیں گری ہیں ؛

اے علی! اگر تمھارے ذریعے سے ایک شخص کو بھی ہدایت ہو گئی تو یہ تمھارے لئے سب سے بڑی نعمت ہو گی۔

(خیبر کی مہم پر روانہ کرتے وقت حضور اکرم صلعم کی ہدایت)

یعنی اصل مطلوب دشمن کا جانی نقصان اور خونریزی نہیں ہے بلکہ فوقیت اس بات کو ہے کہ زیادہ سے زیادہ افراد کے دل و دماغ میں تبدیلی واقع ہو اور وہ نظام نو کو قبول کر لیں۔

ابوالسلام نعیم صدیقی

معراج اور نیا نظامِ تمدن

قائدِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کچھ متفرق واقعات و حوادث پر مشتمل نہیں ہے بلکہ وہ فکری اور عملی ہر لحاظ سے پوری طرح مربوط ہے۔ اس جوئے کوثر کا ہر قطرہ آگے والوں اور پیچھے والوں سے جڑا ہوا ہے۔ ہر واقعہ پورے سلسلۂ واقعات کی ایک اہم کڑی ہے ہر شے میں معنویت ہے۔ تمام اجزا کو ایک ہی غایت اس طرح جوڑے ہوئے ہے کہ جیسے کسی کتاب کے اوراق کو شیرازہ یکجا کر دیتا ہے۔ ایک ہی حقیقت ہے جس کا نور پوری سیرت کی فضاؤں میں پھیلا ہوا ہے۔ سارے احوال ایک ہی نصب العین کے محور پر گھومتے دکھائی دیتے ہیں۔

واقعہ معراج کو بالعموم اس طرح دیکھا اور دکھایا گیا ہے جیسے کہ حضورؐ کی دن رات کی سرگرمیوں اور جانفشانیوں سے الگ کوئی واقعہ تھا مگر قرآن اور سیرت کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضورؐ کی جدوجہد کے مراحل میں اپنے خاص مقام پر نصب ہے اور اس مقام پر اس کی ایک خاص معنویت ہے۔ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ واقعہ معراج حضورؐ کی تحریک کے دو دوروں کے درمیان واقع ہے ــــ ایک صبر اور مظلومی کا دور، دوسرا غلبہ و اقتدار کا دور، یہ واقعات ایسے ہیں جیسے اندھیاری فضاؤں میں یکایک پو پھٹے اور چند پیش رو کرنیں اشارہ دیں کہ صبح آ رہی ہے!

ایک سوال:۔ جب کبھی معراج کا ذکر آتا ہے تو ایک سوال ذہنوں میں گونجنے لگتا ہے

معراج حالت بیداری میں ہوا کہ عالم خواب میں؟ یہ تجربہ جسم کے ساتھ پیش آیا یا محض ایک روحانی سیر تھی؟ یہ سوال جب فضا میں موجود ہے تو اس کا سامنا کرنا ضروری ہے۔

یہ سوال ایک واقعۂ معراج ہی سے متعلق نہیں پیدا ہوتا بلکہ گزشتہ ایک یا ڈیڑھ صدی سے دین کے بہت سے اعتقادی حقائق ایسے ہی سوالات کا ہدف بنتے رہے ہیں۔ ایسے سوالات دراصل ایک بڑی ذہنی الجھن کا پتہ دیتے ہیں۔ ہمارے اندر شعوری اور غیر شعوری دونوں ہی طریقوں سے نظریۂ مادیت سرایت کرتا رہا ہے۔ جو ہمارے نصاب تعلیم، وقت کے علوم و فنون اور دنیا بھر کے لٹریچر میں بطور ایک فکری روح کے کارفرما ہے۔ نیز اس کے بل پر ایک پُرشوکت تہذیب قائم ہے اور دنیا بھر میں اپنا ڈنکا بجا رہی ہے نظریۂ مادیت کے زیر اثر ہمارے اندر یہ محدود طرز فکر نشو و نما پا گیا ہے کہ حسّی موجودات کے دائرہ سے باہر کوئی حقیقت موجود نہیں ہے۔ سائنس کے معلوم کردہ طبعی قوانین سے بالاتر کوئی اور سچائی نہیں ہو سکتی۔ قابل تسلیم حقائق صرف وہی ہیں جو مادی کائنات کے مروجہ میکانکی تصور کی کسوٹی پر پورے اتریں ہم جب ان محدود پیمانوں سے دین کے اساسی معتقدات کو ناپنے چلتے ہیں تو ہمیں سخت الجھن پیش آتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر ان معیارات کو آخری حقیقت قرار دے کر سوچا جائے تو پھر واقعہ معراج تو کیا، دین کی ہر بات سر کو چکرا دینے والی ہے۔

سب سے بڑھ کر پیچیدگی تو خود تصور خدا میں دکھائی دے گی۔ آخر کس طرح یہ انسانی دماغ کسی ایسے وجود کا تصور کر سکتا ہے جس کا کوئی خاص محل وقوع نہ ہو اور پھر وہ ہر جگہ موجود ہو، نہ اس کی ابتدا ہو نہ انتہا، نہ اس کا حجم ہو نہ رقبہ اور نہ وزن، اس کا کوئی رنگ نہ ہو۔ وہ بغیر کانوں کے سنے۔ بغیر آنکھوں کے دیکھے اور بغیر آلات نطق کے کلام کرے۔ ہنگامۂ وجود کی اس مرکزی حقیقت کا تصور عقل انسانی کی طرف سے بہت ہی وسیع اور عظیم ہے۔ خدا سے بڑا عجوبہ کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس تصور کو قبول کیجیے تو اس کے سامنے تمام مادی معیارات چکنا چور ہو جاتے ہیں۔ تجربی علوم کا فراہم کردہ کوئی پیمانہ یہاں کام نہیں دیتا، پھر زندگی بعد الموت حشر و نشر، جنت و دوزخ، وحی و رسالت، ملائکہ و شیاطین اور دوسری متعلقہ حقیقتوں کو لیجیے تو کوئی ایک حقیقت بھی ایسی نہیں جسے محدود مادی پیمانوں سے ناپا جا سکے۔

پس خوب سمجھ لیجیے کہ ہم خدا اور آخرت کے تصور پر قائم ہونے والے اسلامی نظام فکر کو

مروجہ مادی نظریہ کے ساتھ جمع نہیں کر سکتے۔ ان دونوں میں ایسی منافات ہے کہ کسی طرح باہمی سمجھوتہ ممکن نہیں۔ دونوں کو جمع کرنے سے صرف الجھنیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ ہمارے لئے راہ نجات صرف یہ ہے کہ ہم خدا پرستانہ فکر کو لیں اور مادی علوم اور معیارات کو اس کے تابع رکھیں۔ اس کے بعد ہمارے وہ سارے سوالات ختم ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے ہم بلا وجہ پریشان رہتے ہیں۔ ہمارا ذہن اگر خدا کے انتہائی تحیر زا تصور کو قبول کر سکتا ہے تو پھر حضورؐ کے جسمانی معراج کا تصور کرنا بھی بالکل آسان ہو جاتا ہے اور دوسرے بہت سارے حقائق کی بے جا تاویلوں کی ضرورت بھی نہیں رہتی اور اگر مروجہ محدود مادی معیارات کو ہم تمام حقائق کا پیمانہ بنا کر قبول کر لیں تو پھر سرے سے خدا کا دینی تصور جذب کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں رہتا۔ کجا کہ ہم واقعہ "اسراء" کو موضوع بحث بنائیں۔

کائنات کے میکانکی تصور کے تحت ہمارے بعض عناصر نے سنت اللہ کا ایک من گھڑت مفہوم اختیار کر لیا ہے۔ ان کے خیال میں واقعات و حوادث کا ہر قافلہ ایک لگے بندھے راستہ پر بڑھتا ہے جسے مادی علل و اسباب پہلے سے متعین کر دیتے ہیں حالانکہ اس وقت کائنات کی میکانکی توجیہہ کا نظریہ بھی متزلزل ہو چکا ہے۔ دراصل سنت اللہ یا قوانین قدرت کا دائرہ ہمارے محدود و تجربی علم سے زیادہ وسیع ہے۔ کل تک جس طرح ہم سنت اللہ کو سمجھتے تھے اس کے مطابق کسی جاندار کا زمین کی کشش کا قفس توڑ کر فضا میں غوطہ لگانا قطعاً ناممکن تھا۔ لیکن آج مصنوعی سیاروں کے دور میں داخل ہو کر سنت اللہ کا تصور وسیع ہو گیا ہے۔ علاوہ ازیں خداوند تعالیٰ چند قوانین بنا کر بے بس نہیں ہو گیا۔ بلکہ قرآن کی رو سے جہاں اس نے کائنات کے دستور اساسی میں اپنے نظام کو پابند قانون نظام بنایا ہے وہاں اپنے لئے بالاتر اختیارات بھی رکھے اور ان کو وہ حسب منشاء استعمال بھی کرتا ہے۔ خدا کا اپنے بالاتر اختیارات کو استعمال کرنا بھی سنت الٰہی میں داخل ہے۔ اس حقیقت کو سمجھ لینے سے تمام معجزات کو سمجھنے کی کلید مل جاتی ہے۔

قرآن کا بیان۔ آیئے اب دیکھیں کہ خود قرآن کی شہادت کیا ہے؟ قرآن واقعۂ اسریٰ کو "سبحٰن الذی" کا کلمۂ تسبیح و تنزیہہ تمہید میں رکھ کر بیان کرتا ہے قدرت کے جب خاص مظاہر کو بیان کیا جاتا ہے۔ عظیم اور وسیع حقیقتیں جب سامنے لائی جاتی ہیں۔ حیرت میں ڈالنے والے واقعات کا جب تذکرہ ہوتا ہے تو اس تمہید کا منشا یہ ہوتا ہے

کہ خدا ایسے نقائص اور کمزوریوں سے پاک ہے جو اس کرشمہ یا واقعہ یا تجربہ کے ردعمل لانے میں مانع ہوں۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر حضورؐ کو محض ایک خواب دکھایا گیا ہوتا تو اس شان تنزیہہ کو نمایاں کرنے کا موقع کیا تھا؟

آگے بڑھئے تو واقعہ کو "اسریٰ بعبدہٖ" کے الفاظ سے بیان کیا۔ "اسریٰ اسراءً" کے صاف صاف لغوی معنی ہیں "سریٰ لیلاً" یعنی رات کو سفر کیا۔ رات کو چلا۔ اس کو جب "ب" لگا کر متعدی بناتے ہیں تو "اسریٰ بہ" کے معنی ہوتے ہیں۔" وہ اسے رات کو سفر میں ساتھ لے گیا" یا "اس نے راتوں رات اس کو سفر کرایا" جیسے کہ حضرت لوط سے فرمایا گیا۔

"اسر باھلک بقطع من اللیل" اور حضرت موسیٰ کو حکم دیا گیا۔ "ان اسر بعبادی انکم متبعون"۔ بعض لوگوں نے آگے کی ایک آیت کی مدد سے اسریٰ کو خواب قرار دیا ہے۔ وہ ہے۔ "وما جعلنا الرءیا التی ارینٰک الا فتنۃ للناس" (بنی اسرائیل-۶۰) اور نہیں بتایا ہم نے اس مشاہدہ کو جو ہم نے تمھیں کرایا۔ مگر لوگوں کے لئے امتحان.....!
یہاں چونکہ لفظ رؤیا، اسرا کے بدل کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ حالانکہ خواب کی صورت میں لوگوں کے لئے کوئی بڑی وجہ امتحان باقی نہیں رہتی۔ امتحان کا پہلو تو وہی ہے جو آج بھی بعض لوگوں کو غلجان میں ڈالتا ہے۔ پھر جبکہ لفظ رؤیا کا استعمال حالت بیداری کے مشاہدہ کے لئے بھی موجود ہے تو اسرا کو رؤیا قرار دینے کے بجائے کیوں نہ رؤیا کو اسریٰ قرار دیا جائے۔ اسی لئے ہم نے رؤیا کا ترجمہ مشاہدہ سے کیا ہے۔ اسی کے ساتھ لفظ "عبد" قابل غور ہے۔ شبانہ سفر میں بندے کو بہ حیثیت مجموعی لے جایا گیا ہے۔ نہ کہ بندے کی روح یا اس کے خیال اور تصور کو ــــ!

پھر مسجد اقصیٰ جو معراج کی منزل اوّل ہے اس کے بارے میں یہ فرمایا کہ بارکنا حولہٗ یعنی ہم نے اس کے گرد و پیش کو، اس کی فضاؤں کو برکات سے مالا مال کیا ہے، اور یہ کہ مقصد سفر بیان کیا کہ "لنریہ من آیاتنا" ہم نے اسے اپنی آیات دکھائیں۔ ایک بابرکت ماحول کا ذکر کر کے آیات دکھانے کے لئے اس تک حضور کا لے جانا حالت خواب کی بات نہیں ہے

واقعاتی شہادت

قرآن کوئی ایسی کتاب تو نہیں ہے کہ جو ہڑپہ ٹیکسیلا یا زوب جیسے کسی قدیمی مقام کی کھدائی میں برآمد ہوئی ہو اور اب ہم اس کے مندرجات کی گرہ کشائی کرنے بیٹھیں۔ اس کتاب نے تو اپنے ہر ہر لفظ کے معانی کو

عالم واقعات میں جلوہ گر کیا ہے۔ اس کے ایک ایک نقطہ نے تاریخ پر اپنا نقش ثبت کیا ہے۔ پھر کیوں نہ ہم واقعات کے عملی لغت میں لفظ اسراء کا مفہوم تلاش کریں۔

ہمارے سامنے کم سے کم دو ہم ایسے قابلِ اعتنا گواہ واقعہ معراج بیان کرتے ہیں جو حضورؐ کے مشن میں رفاقت کا اعزاز رکھتے ہیں۔ ان میں سے مجوزین کے سب کے سب حالتِ بیداری میں جسم کے ساتھ معراج ہونے کے قائل ہیں۔ اختلاف کرنے والوں میں زیادہ اہمیت حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہ کو حاصل ہے مگر قطع نظر روایت کے اسنادی ضعف کے۔ حضرت معاویہ بہت بعد میں ایمان لائے۔ اور حضرت عائشہؓ واقعہ کے وقت کم عمر بچی تھیں اور کئی سال بعد حرم نبوی میں آئیں۔ لیکن ان کے الفاظ "حضورؐ کا جسم اپنی جگہ سے غائب نہیں ہوا تھا"۔ ایسے ہی جیسے کہ وہ ام ہانیؓ کے گھر میں عینی شاہد کی حیثیت سے موجود ہوں۔ ان کے بالمقابل وہ تمام صحابی جن کے سامنے سب سے پہلے حضورؐ نے واقعہ بیان کیا تھا حالتِ بیداری میں جسمانی معراج کے قائل ہیں۔

پھر یہ دیکھئے کہ صبح حرم کو جانے سے پہلے جب حضورؐ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہیں تو ام ہانیؓ دامن کا گوشہ تھام کر لجاجت سے کہتی ہیں کہ آپ یہ قصہ لوگوں سے بیان نہ کریں۔ وہ آپ کو جھٹلائیں گے اور دکھ دیں گے۔ مگر حضورؐ کہتے ہیں کہ میں یہ ضرور بیان کروں گا۔

حرم کے قریب ابوجہل ملتا ہے اور تمسخر سے کہتا ہے "ھل من خبر؟" ہے کوئی نئی بات؟ فرماتے ہیں "نعم!" اور پھر بیان کرتے ہیں کہ آج راتوں رات مجھے بیت المقدس کی سیر کرائی گئی ہے۔ ابوجہل بغلیں بجاتا ہوا قریش کو اکٹھا کر لاتا ہے کہ اب تو سب لوگوں پر کھل جائے گا کہ کتنی بے سروپا باتیں کی جا رہی ہیں۔ حضورؐ حطیم کے مقام پر کھڑے ہو کر قریش کے سامنے پوری اخلاقی جرأت کے ساتھ اپنا سفرنامہ بیان کرتے ہیں۔ ثبوت کے لئے بیت المقدس کا نقشہ بتاتے ہیں۔ راستے میں سامنے آنے والے قافلوں کی نشانیاں گنواتے ہیں (جو بعد میں صحیح نکلتی ہیں) اس قصہ کو سن کر بعض مسلمان مرتد اور برگشتہ ہو جاتے ہیں (وما جعلنا الا فتنة للناس) اہل قریش ہنگامہ اٹھاتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ تک پہونچتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ تمہارے ساتھی نے تو آج یہ شگوفہ چھوڑا ہے۔ اور حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں "ان کان قال فقد صدق" اگر حضورؐ نے ایسا فرمایا ہے تو بالکل سچ ہے۔ بلکہ یہ بھی کہا کہ میں تو زمین و آسمان کی اس سے عجیب تر باتیں آپؐ سے سنتا ہوں اور ان پر یقین کرتا ہوں کہ وہ حق ہیں۔

حضرت ابوبکر رضؓ حضورؐ کی خدمت میں آکر سارا حال سنتے ہیں۔ اور بیت المقدس کے نقشہ کے بارے میں (جسے وہ دیکھ چکے تھے) سوالات کرکے تصدیق کرتے ہیں۔ اسی موقعہ پر حضورؐ نے آپ کو صدیق کا لقب دیا۔

ام ہانی رضؓ کا روکنا۔ ابوجہل کا بغلیں بجانا اور قریش کو جمع کرانا۔ قریش کا بیت المقدس اور راستہ کے متعلق شواہد طلب کرنا اور حضورؐ کی طرف سے جوابات دیئے جانا۔ کچھ لوگوں کا مرتد ہوجانا۔ حضرت ابوبکر رضؓ کا عام فضا سے بلند تر ہوکر تصدیق کا مقام حاصل کرنا۔ واقعات کی یہ ساری ترتیب خواب کی صورت میں بن ہی نہیں سکتی۔ خواب میں کسی مبارک مقام، جنت، دوزخ کو دیکھنے اور خود باری تعالیٰ کی تجلی سے بہرہ مند ہونے کے واقعات تو غیر انبیاء کو بھی پیش آتے ہیں۔ اتنا بڑا مدوجزر مکہ کی فضا میں کسی ایسے نادر واقعہ ہی سے نمودار ہوسکتا تھا۔ جو عقل پرستوں کے سر چکرا دے۔

معراج کا پس منظر اب ہم معراج کی معنویت کا سراغ لگانے کے لئے اس پس منظر کو دیکھتے ہیں جو عالم واقعہ میں موجود تھا۔

حضورؐ ایک ایسے ماحول میں نمودار ہوئے تھے جس میں انسانیت زندگی کی اساسی حقیقت کو گم کرچکی تھی۔ اور آدمی اپنی ادنیٰ ترین خواہشات کی غلامی میں گھر گیا تھا۔ معاشی مفاد اور جسمانی لذت سے بڑھ کر اور کوئی نصب العین باقی نہ تھا۔ خواہش پرستی کی دوڑ میں جو لوگ آگے نکل گئے تھے وہ خدا بن بیٹھے تھے اور پیچھے رہ جانے والوں کو انھوں نے اپنی عبادت میں لگالیا تھا۔ روم و ایران کے تمدنی ٹھاٹھ ہوں یا عربوں کی قبائلی بدویت ۔۔ انسانیت ہر جگہ دیوتاؤں اور پجاریوں کے دو دھڑوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ایسے عالم میں حضورؐ توحید کا انقلابی پیغام سناکر تمام جھوٹی خدائیوں کو توڑنے اٹھتے ہیں۔ آپ خواہش پرست انسان کی پوری ساخت بدلنا چاہتے ہیں اور اس کے اندر سے ایک نئے انسان کو ظہور دینا چاہتے ہیں۔ محض وعظ نہیں کہتے۔ بلکہ تبدیلی قبول کرنے والوں کو منظم کرکے ماحول کا قفس توڑ دینے کے لئے مہم شروع کرتے ہیں۔ جواب میں ماحول کے پاسبان حرکت میں آتے ہیں۔ دلائل، طنز، استہزا، غنڈہ گردی اور تشدد کے سارے حربے استعمال کرتے ہیں۔

اس طویل صبر آزما جدوجہد کا سخت ترین دور وہ ہے جس کے پہلے مرحلہ میں ہجرت حبشہ واقع ہوئی اور حضورؐ اور حضورؐ کے خاندان والوں اور حمایتوں کو تین سال تک شعب ابوطالب

میں نظر بند رکھا گیا۔

دوسرا مرحلہ اس نظر بندی کے خاتمہ کے جلد ہی بعد شروع ہو جاتا ہے۔ نبوت کے دسویں سال سے پہلے جناب ابو طالب وفات پا جاتے ہیں اور پھر حضرت خدیجہ رضؓ الوداع کہتی ہیں حضرت خدیجہؓ دل سے، جان سے، مال سے آپ کی حمایت میں تھیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ کانت لہ وزیرا ۔ؑ اور جناب ابو طالب کا ایک اکیلا دم تھا کہ جنھوں نے قریش کے ہر دباؤ کا مقابلہ کر کے بھتیجے کے سر پر دست شفقت قائم رکھا۔ ان کی وفات سے ایک بڑی ڈھال سامنے سے ہٹ گئی۔ انہی واقعات کی وجہ سے حضورؐ نے اس سال کو عام الحزن یا سال اندوہ قرار دیا

اب حال یہ تھا کہ گلی گلی میں حضورؐ کو دیوانہ، شاعر، کاہن اور جادوگر کہہ کہہ کر پکارا جانے لگا۔ کانٹے بچھانے اور گھر کے سامنے کوڑا پھینکنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ نماز پڑھنے کے وقت مخالفین کا شور مچانا ایک معمول ہو گیا۔ شہر کے شریر لڑکے غول بنا کر پیچھے ہو جاتے اور تالیاں بجا بجا کر دق کرتے، نماز میں آپ کے اوپر کبھی اوجھڑی فرقِ مبارک پر مٹی ڈال دی جاتی قرآن اور قرآن نازل کرنے والے کو گالیاں دی جاتیں۔ گلے میں چادر لپیٹ کر گلا گھونٹا جاتا۔ عکاظ کے ثقافتی مجمع میں آپؐ قبائل تک پیغام حق پہنچانے گئے تو ابولہب ساتھ ساتھ چلتا اور پکارا جاتا کہ "یہ شخص آبائی دین سے پھر گیا ہے اور جھوٹ کہتا ہے" ذوالحلیفہ کے میلے میں دعوت دینے نکلے تو ابوجہل جلو میں ہو لیا اور آپ پر مٹی پھینک پھینک کر کہتا کہ " لوگو! اس کے فریب میں نہ آئیو۔ یہ لات و عزیٰ کی پرستش چھڑوانا چاہتا ہے" اسی زمانہ میں ایک وہ دن بھی آیا جبکہ قریش کے طے کردہ منصوبہ کے تحت جدھر آپؐ نکلے، لوگ ادھر ادھر سٹک جاتے اور سارا دن آپؐ کو کوئی ایک شخص بھی بات کرنے کو نہ ملا۔ گویا مکہ نے حضورؐ کو بتا دیا کہ وہ جو زر خالص موجود تھا وہ باہر آچکا اس تجربہ سے آپ کو بہت ہی رنج پہنچا۔ یہیں سے خیال آیا کہ اب طائف میں کام کا آغاز کیا جائے شاید وہاں سے کچھ قوت بہم پہنچے۔ وہاں پہنچے تو سرداران طائف نے بالکل بازاری مذاق میں بات اڑا دی۔ اسی پر بس نہیں کیا۔ غلاموں، غنڈوں اور لونڈوں کو حضورؐ کے پیچھے لگا دیا۔ اس غول نے بری طرح شور مچا مچا کر اور تالیاں پیٹ پیٹ کر پتھر برسائے آپ لہو لہان ہو کر طائف سے نکلے۔ یہی وہ موقع ہے جبکہ حضورؐ نے وہ مشہور سوز بھری دعا فرمائی تھی جس کا ابتدائی جملہ ہے :۔ اللھم اشکو الیك ضعف قوتی و قلۃ حیلتی و ھوانی علی الناس۔ (اے میرے اللہ! میں اپنی کمزوری، اپنی تدبیر کی کوتاہی اور لوگوں کے مقابلہ میں

بے بسی کی فریاد تجھی سے کرتا ہوں)

اور یہی وہ موقع ہے جبکہ جنوں کی ایک جماعت نے ایمان قبول کیا اور قدرت نے یہ اشارہ کر دیا کہ اگر انسان اپنے آپ کو دعوت حق سے محروم کریں گے تو اللہ کی اور مخلوق بہت ہے۔ پھر یہی وہ موقع ہے جبکہ جبرئیل حضور کو اطلاع دیتے ہیں کہ پہاڑوں کا انچارج فرشتہ حکم کا منتظر کھڑا ہے، آپؐ اشارہ کر دیں تو وہ ان دو پہاڑوں کو باہم ملا کر مکہ اور طائف کو پیس ڈالے جن کے درمیان دونوں بستیاں واقع ہیں۔ مگر حضورؐ نے فرمایا کہ نہیں ممکن ہے کہ آئندہ نسلیں خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت گزار ہوں۔"

طائف کا واقعہ بڑا دل ہلا دینے والا واقعہ ہے ایک بار حضرت عائشہ رضؓ نے حضورؐ سے باتوں باتوں میں پوچھا کہ کیا کوئی احد سے بھی زیادہ سخت کوئی دن آپؐ پر گزرا ہے۔ فرمایا "تیری قوم کی طرف سے اور جو تکلیفیں بھی پہنچیں سو پہنچیں۔ مگر سب سے زیادہ سخت دن وہ تھا جبکہ میں نے عبد یالیل کے بیٹے کے سامنے پہنچ کر دعوت پیش کی اور اس نے میری بات کو رد کیا۔ وہاں سے رنجیدہ و ملول واپس آیا اور مقام قرن الثعالب پر پہنچ کر طبیعت سنبھلی۔"!

صاف نمایاں ہوتا ہے کہ دعوت حق کی کٹھنائیوں کا یہ وہ آخری نقطہ ہے۔ جسے چھو لینے کے بعد تاریخ کا دھارا رخ بدل لیتا ہے۔ مخالف طاقت جس زیادہ حد تک حضورؐ کو ظاہری طور پر نیچے گرا سکتی تھی۔ وہ یہی تھی اور اس کا منطقی رد عمل قوانین الٰہی کے تحت یہی ہونا چاہیے تھا کہ حضورؐ کا رتبہ انتہائی حد تک بلند کر دیا جائے۔ پردوں کے پیچھے کام کرتی ہوئی ایک حکومت کا ورکر کئی برس سے معرکہ آرا تھا اور نہ جانے اس نے کتنے زخم اٹھائے تھے۔ اسے اگر وہ حکومت اپنے دربار میں باریابی دے کر اس کے اعزاز بڑھائے تو امر بالکل متوارد ہے۔ جس حقیقت پنہاں کی خاطر دل و جان کے سارے خزانے حضورؐ نے نچھاور کر دیئے تھے۔ حق پہنچتا ہے کہ حضورؐ اس حقیقت پنہاں کا قریب سے مشاہدہ کریں۔ جس تحریک کو حضور چلاتے چلاتے فیصلہ کن مرحلہ تک لے آئے تھے۔ نہایت انسب تھا کہ نازک ترین مرحلہ میں اس کے سابق قائدین آپؐ سے اور آپؐ ان سے ملاقی ہوں۔

معرکہ حق و باطل کا فیصلہ

معراج صبر کی جزا بھی ہے، معراج ہمت افزائی کا موجب بھی ہے۔ اور معراج دورِ نو کی بشارت بھی ہے۔ اگر ہم سورۃ النجم کی فاوحیٰ علیہ ما اوحیٰ کی روشنی میں سورۃ بنی اسرائیل کا گہرا مطالعہ کریں تو

Void

اس دعا میں نبی ہجرت کی اطلاع دینے کے ساتھ ساتھ دورِ اقتدار کا واضح مژدہ شامل ہے۔ مزید فرمایا کہ ہم تمہیں "مقامِ محمود" سے نواز رہے ہیں (آیت ۷۹) جو آخرت میں اپنی کامل عظمت کے ساتھ سامنے آئے گا۔ مگر دنیا میں بھی اس کی یہ برکت دیکھو گے، کہ گالیاں دینے والے تک ستائش کریں گے۔

۳۔ انسانی قوتوں کی بے بسی اور الٰہی مشیت کی بالاتری اور اپنے توہین کی نتیجہ خیزی کی وضاحت کے لئے بنی اسرائیل کی عبرتناک داستان سامنے رکھی اور تاریخ سے بشارت دی کہ کس طرح ہمارے فیصلے نافذ ہوتے رہے ٹھیک اسی طرح اب بھی خدا کے فیصلے نافذ ہوتے رہیں گے۔ حریفوں کی سرگرمیاں اس لئے ہیں کہ کلاً نمد هؤلاء وهؤلاء من عطاء ربك کی ڈھیل دی گئی ہے، ورنہ لوگوں کو اللہ نے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ ان ربك احاط بالناس (آیت ۶۰) اس کشمکش کا فیصلہ اس قانون کے مطابق ہوتا ہے۔ جو تمام انبیاء کے لئے یکساں طور پر کام کرتا رہا ہے اور اس میں کبھی تبدیلی نہیں آتی۔ (آیت ۷۷)

نظامِ نو کے رہنما اصول

یہی معراج کی بلندیاں ہیں کہ جن پر پہنچکر حضورؐ نے اللہ تعالیٰ سے ان رہنما اصولوں کا تحفہ حاصل کیا جن کی بنیاد پر نیا نظامِ تمدن استوار کیا جانے والا تھا۔ یہ رہنما اصول آیت ۲۳ تا ۳۷ میں بیان ہوئے ہیں۔ ہم ان کو اجمالاً گنوائے دیتے ہیں۔ (۱) خدائے واحد کی عبادت و طاعت (۲) والدین سے حسن سلوک (۳) قرابت داروں، حاجتمندوں اور مسافروں کی معرفت (بطور حق) (۴) اسراف۔ تبذیر۔ پرہیز (۵) معاشی لحاظ سے اعتدال کی روش (۶) رزق کی کمی کے اندیشے سے اولاد کے قتل کی ممانعت (۷) زنا کا قطعی انسداد (۸) قانونِ حق کے بغیر قتل کی ممانعت (۹) مقتول کے اولیا کے لئے قصاص مانگنے کا حق (۱۰) مال یتیم کی حفاظت، (۱۱) پابندیٔ عہد و پیمان (۱۲) ناپ تول کی درستی (۱۳) زندگی کو واضح علم کی بنیادوں پر قائم رکھنا (۱۴) روشِ کبر سے پرہیز۔

جس قسم کے حالات میں حضورؐ نے نئے نظام کے ان اصولوں کو بیان فرمایا ان میں ہوتے ہوئے کوئی اور شخص یہ تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا کہ لیل و نہار کی چند ہی گردشوں کے بعد ان اصولوں پر عملاً ایک نظام قائم ہونے اور چلنے والا ہے۔ حضورؐ ان کو جس قطعی یقین کے ساتھ دنیا کے سامنے رکھ رہے تھے اس میں بھی معراج کی روح کار فرما دکھائی دیتی ہے۔ بولنے والا وہ

ہے جو پس پردہ کی غالب ترین حقیقتوں کا رمز داں ہے۔

اور مستقبل کے اس تمدن کی جان نماز پنجگانہ قرار پائی، وحی کے الفاظ میں دیکھیں تو اقم الصلوٰۃ (آیت ۷۸) کا واضح حکم سامنے آتا ہے۔ یہی وہ حکم ہے جس کا ذکر حضورؐ نے سفرنامہ معراج میں فرمایا ہے۔ نماز پنجگانہ کا تحفہ اسی موقع پر دیا گیا تھا۔ بعض لوگوں کو اشکال محسوس ہوتا ہے کہ نماز تو پہلے بھی پڑھی جاتی تھی اور اس سے قبل کی سورتوں میں بھی اس کا ذکر موجود ہے پھر معراج کے موقع پر اس کی فرضیت کیا معنی؟ حالانکہ دونوں صورتوں میں وجہ منطق یوں پیدا ہوتی ہے کہ نماز اگرچہ حضورؐ پہلے بھی ادا فرماتے تھے اور اپنے پیروؤں کو بھی سکھاتے تھے۔ لیکن نماز پنجگانہ کا باقاعدہ نظام بعد کے اس مرحلے میں نافذ ہوا۔ معراج سے متعلق احادیث میں فرضیت نماز پنجگانہ کا واقعہ یوں مذکور ہے کہ پچاس نمازوں کا حکم ہوا اور حضور نے قبول کر لیا موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے مشورہ دیا کہ مجھے بنی اسرائیل کی قیادت کا جو تجربہ ہے اس کی بنا پر مناسب یہ ہے کہ آپ کمی کی درخواست کریں، چار پانچ بار ایسا ہی ہوتا گیا یہاں تک کہ نمازیں پانچ رہ گئیں۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مشورہ یہی تھا کہ اور کمی کرا لیجئے۔ مگر حضورؐ نے فرمایا کہ اب مجھے مزید گذارش کرتے ہوئے اپنے رب سے شرم آتی ہے۔ لوگ اس صورتِ واقعہ کی وجہ سے کچھ الجھتے ہیں۔ حالانکہ احکام نافذ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ ایک خاص ذہنی ماحول پیدا کرتا ہے جو اپنا خاص مدعا رکھتا ہے۔ ۵۰ نمازوں کا حکم دینے میں اشارہ یہ ہے کہ بندوں پر رب کی عنایات اتنی ہیں کہ کم سے کم درجے میں حق یہ ہے کہ وہ ایک ایک دن میں پچاس مرتبہ اس کے سامنے عاجزی کرتے کھڑے ہوں۔ بیچ میں حضور کے درخواست کرنے اور درخواستوں کے منظور ہونے سے حضورؐ کی مقبولیت عیاں ہوتی ہے" آخر میں حضورؐ کا یہ فرمان کہ اب مجھے شرم آتی ہے۔ دراصل یہ تاثیر دلاتا ہے کہ خدا کا بندہ جو اس کی بے بہا نعمتوں سے استفادہ کر کے نماز پنجگانہ بھی ادا نہیں کر سکتا۔ اسے اپنی روش پر شرمسار ہونا چاہیے۔ خدا کے نوشتہ میں پانچ ہی نمازوں کا فرض ہونا مقدر تھا مگر اس کے القا کے لئے ایک مؤثر ذہنی فضا پیدا کی گئی۔ یہ اس کا خاص فضل ہے کہ پانچ نمازوں کی قدر و قیمت پچاس ہی نمازوں کے برابر رکھی۔

اس موقع پر حضورؐ کے ہاتھوں قائم ہونے والے نظامِ نو کی شان ایک استعارے میں نمایاں کی گئی۔ روایات میں ہے کہ حضور کے سامنے بیت المقدس میں بھی اور آسمانوں پر بھی

(باقی ص ۱۸۹ پر)

روزنامہ دعوت دہلی کی خصوصی پیشکش

از جمیلہ عزیز دہلوی

الوداع اے جان دو جہاں
صلی اللہ علیہ وسلم

تیری تقدیس آگیں نگاہوں کی قسم!
تجھے کھو کر زندگی نے زندگی کھو دی، حیات کی آنکھوں سے کسی نے نور چھین لیا۔ کائنات کا سارا حسن لٹ گیا۔ دہر کی تابانیاں اندھیریوں میں تبدیل ہو گئیں۔

اے نغمہ نوازانِ زندگی سنو! کہ آج سارے نغموں کی روح موت کے آغوش میں گم ہو کر رہ گئی ہے۔ سارے سامانِ طرب بے سرہو گئے ہیں، "زندوں" کی بزم درہم برہم ہو گئی ہے بہاروں نے خزاں کا لباس پہن لیا ہے، کلیوں نے پژمردگی کا لبادہ اوڑھ لیا ہے۔ بلبل کی نوا موت کا پیغام دینے لگی ہے۔

لو! وہ خواب ٹوٹ بھی گئے، جو کسی کی تنویروں سے جگمگا رہے تھے۔ بات دولت کی تھی، نہ حکومت کی، صرف چند خوابوں کی تھی، سو وہ بھی ٹوٹ گئے۔ "خوابوں" کی ان تنویروں میں کتنا پریم تھا، کتنا خلوص تھا۔ کتنا پیار تھا، کہ جہاں ہر لمحہ پیار کی دھارا بہتی تھی دل سے دل محبت تقسیم ہوتی تھی، اب کبھی پیار کی دھارا نہیں بہے گی، خلوص و محبت کا چشمہ نہیں پھوٹے گا۔ اس لیے کہ خواب ٹوٹ گئے، ہاں وہ خواب جو حقیقتوں کو پیچھے چھوڑ گئے تھے

روز نامہ دعوت کی خصوصی پیش کش

وہ خواب جو "اہل بزم" کے لئے زندگی تھے، وہ خواب جو اہل محفل کا سرمایۂ حیات تھے، اور جب وہ خواب ٹوٹے تو ساتھ ہی دلوں کے ساز بھی ٹوٹ گئے، خواب بکھر گئے، حیات بکھر گئی، خوابوں پر، چند خوابوں پر زندگی کا مدار تھا۔ خواب نہ رہے زندگی نہ رہی اور جب وہ خواب ٹوٹے!

تو ان کی "زندگی" چھن چکی تھی۔ لیکن ان کی آنکھوں میں آنسو نہ تھے۔ گریہ وزاری نہ تھی۔ نالہ و شیون نہ تھا، بلکہ ایک غم تھا، انتہاء غم! جو دلوں کو برما دیتا ہے جو سکون اندر صد طوفان ہوتا ہے، ایک کرب تھا جو دل کے نہاں خانوں میں موت بکھیر دیتا ہے۔ ایک درد تھا، ایسا درد جو دل کی ساری توانائی کو کھینچ لاتا ہے، اور تب! آنسو نہیں نکلا کرتے لہو رویا جاتا ہے لیکن اگر لہو بھی خشک ہو جائے، جگر جل کر خاک ہو جائے تو پھر ایک سکوت — موت آمیز سکوت ہوتا ہے، ایک دیوانگی ہوتی ہے۔ ایک کرب ہوتی ہے، ایک سوز ہوتا ہے۔ لو وہ ایک دیوانہ پکار ہی اٹھا "کون ہے جو میرے محبوب کو مردہ سمجھتا ہے گردن اڑا دوں گا"۔

لیکن شکستہ خواب کب جڑے ہیں جو اب جڑتے۔ چاند کا حسن چرایا جا سکتا ہے، کلیوں کا تبسم واپس آسکتا ہے، خزاں بہار کا رنگ دکھا سکتی ہے، لیکن خواب، محبت اور پیار سے تعمیر کئے ہوئے خواب، جب ٹوٹ جاتے ہیں، جڑ نہیں سکتے۔ شیشۂ دل کی بات ہی ایسی ہے۔ خوابوں کا طلسم ہی اتنا نازک ہے۔ یہ دنیا ایک خواب ہے، ہماری زندگی ایک خواب ہے خواب ٹوٹ جانے کے لئے ہوتے ہیں، وہ ٹوٹ جایا کرتے ہیں، صرف چند تلخ یادیں رہ جایا کرتی ہیں، یادیں، شیریں و تلخ یادیں، محبت و خلوص کی یادیں، کب لوٹ آیا کرتی ہیں۔ وہ سینہ میں کسک بن جاتی ہیں، کسے معلوم تھا کہ یہ "میر کارواں" منزل پر دم لئے بغیر آگے بڑھ جائے گا کون جانتا تھا کہ منزل بھی آگے کے لئے ایک منزل راہ ثابت ہوگی، کتنا طویل سفر کیا تھا اس نے! اس کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے تھے۔ اس کا حلق سوکھ گیا تھا۔ اس کی جبین عرق آلود ہو گئی تھی — لیکن جب منزل کا روشن منا نظروں کے سامنے آیا تو ہمسفروں نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں ذرا بھی سرخوشی کی چمک نہ تھی، اس کی پیشانی پر راحت طلبی کی ایک بھی علامت نہ تھی، کتنا بے لوث کتنا بے غرض مسافر تھا وہ بھی! اس نے اپنے لئے کچھ بھی تو نہ چاہا، کچھ بھی تو نہیں! زندگی بھر وہ آلام و مصائب سے پر زندگی بسر کرتا رہا، اپنا تن من دھن سب کچھ اس نے اس راہ کی نذر کر دیا، مہینوں اس کے گھر میں آگ نہ جلتی۔ زندگی کیا تھی، ایک کٹھن اور ناقابل عبور وادی — جس سے گذرنے

پروانوں کو پسینہ آجائے۔ لیکن وہ اس وادی سے سبک گام گزر گیا، اس کی پیشانی پر ایک بھی تو بل نہ آیا۔

..... اور ایک دن اچانک کائنات کی نبض رک سی گئی ہو، چونکہ مزاجِ عالم ناساز ہو گیا تھا۔ چہارشنبہ کو جب شاہِ خاور نے اپنا نقاب الٹا تو سارے عالم کو اداس پایا، زمانے کی حرکت کچھ لرزاں لرزاں تھی، فضا میں ناخوشگواری کا اثر جھلکتا تھا۔

..... جنت البقیع، جہاں موت کا سکوت حکمراں ہوتا ہے اسی روز اس کی دید گاہ تھی چونکہ موت ہمیشہ اس کے پیش نظر رہی تھی، موت کو وہ کب فراموش کر سکتا تھا۔ موت تو اسے زندگی سے پیاری تھی۔ موت تو اس کے لئے ایک ایسی ابدی زندگی کا زینہ تھی جہاں زندگی ایک نفس بے ربط یا سازِ شکستہ کا نام نہیں بلکہ وہاں تو ایک راحتِ مسلسل اور رضائے یزداں کا نام زندگی ہے۔ اس نے واپسی پر طبیعت میں گرانی محسوس کی ——— یا ایک تھکن ——— ایک بے نام سی تھکن۔ ایسی تھکن جو جہدِ مسلسل سے پیدا ہوتی ہے، یا کچھ ایسی تھکن جو کسی مسافر کو ایک طویل سفر سے منزل پر پہنچنے کے بعد محسوس ہوا کرتی ہے۔

دوسرے دن بھی تھکن، گرانی مرض بن چکی تھی، اور مرض سے بڑھ کر غشی بن گئی، پروانے نمازوں میں انتظار کیا کرتے۔ ان کی آنکھیں ترس گئی تھیں۔ ان کے کان سامعہ نوازی سے محروم تھے، ان کے لبوں پر ایک خاموش کراہ تھی۔

پھر ایک دن ——— آفتاب ڈھل چکا تھا۔ گرمی کی شدت میں کچھ کمی تھی، مرض میں کچھ افاقہ ہوا۔ تو قدم بے اختیار مسجد کی جانب اٹھ گئے۔ وہاں پروانے خدا کی بارگاہ میں جبیں ریز تھے، وہ بھی شامل ہو گیا، ——— بعد میں ——— اس نے پروانوں سے مخاطب ہو کر کہا:۔

"خدا نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا ہے اگر وہ چاہے تو دنیا کی نعمتوں کو قبول کرے یا آخرت میں خدا کے پاس جو کچھ ملے گا۔ اسے قبول کرے، لیکن اس بندے نے خدا ہی کے پاس کی نعمتیں قبول کیں"

"رازدارِ نبوت" یہ سنتے ہی رونے لگا، ان الفاظ کے پیچھے جو معنی تھے ان کو وہ کیسے نہ سمجھتا۔ اس سے بڑھ کر اور کون رازدارِ نبوت تھا۔ اپنے دمساز کی گریہ وزاری دیکھ کر وہ بے تاب ہو گیا۔ اس نے مزید کہا:۔

"سب سے زیادہ میں جس کے مال اور جس کی رفاقت کا احسان مند ہوں، وہ ابوبکرؓ ہے۔ اگر میں اپنی امت سے اس دنیا میں کسی کو اپنا دوست بنا سکتا تو ابوبکرؓ کو بناتا۔ لیکن اسلام کا تعلق دوستی کے لئے کافی ہے۔ مسجد کے رخ کھلنے والے دریچوں میں سے سوائے ابوبکرؓ کے دریچہ کے کوئی کھلا نہ چھوڑا جائے۔"

اور ہاں! تم سے قبل کی قوموں نے اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادتگاہ بنالیا ہے، دیکھنا! تم ایسا نہ کرنا، میں منع کئے جاتا ہوں، حلال وحرام کو میری جانب نہ منسوب کیا جائے، میں نے وہی چیز حلال کی ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال قرار دی ہے، اور وہی چیز حرام کی ہے جو خدا نے حرام بتلائی ہے۔"

مرض بڑھتا گیا ——— سب ہی متحیر اور پریشان تھے، سب ہی دست بدعا تھے، سب ہی کی نظریں خدا کی جانب اٹھی ہوئی تھیں۔

"لاڈلی بیٹی" مضطرب تھی، بے چین تھی، آپ نے بلاکر کان میں کچھ کہا، اور وہ رو پڑی بات تھی ہی رونے کی، چونکہ اس سے ایک شفیق باپ جدا ہو رہا تھا، ایک مہربان و ناز بردار باپ!

درد بڑھتا گیا، ایک بے چینی سی بے چینی، ایک کرب سا کرب تھا، چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے، کبھی گرمی کی شدت سے گھبرا کر ہٹا لیتے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے زبان اقدس پر یہ الفاظ پائے:۔

"یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو، انھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادتگاہ بنا ڈالا" ——— یاد آیا کہ کچھ اشرفیاں گھر میں رکھی ہیں، ارشاد ہوا:۔

"عائشہ! وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ جاؤ ان کو خدا کی راہ میں خیرات کردو۔ محمدؐ خدا سے بدگمان ہو کے ملے گا؟"

دوشنبہ کا دن تھا، صبح کا نور افشاں وقت تھا۔ طیور فرحاں وشاداں نغمہ نوازی میں مصروف تھے۔ طبیعت میں کچھ سکون تھا، کرب میں کچھ کمی تھی، اس نے کمرہ کا پردہ اٹھا کر نگاہ ڈالی تو سب کو فجر کی نماز میں، سجدہ ریز پایا۔ نماز میں مشغول پاکر وہ بے اختیارانہ مسرت سے ہنس پڑا۔ سجدہ ریزی تو اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی۔ لوگوں نے آہٹ پائی، ان کے مشتاق و منتظر قلوب شادمانیوں سے جھوم اٹھے، جیسے کسی خزاں دیدہ چمن سے اچانک باد صبا گذر جائے یا جیسے موت زندگی سے بدل جائے، بے اختیارانہ وہ نماز توڑ دیتے کہ اس نے اشارہ سے منع فرمایا۔

لیکن یہ کیا! کیا یہ طوفان سے پہلے کا سکوت تھا، جوں جوں دن چڑھتا گیا، کرب میں اضافہ ہوتا گیا، بار بار غشی طاری ہو جاتی، باپ کا یہ کرب دیکھ کر لاڈلی بیٹی چیخ اٹھی :۔

ہائے میرے باپ کی بے چینی!

اس نے جواب دیا :۔

"آج کے بعد ساری بے چینیاں ختم ہو جائیں گی"

اور کرب بڑھتا ہی گیا

سب دم بخود کھڑے تھے!

عمرؓ حیران و پریشان نظر آ رہے تھے!

سب ہی سرگرداں تھے!

علیؓ بھی تھے!

عباس بھی تھے!

اس کے سارے بچے جمع تھے جن کو اس نے بڑی شفقت، محبت اور خلوص سے پرورش کیا تھا۔ جن کے ہر ناز کو سہا تھا، جن کی ہر تمنا کو پروان چڑھایا تھا، جن کو انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا تھا جن کے ہر دکھ درد میں ساتھ ہی نہیں دیا تھا بلکہ سب بار خود اٹھایا تھا، لیکن کوئی بھی اس کے درد کو، اس کے کرب کو نہ بٹا سکتا تھا۔

سہ پہر کو سینہ میں گھرگھراہٹ ہونے لگی۔ تنفس تیز ہو گیا، لب مبارک جنباں تھے۔ لوگوں نے سنا تو یہ الفاظ پائے۔

"نماز اور فلاح!

بے چینی بڑھتی گئی۔ بار بار پانی میں ہاتھ جاتا اور منہ پر مل لیتے، چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے اور کبھی ہٹا لیتے، آخر وہ وقت آ ہی گیا۔

ہاتھ اٹھا کر انگلی سے اشارہ کیا، اور تین مرتبہ فرمایا :۔

"اب اور کوئی نہیں، اور کوئی نہیں، بلکہ رفیق اعلیٰ وہی ہے!

اور پھر کیا ہوا!

دنیا کا محسن اعظم اس دنیا سے رخصت ہو گیا، سب کی نگاہوں میں ایک اتھاہ غم تھا ایک درد پنہاں تھا، کچھ سکتے میں تھے، کچھ طوفان گریہ چھپائے رخ اقدس کو دیکھ رہے تھے ان

کی نگاہوں میں دنیا اندھیری ہو چکی تھی۔ اب کبھی یہ آفتاب طلوع نہ ہوگا، اس جانکاہ احساس اور روح فرسا خیال نے ان کو خاموشی دیدی تھی، ایسی خاموشی جس میں ہزاروں فریادیں چھپی تھیں جس میں ہزاروں التجائیں مضطرب تھیں۔ ایک غم تھا، گہرا غم، کہ نازبردار امت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان سے جدا ہو گیا تھا۔ وہ ہمیشہ کے لیے اس کی شفقت سے محروم ہو گئے تھے، اس کا دست مہربان ہمیشہ کے لیے ان سے اٹھ گیا تھا، اس کا پیار ہمیشہ کے لیے ان کا ساتھ چھوڑ گیا تھا۔

الوداع ———— اے جانِ دوجہاں الوداع

(ختم شد)

مترجم اور محشّٰی

قرآنِ مجید

گھر گھر پہنچانے کا عزم

مکتبہ دینیات کا حوصلہ مندانہ اعلان

زبردست رعایت کردی گئی

عکسی قرآن مجید — دو ترجمہ والا

اصلی ہدیہ ۱۳ روپے — رعایتی ۱۰ روپے

سبز رنگ کی چھپائی حروف اور نقطے موتی کی طرح صاف اور چمکدار، ایک ترجمہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا اور دوسرا ترجمہ شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ کا ہے۔ حاشیہ پر تفسیر موضح القرآن، سفید چکنا کاغذ ۲۲×۲۹ شاندار عکسی طباعت، مجلد ریگزین

جس نے ایک دفعہ منگالیا اس نے اور اس کے دوستوں نے دیکھ کر بار بار منگایا۔

سبحانی عکسی قرآن مجید — بلا ترجمہ والا

اصلی ہدیہ ۸ روپے — رعایتی ساڑھے چھ روپے

بہترین سفید چکنا کاغذ، صاف روشن حروف، ۲۰×۳۰ بڑا سائز، مجلد ریگزین، تقریباً ساڑھے آٹھ سو سے زائد صفحات

محصول ڈاک: بذمہ خریدار ہے لیکن پانچ جلدیں یک مشت منگانے والوں کو ریلوے محصول کی مزید رعایت ہے۔ قریبی ریلوے اسٹیشن کا نام لکھیے، آرڈر کے ساتھ پانچ روپے پیشگی آنا ضروری ہیں۔ تسمیہ پاکٹ جنتری مفت منگائیے

مکتبہ دینیات آصف علی روڈ نئی دلی کو خط لکھ کر منگوا لیجیے

ایڈیشن ختم ہونے پر رہیں اور آپ کو افسوس رہے گا

حیاتِ سرورِ کائنات صلعم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ رسول اللہؐ کی زندگی تمہارے واسطے بہترین نمونہ ہے۔ لیکن جب ہی تو، جب آپ کو یہ علم ہو کہ حضورؐ کی زندگی کیا تھی یہ جاننے کے لئے مولانا واحدی صاحب کی کتاب حیاتِ سرورِ کائنات، کا مطالعہ ضروری ہے واحدی صاحب کا اندازِ بیان دل کش، لطیف، شیریں اور موثر ہے۔ کتاب اول سے آخر تک دلی کی دھلی ہوئی زبان میں لکھی گئی ہے۔ رسولِ مقبولؐ کی زندگی کا ہر واقعہ ساتھ کے ساتھ ذہن نشین ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس تالیف کی یہ خوبی ہے کہ نہ بادل کی گرج معلوم ہوتی ہے۔ نہ بجلی کی کڑاک، نہ موسلا دھار بارش، نہ سیلابی زور بلکہ خنک اور خوشگوار شبنم کی ہلکی ہلکی پھوار —!

جلد اول ۴ روپے ۲۵ نئے پیسے — جلد دوم ۳ روپے ۵۰ نئے پیسے

بہترین کتابت و طباعت چکنا کاغذ مجلد سرورق پر گنبد خضرا کا رنگین نقشہ، ڈاک خرچ علیحدہ

مکتبہ دینیات۔ آصف علی روڈ۔ نئی دھلی

سہ ماہی

اسلامک تھاٹ

(انگریزی)

یہ ہندوپاکستان میں اپنی نوعیت کا واحد رسالہ ہے جو انگریزی زبان میں مسلسل آٹھ سال سے شائع ہو رہا ہے۔ اس علمی جریدہ میں ممتاز اسلامی مفکرین اسلامی فکر کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کرتے ہیں۔

تازہ شمارہ میں

اسلامی طریقۂ تحقیق	عرفان احمد خاں ایم اے، بی، ٹی، ایچ، لیکچرر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ
امام غزالی کا فلسفہ محبت	پروفیسر محمد عمر الدین۔ صدر شعبہ فلسفہ و نفسیات مسلم یونیورسٹی علیگڑھ
صنفی تعلقات اور اسلام	محمد زروق، ایم، اے (سیلون)

اسکے علاوہ تنقیدی نوٹ، ڈاکٹر سعید رمضان کا ایک خط، اور چند تازہ کتابوں پر فاضلانہ تبصرے۔

قیمت فی پرچہ عہ　چندہ سالانہ صہ　صفحات ۶۴

پتہ :- دفتر اسلامک تھاٹ۔ رابعہ منزل۔ باربا غ۔ علی گڈھ

ماہنامہ **قریشی** دہلی

زیر ادارت

حکیم عبدالحمید رجسٹرڈ میڈیکل پریکٹشنر

طب قدیم و جدید پر اپنی نوعیت کا واحد رسالہ ہے۔ ہر ایک شہر میں ایجنٹوں کی ضرورت ہے۔ نمونہ مفت

قریشی گھٹی

بچوں کے اکثر امراض میں مفید اور ان کو پروان چڑھانے میں مددگار ہے۔ تاجروں کو معقول کمیشن دیا جاتا ہے

ایجنٹوں کی ہر جگہ ضرورت ہے۔ رجسٹرڈ معالج اور دوا فروش فہرست مفت طلب فرمائیں

ملنے کا پتہ

قریشی دواخانہ پوسٹ بکس ۱۷۱۷ دہلی ۶